تاریخِ اسماعیلیہ

(از آغاز ۲۹۷ھ تا اختتام ۶۵۴ھ)

مع ضمیمہ جات

صاحبِ دیوان علاء الدین عطا ملک الجوینی متوفی ۶۸۱ھ کی کتاب تاریخ جہاں گشای جلد سوم کا ترجمہ، تحشیہ و مقدمہ

از

پروفیسر علی محسن صدیقی

قرطاس
ادارہ تصنیف و تالیف و ترجمہ

تاریخ اسماعیلیہ

(از آغاز ۲۹۷ھ تا اختتام ۶۵۴ھ)

مع ضمیمہ جات

(صاحب دیوان علاء الدین عطا ملک الجوینی متوفی ۶۸۱ھ کی کتاب تاریخ جہاں گشای جلد سوم کا ترجمہ، تحشیہ و مقدمہ)

از

پروفیسر علی محسن صدیقی

قرطاس
ادارہ تصنیف و تالیف و ترجمہ

فہرست مضامین

ترجمہ متن جہاں گشائی

فصل اول

فصل دوم

فصل سوم

فصل چہارم

فصل پنجم

فصل ششم

حواشی متن جہاں گشای

"مقدمہ"

(مشمولات)

"عطاء ملک جوینی اور تاریخ جہاں کشای"

ا- جوینی کے حالات زندگی

جوین

جوین ایران کا ایک مشہور واہم کور (پرگنہ) تھا۔ یہ بسطام سے نیشاپور جانے والی شاہراہ پر واقع تھا۔ جوین کا پرگنہ (۱۸۹) دیہات پر مشتمل تھا' یہ سارے کے سارے دیہات ایک دوسرے سے متصل دو پہاڑوں کے درمیان ایک مستطیل کی شکل میں آباد تھے۔ اس کا مرکزی شہر آزادار تھا اور صاحب دیوان عطاء ملک کا خاندان یہیں آباد تھا۔ جوین سرسبزو شاداب مرغ زاروں' کشت زاروں' باغوں اور سبزہ زاروں سے بھرا پڑا تھا اور سیر حاصل و خوشگوار آب و ہوا کے لئے مشہور تھا۔

خاندان

صاحب دیوان عطاء ملک کا خاندان ایران کے قدیم' ممتاز اور اہم خاندانوں میں شمار ہوتا تھا۔ یہ خاندان' سلاجقہ' خوارزم شاہیہ اور منگولوں کے زمانہ ہائے اقتدار میں پشتہاپشت سے اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز رہا ہے۔ اگرچہ ان لوگوں کا منصب "صاحب دیوان" تھا' جسے عہد حاضر کی وزارت' مالیات یا ایران و اسلامی ہند کے منصب مستوفی الممالک کے مساوی سمجھنا چاہیے' لیکن اس خانوادہ گرامی کے بعض افراد اس سے بھی اعلیٰ مناصب پر متمکن رہے ہیں' مثلاً" خود عطاء ملک تمام عراق کا گورنر اور خاص بغداد کا مقتدر حاکم اعلیٰ رہا ہے اور اس کا بڑا بھائی خواجہ شمس الدین' منگولی حکمران اباقا خان بن ہولا کو کے دور حکومت میں تمام ممالک محروسہ کا وزیر اعظم تھا۔

نام ونسب

صاحب دیوان کا نام ولقب ہے' ابوالمظفر علاء الدین عطاء ملک صدر معظم صاحب دیوان۔ اس کا سلسلہ نسب مشہور عباسی حاجب و وزیر فضل بن ربیع تک پہنچتا ہے۔ شجرہ نسب

ہے : صدر معظم صاحب دیوان علاء الدین عطاء ملک جوینی بن صاحب دیوان بہاء الدین محمد بن شمس الدین محمد بن بہاء الدین محمد بن علی بن محمد بن محمد بن محمد بن علی بن محمد بن احمد بن اسحاق بن ایوب بن فضل بن ربیع بن یونس بن محمد بن عبداللہ بن کیسان ابو فروہ مولائے امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان اموی قریشی رضی اللہ عنہ۔

فضلاء خاندان

صاحب دیوان کے آباؤ اجداد میں ربیع بن یونس' منصور عباسی اور اس کے بیٹے مہدی کے عہد خلافت میں حاجب یعنی وزیر خاص کے عہدے پر فائز تھا۔ ہادی بن مہدی عباسی کے دور خلافت میں وہ وزارت کے منصب پر متمکن تھا۔ اسی طرح اس کا بیٹا فضل بن ربیع بھی عباسی خلفاء مہدی' ہادی اور ہارون رشید کے زمانوں میں حاجب رہا۔ وہ ہارون کے عہد میں آل برمک کے زوال کے بعد وزیر ہوا اور اس کے جانشین الامین کے زمانے میں بھی وزارت کے منصب پر فائز رہا۔ اسی طرح اس خاندان کے دیگر افراد بعد کے ادوار میں اعلیٰ سرکاری مناصب پر فائز رہے **مثلاً** "اس کا جد اعلیٰ بہاء الدین محمد بن علی جوینی' سلطان تکش بن ایل ارسلان بن اتسز خوارزم شاہ کے دربار سے ۵۸۸ھ میں وابستہ ہوا' سلطان سے مقام ری میں ملا' اس کی مدح میں رباعی پیش کی اور خلعت فاخرہ کا سزاوار ٹھہرا۔ اس بہاء الدین محمد بن علی کا ماموں منتخب الدین بدیع الکاتب الجوینی' سلاجقہ کے دور کا مشہور انشاء پرداز اور کاتب تھا۔ وہ سلطان سنجر سلجوقی کے دبیران مقرب (خاص سیکریٹریوں) میں شمار ہوتا تھا۔ اور دیوان الانشاء کا رئیس تھا۔ اس نے فن انشاء و ترسل میں "رقبتہ العلم" "مجموعہ رسائل" اور "عتبہ کتبہ" نامی کتابیں یادگار چھوڑی ہیں۔ یہ منتخب الدین جوینی سنجر سلجوقی کا ندیم و مصاحب خاص بھی تھا۔ صاحب دیوان کا جد (دادا) شمس الدین محمد' سلطان محمد خوارزم شاہ کا ملازم خاص اور اس کے دیوان کا مستوفی (وزیر مال) تھا۔ وہ آخری خوارزم شاہی سلطان جلال الدین منکبوتی کے زمانہ میں بھی مستوفی الممالک کے منصب پر متمکن تھا۔ صاحب دیوان کا پدر (باپ) بہاء الدین محمد صاحب دیوان' چنگیز خانی حملوں اور ہولاکو کے حملوں کے درمیانی زمانے میں جو ۳۵ سالوں پر محتوی ہے اور جس میں منگول سردار اور شحنہ (کوتوال) خراسان و عراق کے علاقوں پر حکمران تھے' منگولی حکومت میں مالیات کا افسر اعلیٰ اور صاحب دیوان تھا۔ ۶۳۰ھ میں منگولی سردار جنتمور نے اسے خراسان و ماژندران کا صاحب دیوان مقرر کیا۔ وہ ۶۳۳ھ میں منگول حکمران اوکتائی کے دربار میں قراقورم گیا۔ وہاں اس کی بڑی آؤ

بھگت ہوئی اور اسے انعام واکرام سے نوازا گیا۔ ۶۴۳ھ میں اسے آذربائی جان، گرجستھان دروم کا نائب گورنر مقرر کیا گیا۔ ۶۴۴ھ میں وہ ایک بار پھر قاآن کے دربار میں حاضری کی غرض سے منگولیا گیا۔ ۶۵۱ھ میں وہ یزد و عراق کا نائب بنایا گیا۔ اس نے ۶۵۱ھ میں اصفہان کے مقام پر انتقال کیا۔ وہ اپنے عہد کا نامور فاضل و اعلیٰ انشاء پرداز تھا۔ اس کا بھائی خواجہ شمس الدین محمد جوینی اپنے عہد کا فاضل وماہر مالیات و ترسل و انشاء تھا۔ وہ ہولاکو کے عہد میں اعلیٰ مناصب پر فائز رہا اور اباقا خان کے زمانے میں مملکت کا وزیر اعظم رہا۔ اس کے اور صاحب دیوان عطاء ملک کے متعدد بیٹے بھی اعلیٰ سرکاری مناصب پر متمکن رہے غرض یہ خاندان ''این خانہ ہم آفتاب است'' کے مصداق آسمان علم و فضل کا آفتاب و ماہتاب رہا ہے۔

عطاء ملک کے ابتدائی حالات

عطاء ملک ۶۲۳ھ میں پیدا ہوا۔ اس کی ابتدائی تعلیم کی تفصیل نہیں ملتی، لیکن اس کی علمی، ادبی اور انشاء پردازی کی اعلیٰ صلاحیتوں کو دیکھتے ہوئے اور نیز خاندانی علمی روایات کو مد نظر رکھتے ہوئے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے کہ اس نے مروجہ علوم کی تحصیل بڑی محنت سے کی تھی اور عربی وفارسی انشاء و ترسل میں مہارت تامہ بہم پہنچائی تھی۔ اور نثر کے علاوہ شعر و شاعری سے بھی اسے بہرہ وافر ملا تھا۔ جہاں گشائی میں جس برجستگی سے وہ عربی وفارسی اشعار، قرآنی آیات و احادیث کا استعمال کرتا ہے، اس سے مذہبی علوم اور ادب پر اس کی مضبوط گرفت کا پتا چلتا ہے۔ اسی طرح ملاحدہ کے عقائد کے ابطال میں اس کا طرز استدلال خالص متکلمانہ ہے اور یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ عقائد، حکمت و کلام پر فاضلانہ نظر رکھتا ہے۔ یوں اپنے عہد کے علماء، کُتّاب، انشاء پرداز و شعراء میں اسے ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔

ملازمت کا حال

صاحب دیوان نے ۶۴۱ھ میں جبکہ اس کا سن سترہ سال کے لگ بھگ تھا، منگولی حکام کے ہاں ملازمت اختیار کی اور دیوان انشاء میں محرر و منشی کی خدمت سے اس نے نئی زندگی کا آغاز کیا (بکار تحریر دیوان اشتغال نمود) اور امیر ارغون کے دربار سے وابستہ ہوگیا۔ امیر ارغون ۶۴۱ھ سے ۶۵۳ھ تک منگولی بادشاہ کی جانب سے دریائے جیحوں کے مغربی ممالک کا

حاکم رہا۔ امیر ارغون اپنے دور نیابت میں پانچ یا چھ بار منگولیا گیا۔ ان سفروں میں سے اکثر میں عطاء ملک اس کے ہمراہ تھا اور اس نے ان سفروں میں اپنی عمر کے دس سال گزارے۔ ان سے منگولوں کی معاشرت' سیاست اور تہذیب کو سمجھنے میں اسے بڑی مدد ملی۔ ان کی زبان سے بھی اس کو آگاہی حاصل ہوئی اور ان تجربوں سے اس نے اپنی کتاب میں بھرپور فائدہ اٹھایا۔ اس کے ساتھ ہی منگول دربار بھی اس کی اعلیٰ صلاحیتوں سے واقف ہوگیا اور بعد میں ہولاکو کے دور میں اس کا عملی تجربہ ہوا۔

ہولاکو کی ملازمت

امیر ارغون کے بعد جب بادشاہ زادہ ہولاکو بلاد غربیہ کا حاکم اعلیٰ ہو کر آیا اور اسماعیلیوں کے قلعوں کی تسخیر کا سلسلہ شروع ہوا' تو عطاء ملک اس تمام عرصے میں شاہی افواج کے ساتھ رہا اس مدت میں وقوع پذیر ہونے والے سارے واقعات کا وہ عینی شاہد ہے' اس لئے اس کا بیان نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ وہ صرف شریک سفر ہی نہیں تھا' بلکہ ہولاکو کے ہاں اسے نہایت قرب بھی حاصل تھا۔ چنانچہ خبوشان کے برباد شہر کی آبادی و بحالی' جو ایک چوتھائی اس کی ملکیت تھا' اس کی سفارش پر عمل میں آئی۔ اس طرح قلعہ الموت کے فتح ہو جانے کے بعد جو "فتح نامہ" نزدیک و دور روانہ کیا گیا' اس کا محرر و کاتب بھی عطاء ملک ہی تھا۔ ہولاکو نے اسی کی درخواست پر اسماعیلیوں کے کتب خانے سے اعلیٰ کتابوں کے انتخاب کی اس کو اجازت دی تھی۔ بہرکیف ہولاکو کے دور میں جو ۶۶۳ھ میں ختم ہوا اسے اور اس کے دوسرے اہل خاندان کو بڑا اقتدار' اعتبار و اعتماد حاصل رہا۔

بغداد کی حکومت

بغداد کے سقوط کے بعد ہولاکو نے عطاء ملک کو ۶۵۷ھ میں عراق کا حاکم مقرر کیا۔ عراق کی گورنری پر اس کی تقرری مسلمانوں کے حق میں نہایت مفید ثابت ہوئی۔ اس نے اپنے اکیس سالہ دور میں دوبارہ شہروں کی آبادی' زراعت کی ترقی' آب پاشی کے نظام' مدارس و مساجد و رباط کے قیام پر توجہ دی۔ انبار کے مقام پر دریائے فرات سے ایک نہر نکال کر کوفہ تک لایا' راستے کے تمام غیر آباد دیہات کو آباد کیا' سینکڑوں میل تک باغات' سبزہ زار اور کشت زاروں سے پورے ملک کو سرسبز و خوش حال بنا دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مزار مقدس کی از سر نو تعمیر و مرمت کرائی اور وہاں ایک رباط (سرائے) قائم کی یہ اور اس جیسے

بہت سے کام اس کے دور میں انجام پائے اور وہ عظیم بربادی جو منگولی حملہ آوروں کے ہاتھوں اس خطے کے نصیب میں آئی تھی' اس میں خاصی کمی ہو گئی۔

اباقا خان کے عہد میں

ہولاکو کے بعد ۶۶۳ھ میں اس کا بیٹا اباقا خان برسر حکومت آیا۔ اس نے عراق کی حکومت ایک منگول سردار سونجاق آغا کو دی اور اس کے نائب کی حیثیت سے عطاء ملک کا تقرر ہوا۔ مگر سونجاق آغا برائے نام حاکم اعلیٰ تھا اور حکومت کے جملہ امور حسب سابق عطاء ملک ہی سرانجام دیتا رہا۔

احمد تکودار کے عہد میں

اباقا خان کی موت کے بعد اس کا بھائی تکودار برسر حکومت آیا۔ اس نے عطاء ملک اور اس کے برادر بزرگ خواجہ شمس الدین محمد کی مساعی جمیلہ سے اسلام قبول کر لیا تھا اور احمد تکودار کے نام سے محرم ۶۸۱ھ میں' دشمن اسلام چنگیز و ہولاکو کا جانشین ہوا۔ یہ امر کہ ایک مسلمان شاہزادہ منگولی تخت کا وارث قرار پایا ہے' منگولی سرداروں اور غیر مسلم خصوصاً عیسائی حکام کو سخت ناگوار گزرا۔ اس لئے انہوں نے اباقا خان کے بیٹے ارغون کو اپنے چچا کے خلاف بھڑکایا۔ وہ منگولی سرداروں کی شہہ پر احمد تکودار کے خلاف ایک لشکر جرار لے کر چڑھ دوڑا' بغداد پر قبضہ کر کے صاحب دیوان کے متوسلین پر قیامت ڈھا دی۔ حساب فہمی کے بہانے زندہ اہل کاروں کو ہی تنگ نہ کیا بلکہ مردوں پر بھی غصہ اتارا۔ عطاء ملک کے نائب اور پیش کار نجم الدین اصغر کو جو اسی زمانے میں مرا تھا نشان عبرت بنایا اس کی لاش قبر سے نکال کر بغداد کے راستے میں پھینک دی۔ یہ بغاوت ناکام رہی اور ارغون اپنے چچا سے شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہوا۔

عطاء ملک کی وفات

اس زمانے میں صاحب دیوان خراسان کا گورنر تھا جب اسے بغداد میں اپنے آدمیوں کی بربادی کی خبر ملی تو وہ سخت رنجیدہ ہوا۔ درد سر میں کئی روز مبتلا رہ کر اس نے مغان کے مقام پر ۴ ذوالحجہ ۶۸۱ھ کو وفات پائی۔ اس کی میت تبریز لا کر خاندانی مقبرے میں دفن کی گئی۔

صاحب دیوان خوش قسمت تھا کہ اس نے احمد تکودار کے عہد سلطنت میں قید حیات سے نجات پائی۔ مگر اس کے دیگر افراد خاندان ایسے خوش قسمت نہ تھے۔

خاندان کی بربادی

۶۸۳ھ میں منگول سرداروں نے سازش کر کے سلطان احمد تکودار کے بجائے ارغون بن اباقا خان کو تخت منگولی پر براجمان کر دیا اور احمد تکودار کو شہید کر دیا۔ اب ارغون کو انتقام لینے کا موقع ہاتھ آیا اور اس نے جھوٹے الزامات لگا کر صاحب دیوان کے بھائی خواجہ شمس الدین محمد جوینی کو ۴ شعبان ۶۸۳ھ کو قتل کرا دیا۔ اس کے چار بیٹوں یحییٰ، فرج اللہ، مسعود اور اتابک کو بھی شہید کر دیا گیا خواجہ کے پوتے کو جس کا نام علی تھا۔ ۶۸۸ میں کاشان کے مقام پر شہید کر دیا گیا اور صاحب دیوان کے بیٹے منصور کا بھی یہی انجام ہوا۔ اسے حلہ سے لا کر بغداد میں قتل کیا گیا۔ غرض اس شہرہ عصر اور نابغہ روزگار خاندان کے افراد چن چن کر موت کی نیند سلا دیئے گئے ان کا قصور صرف اتنا تھا کہ انہوں نے چنگیز و ہولا کو کے حملوں سے برباد و تباہ حال مسلمانوں کی اپنے مقدور بھر مدد کی تھی۔ اور ان کی معاشرتی، معاشی اور تہذیبی بحالی و شیرازہ بندی کی سعی جمیل کی تھی۔ اور اس دشمن اسلام قوم کو دائرہ اسلام میں داخل کرنے کی جرات کی تھی۔ مگر سچ کی آخر کار فتح ہوئی اور صاحب دیوان کے داماد امام صدر الدین جوینی کے ہاتھ پر اس ارغون کے بیٹے غازان نے اسلام قبول کر لیا۔

تصانیف

صاحب دیوان عطاء ملک کی تصانیف میں تاریخ جہاں گشائی کے علاوہ مندرجہ ذیل کتب شامل ہیں :

۱۔ رسالہ تسلیتہ الاخوان : اس رسالہ کا ایک نسخہ پیرس کے قومی کتب خانہ میں موجود ہے۔ اس رسالہ میں صاحب دیوان نے ان پریشانیوں اور اذیتوں کا ذکر کیا ہے جو اسے ۶۸۰ھ میں مجد الملک کی جھوٹی شکایتوں کی وجہ سے اٹھانی پڑی تھی۔ ان مصائب سے عطاء ملک کو ۴ رمضان ۶۸۰ھ میں سلطان اباقا خان کے حکم سے نجات ملی۔ اس بناء پر خیال کیا جاتا ہے کہ یہ رسالہ رمضان ۶۸۰ھ کے بعد کا تحریر کردہ ہے۔

۲۔ ایک اور رسالہ جس کے درست نام کا پتا نہیں چل سکا، صاحب دیوان نے رسالہ تسلیتہ الاخوان کے فوراً بعد تحریر کیا تھا۔ اس میں بھی پہلی کتاب میں مذکور مصائب د

حوادث کا ذکر ہے۔ اس رسالہ کا بھی ایک بہت ہی غلط نسخہ پیرس کے قومی کتاب خانہ میں موجود ہے۔ یہ مولف کی وفات سے کوئی چھ ماہ قبل لکھا گیا ہے اور غالباً" اس کی سب سے آخری تحریر ہے۔

۳۔ مذکورہ دو رسالوں کے علاوہ چند مکاتیب' رسائل و فرامین بھی صاحب دیوان کی یادگار کے طور پر اس کے جد اعلیٰ منتخب الدین بدیع الکاتب الجوینی کے "مجموعہ رسائل" میں شامل ہیں۔ یہ سینٹ پیٹرس برگ کے کتب خانہ السنہ مشرقیہ میں محفوظ ہے۔

شاعری

۴۔ انشای' و ترسل کے ساتھ ہی صاحب دیوان کے عربی وفارسی اشعار بھی اس کی تصانیف میں جابجا بکھرے ہوئے ہیں۔ غالباً" کسی نے ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کر کے لڑی میں پرونے کا خیال نہیں کیا۔ جہاں گشائی جلد سوم سے معلوم ہوتا ہے کہ جب صاحب دیوان ہولاکو کے لشکر میں تھا اور موسم خزاں ختم ہوا اور بہار نے تمام خطہ کو لالہ و سبزہ سے آراستہ کر دیا تو اس نے یہ رباعی پڑھی ؎

چوں کرد بہار جشن حسن آمادہ
بلبل زخوشی گرفت راہ مادہ
برخیز طلوع شادی اہل تموز
در سایہ بید آفتاب سادہ

عربی زبان میں بھی اس نے اشعار کہے ہیں مثلاً" ؎

ابادیہ الاعراب عنی' فاننی
بحاضرۃ الاتراک نیطت علائقی
واھلک یانجل العیون' فلننی
بلیت بھذا الناظر المتضایق

جس زمانے میں وہ اپنے دشمنوں کی چغل خوری سے مصائب و حوادث کا شکار تھا' اس نے اپنی پامردی' استقامت و خودداری کا یوں اظہار کیا ہے ؎

لئن نظر الزمان الی مشذرا"
فلاتک ضیقا' الملک' صدرا"

وکن بالله فاثقه فلنی
اری للہ فی فارلاب سرا"

زمانی ان رملنی لاابالی
لقد مارسته عسرا" ویسرا"

ترانی ثابتا" جاشا" اذاما
جیوش الحادثات عزمن امرا"

اذا دکت جبال الصبر دکا
ترامنی ثوابتا" مستقرا"

اذا شاهدت فی صبری فتورا"
جعلت عزیمتی للنصب ازرا

(اگرچہ زمانہ نے مجھے ٹیڑھی نظروں سے دیکھا ہے مگر، میں تجھ پر قربان، اس سے تنگ دل نہ ہو۔ اور اللہ پر بھروسہ رکھ کیونکہ میرے خیال میں اس میں اللہ کا کوئی بھید ضروری ہے۔ اگر زمانہ نے مجھ پر مصیبت توڑی ہے، تو کیا ہوا میں اس کی پروا نہیں کرتا، کیونکہ میں نے تنگی و فراخی دونوں میں اسکا تجربہ کیا ہے۔ جب حوادث کے لشکر گراں میرے خلاف اٹھ کھڑے ہوں تو تم مجھے ثابت قدم اور باعزم و ہمت پاؤ گے۔ جب صبر کے بھاری پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں تو بھی تم مجھے مضبوط قلب اور مطمئن دل والا پاؤ گے۔ جب مجھے اپنے صبر میں کسی طرح کی کمی محسوس ہونے لگتی ہے تو میں اپنے عزم مصمم کو صبر کا پشت پناہ وحامی و ناصر بنا لیتا ہوں۔)

خلاصہ کلام

مختصر یہ کہ صاحب دیوان عطاء ملک اپنے اعلیٰ نسب، خاندانی تمول، عزت اور علم و فضل کی وجہ سے اپنے ہم عصروں میں ممتاز تھا۔ اس نے ایران و عراق کی گورنری کے زمانے میں اپنے ہم مذہبوں کی خدمت نہایت دل سوزی سے کی۔ اس نے اجڑی بستیوں کو بسایا بنجر اور ویران باغوں، کھیتوں اور صحراؤں کو لہلہاتے کشت زاروں، سبزہ زاروں اور مرغزاروں میں بدل دیا۔ اس نے دلشکستہ قوم کو نیا عزم و ولولہ عطا کیا، انصاف سے لوگوں کے دل جیت لئے اور اپنے اور اپنے خانوادہ کے لئے ہمیشہ رہنے والی شہرت، عزت و احترام کی دولت

کمائی۔ علم و عمل، دماغ اور ہاتھ کی بہترین صلاحیتوں سے صاحب دیوان اور اس کے خاندان والوں نے تاریخ میں باوقار مقام پایا ؎

این سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

۲۔ تاریخ جہاں گشائی کی اہمیت

اہمیت

علاء الدین عطاء ملک جوینی کی کتاب "تاریخ جہاں گشائی" کو منگولوں، خوارزم شاہوں اور اسماعیلیوں کی تاریخ کی حیثیت سے ہر دور میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اس کتاب کی اہمیت کے متعدد اسباب ہیں۔ ہم ذیل میں ان کی اختصار کے ساتھ نشان دہی کرتے ہیں :

۱۔ اس کتاب کو یہ خصوصیت حاصل رہی ہے کہ اس دور کی کوئی اور ایسی تاریخ موجود نہیں ہے، جس کا مولف واقعات کا عینی شاہد رہا ہو اور منگولوں کے رسوم اوضاع اور ان کے سیاسی و معاشرتی اطوار سے ذاتی واقفیت رکھتا ہو۔ جو دوسری کتاب ہائے تاریخ موجود ہیں یا تو ان کا مولف معاصر نہیں ہے یا اگر وہ معاصر بھی ہے تو واقعات کا براہ راست اس نے مشاہدہ نہیں کیا اور منگولوں اور ان کے ہم عصر حکمرانوں سے اس کی واقفیت ثانوی حیثیت کی رہی ہے، وہ نہ تو فوجوں کے ساتھ میدان جنگ میں موجود رہا اور نہ شاہی درباروں کے اعلی عہدوں سے منسلک رہا ہے اور دوسرے ماخذ یا موسوعات پر اس نے اپنے بیانات کی بنیاد رکھی ہے۔

۲۔ جہاں گشائی کی اس اہمیت کی دوسری وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں وہ اور اس کا خاندان سب سے پہلے منگولوں کے ملک میں گیا ان کے قبائلی نظام، معاشرتی اوضاع اور یاسائے حکومت سے آگہی حاصل کی۔ جوینی کے والد بہاء الدین محمد نے اور خود اس نے قراقورم اور منگولیا کے بار بار سفر کئے۔ صاحب دیوان نے دس سال سے زیادہ عرصہ منگولوں کے علاقوں میں قیام و سفر میں گزارا۔ جہاں گشائی پہلی کتاب ہے جس سے معاصر مورخین اور دیگر فضلاء کو اس نئی ابھرتی ہوئی منگولی عسکری طاقت کے متعلق موثق معلومات حاصل ہوئیں۔

۳۔ اس کتاب کی اہمیت کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے کہ ملاحدہ (اسماعیلیہ قہستان) کی تاریخ جو اسماعیلیوں کی خفیہ دعوت اور ان کے عقائد کی سریت کی طرح راز سربستہ کی طرح

لوگوں کی نگاہوں سے مستور تھی۔ پہلی بار ان کے اپنے تحریری مواد کی اساس پر جہاں گشائی جلد سوم' کی صورت میں منظر عام پر آئی۔ اسماعیلیوں کے عقائد وہ راز سربستہ تھے جن سے غیر اسماعیلی علماء' ناواقف محض تھے۔ یہاں یہ تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ کہ عبدالکریم شہرستانی متوفی ۵۴۷ھ نے اپنی کتاب "الملل والنحل" میں اسماعیلیوں کے بعض بنیادی عقائد سے پردہ اٹھایا۔ تو محض اس بناء پر کہ انہیں ان عقائد کا پتا کیسے چلا' علماء اہل سنت بشمول امام ابن تیمیہ نے یہ گمان کیا کہ شہرستانی مسلکاً اسماعیل تھے۔ جوینی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس نے ہولاکو کے حکم سے الموت کے نادر کتب خانہ کی پڑتال کی اور ملاحدہ کے عقائد' داخلی نظام اور ان کے سیاسی ہتھکنڈوں کو بے نقاب کیا۔ ملاحدہ قہستان سے متعلق واقعات و حوادث کا وہ نہ صرف عینی شاید ہے بلکہ سب سے پہلا مورخ واقعہ نگار بھی ہے۔

۴۔ جہاں گشائی میں منگولوں اور ملاحدہ کی تواریخ کے علاوہ خوارزم شاہیوں کی تاریخ کا بھی تفصیلی بیان موجود ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس خانوادہ کی تاریخ میں صاحب دیوان کی کتاب' پہلی کتاب نہیں ہے۔ ابن اثیرا ور اس کے معاصرین کے علاوہ' خود ان کے سرکاری مورخ و منشی نسوی نے "سیرت جلال الدین" مرتب کی ہے جو اس عہد کی مستند تاریخ کی حیثیت سے موجود ہے۔ لیکن ہمارا مصنف عطاء الدین عطاء ملک بھی اس خوارزم شاہی خاندان سے کئی پشتوں سے وابستہ رہا ہے۔ اس کا جد اعلیٰ بہاء الدین محمد بن علی اس شاہی خاندان سے ۵۸۸ھ میں وابستہ ہوا اور خاندان کے دوسرے بزرگ بھی اس خانوادے کے وابستگان دولت میں تھے۔ اس لئے خوارزم شاہی خانوادہ کے متعلق جہاں گشائی کے بیانات اتنے ہی اہم و قابل اعتماد ہیں جتنے کہ خود نسوی کے ہیں۔ جلال الدین منکبرنی کی ہم راہی کی سعادت جس طرح نسوی کو حاصل تھی' اس طرح صاحب دیوان کے باپ دادا بھی چنگیزی حملوں کے زمانے میں جلال الدین اور اس سے پہلے اس کے باپ علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے ملازمین و ہم رکابوں میں رہے تھے۔ ان وجوہ کی بناء پر جہاں گشائی کی دوسری جلد جو خوارزم شاہیوں کے احوال و آثار پر مشتمل ہے بنیادی اہمیت کی مالک اور اہم مصادر و منابع میں شمار ہوتی ہے۔

یوں کتاب کی تینوں جلدیں اپنے موضوعات پر نہایت اہمیت کی حامل ہیں اور بنیادی واساسی مراجع و منابع کی حیثیت سے تاریخ کی اہم' مستند و معتبر دستاویز شمار ہوتی ہیں۔

بعد کے مورخین کی رائے

جہاں گشائی کی اس امتیازی حیثیت کے پیش نظر بعد میں آنے والے مورخین نے اس کی توثیق کی ہے اور اپنی کتابوں میں اس سے کام لیا ہے۔ ہم ذیل میں بعض مورخین کا ذکر کرتے ہیں۔ یہ مورخین بھی بنیادی حیثیت کے مالک ہیں :

۱۔ عبداللہ بن فضل اللہ شیرازی مشہور کتاب تاریخ تجزیۃ الامصار و تجزیۃ الاعصار" معروف بتاریخ' وصاف' کا مولف ہے۔ اس نے عطاء ملک کی بے حد تعریف کی ہے۔ اس کی کتاب وصاف جو ۶۹۹ھ اور ۷۲۸ھ کے درمیان لکھی گئی ہے' دراصل جہاں گشائی کا ذیل (ضمیمہ) ہے۔ اس نے ایک جلد میں پوری کتاب کا خلاصہ کیا ہے اور جہاں وہ ختم ہوتی ہے' اس کے آگے یعنی ۶۵۵ھ سے اپنی کتاب کا آغاز کر کے ۷۲۸ھ پر ختم کیا ہے۔ مولف وصاف نے اپنی کتاب کے دیباچہ میں عطاء ملک کی تعریف وتوصیف کے بعد لکھا ہے ۔

وما انا الا . قطرۃ من سحابہ

ولوانني صنفت الف کتاب

(میں اس کے ابر علم وفضل کا صرف ایک قطرہ ہوں' ہرچند کہ میں ایک ہزار کتابوں کا مصنف ہوں)

۲۔ جامع التواریخ کا مولف رشید الدین فضل اللہ غازان خاں اور اولجایتو خاں محمد خربندہ کا وزیر تھا۔ اس کی کتاب ۷۱۰ھ میں مرتب ہوئی ہے۔ اس نے جہاں گشائی کی تینوں جلدوں کے مضامین کو اپنی کتاب میں سمولیا ہے۔ اس نے بعض مقامات پر جہاں گشائی کے مطالب کا اختصار اور بعض مقامات پر اس کے مندرجات کو نہایت تفصیل کے ساتھ جامع التواریخ میں شامل کرلیا ہے۔

۳۔ ابوالفرج غریغوریوس بن اہرون ملطی جو نصرانی طبیب اور مراغہ کا رہنے والا تھا۔ اس نے ۶۸۵ھ میں انتقال کیا۔ یہ ابن العبری کے نام سے مشہور ہے۔ اس نے سریانی زبان میں ایک مفصل تاریخ لکھی ہے۔ اس کے ہاں خوارزم شاہیوں' منگولوں اور اسماعیلیوں کے متعلق جو بیانات ہیں وہ بتمامیہ جہاں کشائی سے منقول ہیں۔ اسی طرح اس نے اپنی ایک اور عربی تاریخ مختصر الدول میں جو اس کی بڑی کتاب کا خود اس کے قلم سے خلاصہ ہے' جہاں گشائی کے بیانات **بعینہ یا ملخصا**" نقل کردیئے ہیں۔

۴۔ صفی الدین محمد بن علی بن محمد بن طبا طبا معروف بابن طقطقی نے اپنی مشہور کتاب **الفخری** ۷۰۱ھ میں تالیف کی ہے۔ اسے چونکہ عطاء ملک صاحب دیوان سے ذاتی رنجش و

عداوت تھی' اس نے جہاں گشائی کے مندرجات نام لئے بغیر اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں۔
۵- شہاب الدین احمد بن یحییٰ بن فضل اللہ کاتب دمشقی متوفی ۷۴۹ھ نے کتاب مسالک الابصار فی ممالک الامصار بیس ضخیم جلدوں میں لکھی ہے۔ یہ کتاب ۷۳۸ھ میں مکمل ہوئی۔ اس کتاب کی تیسری جلد میں جہاں گشائی کی منگولوں سے متعلق بعض فصول کا عربی میں ترجمہ شامل ہے۔

چونکہ منگولوں' خوارزم شاہوں اور اسماعیلیوں کی تاریخ میں جہاں گشائی' نہایت ثقہ اور بنیادی ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے' اس لئے بعد کے مورخین نے اس سے بہت استناد کیا ہے اور اس کی فصل کی فصل اپنی اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔ ہم ذیل میں ایسی کتابوں کے نام درج کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ کتابیں اپنے موضوعات پر سند کا درجہ رکھتی ہیں اور بعد کے مورخین کے لئے ان کا تحریری مواد نہایت اعتبار و اعتماد کا حامل ہے :
٦- تاریخ گزیدہ از حمد اللہ مستوفی ۷۳۰ھ میں لکھی گئی۔
۷- روضۃ الصفا از میرخاند محمد بن خاوند شاہ محمود (متوفی ۹۰۳ھ)۔
۸- حبیب السیر از غیاث الدین خاند میر۔ یہ کتاب ۹۲۷ھ میں تحریر کی گئی۔
۹- مجمع الانساب از محمد بن علی شبانکارہ۔ یہ کتاب ۷۳۳ھ میں مرتب ہوئی۔
۱۰- نظام التواریخ از قاضی ناصر الدین بیضاوی۔ ٦۷۴ھ میں تصنیف ہوئی۔
۱۱- روضۃ اولی الباب فی تواریخ الاکابر والانساب از ابو سلیمان داود بن محمد بناکتی یہ کتاب ۷۱۷ھ میں تصنیف ہوئی۔

مختصر یہ کہ منگول' خوارزم شاہان اور اسماعیلیان قہستان کے مورخ کے لئے جہاں گشائی کی مدد کے بغیر مستند تاریخ لکھنا قریب قریب ناممکن ہے۔

اسلوب نگارش

جہاں گشائی کا اسلوب نگارش اور طرز تحریر چھٹیں اور ساتویں صدی ہجری کی نثر نگاری کا اعلیٰ نمونہ ہے۔ یہ فنی نثر مصنوعی ہے اور صنائع و بدائع لفظی و معنوی سے بھری پڑی ہے۔ جابجا عبارت آرائی کی غرض سے تشبیہات و استعارات سے کام لیا گیا ہے۔ جملے طویل اور کلمات معترضہ سے پر ہیں۔ جابجا جملوں کے درمیان قرآنی آیات کے نگینے نہایت سلیقے سے جڑے گئے ہیں۔ بکثرت عربی و فارسی اشعار سے قدرت کلام و ندرت بیان کے شواہد فراہم کئے گئے ہیں۔ کہیں کہیں زور کلام کی غرض سے عربی کے جملوں کو فارسی متن میں

سمو کر اعلیٰ عربی انشاء پردازی کا اعجاز دکھایا گیا ہے۔ مرادفات سے بہت کام لیا گیا ہے اور ایک ہی بیان کے لئے متعدد مرادفات کا سہارا لیا گیا ہے۔ اگرچہ یہ انداز بیان عام تاریخی واقعات میں یک گونہ بدمزگی پیدا کرتا ہے، لیکن اس بے نمکی کو ادبی لطائف و ظرائف اور اشعار سے کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ جناس و تلازمہ جو فنی نثر کی خصوصیات ہیں، عربی میں ہمدانی، خوارزمی، حریری اور قاضی فاضل کے یہاں بکثرت استعمال ہوتے ہیں۔ فارسی میں قاضی حمید الدین عباسی بلخی، وصاف الحضرت اور امیر خسرو کے ہاں تقلیداً "اظہار کی قوت و ادائیگی پر قدرت کاملہ کی نمائش کی غرض سے آتے ہیں۔ جوینی نے اپنی علمی جلالت شان اور انشاء و ترسل کی بازی گری کی نمود کے لئے ان سے ضرورت سے زیادہ کام لیا ہے۔ جہاں گشائی کی تیسری جلد میں "نسخہ فتح نامہ الموت" میں جوینی نے اسی طرز بدیعہ نگاری و اسلوب صنعت گری کی اعلیٰ مثال پیش کی ہے۔ ملاحدہ کے قلعوں کے استحکام و ارتفاع کے بیان میں علم نجوم کی اصطلاحات اور مختلف ثوابت و سیار نجوم کا جناس لفظی کی صنعت گری کے ساتھ نہایت اوق و غامض بیان اس کے ہاں موجود ہے۔ ہر چند کہ فنی نثر پر تکلف، بوجھل اور بے نمک ہوتی ہے مگر جوینی کی زبان ان معائب سے یک گونہ پاک ہے۔ اس کی تاریخ کے موضوعات، خصوصاً "چنگیز و ہولاکو کے سفاکانہ طرز حکومت، بستیوں کی بربادی، خون انسان کی ارزانی، ایک ابتلائے عام جس میں کسی ذی روح کو زندہ نہ چھوڑنے کے چنگیزی احکام شامل ہوں، حد درجہ الم ناک، رنج دہ اور عذاب و عتاب سے پر ہیں، وہ انسانی جذبات کی اپنے ہم قوموں کی عزت نفس کی اور آدمیت کے وقار کی پامالی کی داستان بیان کرتا ہے اور اس کے لئے جو زبان استعمال کرتا ہے اس میں صنعت گری کے باوجود اثر ہوتا ہے۔ جوینی کے ہاں احترام آدمیت اور انسان دوستی کی وجہ سے ایک اثر ہے، اس کے ترسل میں سوز اور اس کے بیان میں دل میں اتر جانے کی صلاحیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس کے شواہد کتاب کی پہلی جلد میں چنگیز کے ہاتھوں بخاری، خیوا اور نیشاپور کی بربادی کے بیانات میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ وہ عام بدامنی جو ملاحدہ کی دسیسہ کاریوں اور ان کے فدائیوں کی خنجر زنی کے سبب سرزمین ایران و خراسان کا مقدر بن گئی تھی جس کے سبب امراء ہی نہیں علماء و فضلاء بھی اپنے گھروں تک میں جان سے ایمن نہ تھے، کتاب کی تیسری جلد میں اس کا تذکرہ پر اثر انداز میں کیا گیا ہے۔ اور بمصداق "ہرچہ از دل خیزد بر دل ریزد" قاری کو آج بھی متاثر کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جوینی الفاظ و معانی کا ماہر صنعت گر اور انشاء و ترسل کا چابک دست نقش گر ہے اور اس کی کتاب اس کی شاہد عدل ہے۔

وضع و ترتیب

جہاں گشائی تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ ان تینوں جلدوں کے مشتملات و موضوعات مندرجہ ذیل ہیں :

جلد اول : یہ جلد منگولوں کے ابتدائی حالات سے گیوک پسر اوکتائی بن چنگیز خان تک کے احوال پر مشتمل ہے۔ ابتداء میں ایک طویل مقدمہ ہے۔ اس کے بعد فصل اول میں قدیم منگولوں کے عادات و رسوم کا مذکور ہے۔ دوسری فصل میں یاسائے چنگیزی یعنی قانون اساسی منگولاں کا بیان ہے۔ اس کے بعد چنگیز خان کے حالات کا بیان ہے اور ملک اویغور میں چنگیزی فتوحات کے ضمن میں اویغور اقوام کے آداب و معاشرت اور رسوم پر ایک فصل ہے۔ اس کے بعد ماوراء النہر و ایران میں منگولی فتوحات کا نہایت تفصیل سے ذکر ہے۔ منگولوں کی سفاکی، مسلمانوں کی بربادی اور مسلمان امراء کی نااہلی کا نہایت دل دوز انداز میں بیان ۶۱۵ھ سے شروع ہو کر ۶۲۴ھ میں چنگیز کی ہلاکت پر ختم ہوتا ہے۔ بعد ازاں چنگیز کے بیٹے اور جانشین اوکتائی کی حکومت کا بیان ہے، جو ۶۲۶ھ سے شروع ہو کر ۶۳۹ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہے۔ جوینی نے اوکتائی کے جود و کرم اور عدل و انصاف کی بہت سی داستانیں بھی لکھی ہیں۔ اوکتائی کی موت کے بعد اس کی بیوی کے دور نیابت اور اس کے بعد اس کے بیٹے گیوک کے عہد کا بیان ہے۔ یہ تذکرہ ۶۴۴ھ پر ختم ہو جاتا ہے۔ بعد ازاں چنگیز خان کے دوسرے بیٹوں توشی (دوشی / جوجی) اور چغتائی کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ اس پر جہاں گشائی کی جلد اول ختم ہو جاتی ہے۔ اس طور سے کتاب کی یہ جلد منگولوں کی قدیم تاریخ سے لے کر ۶۴۴ھ تک کے اہم واقعات و حوادث کی مستند و موثق دستاویز ہے۔

جلد دوم : جہاں گشائی کی دوسری جلد خوارزم شاہی سلاطین کے حالات پر مشتمل ہے مگر ان کے ساتھ دوسرے مباحث پر بھی گفتگو کی گئی ہے۔ اس جلد میں سلاطین و بادشاہان خوارزم شاہیہ کا مفصل ذکر ہے، خصوصاً" دور آخر کے حکمرانوں کے تذکرہ میں نسبتاً" تفصیل زیادہ ہے۔ اس خاندان کے ذکر کے ضمن میں ایک نہایت مفید فصل کافر ترکوں کے حالات میں ہے۔ یہ کافر ترک تاریخ میں قراخطائیہ اور گور خانیہ کہلاتے ہیں۔ انہوں نے ۹۵ سال کے قریب کاشغر، ختن اور بلاساغون پر حکومت کی ہے۔ ان اطراف کے اکثر ترک ملوک الطوائف مثلاً" افراسیابیہ، خانیہ، ایلک خانیہ اور آل خاقان ان کافر ترک

حکمرانوں کو خراج دیتے تھے اور ان کی حفاظت و حمایت میں تھے۔ یہ آل خاقان سامانی امراء کے بعد منگولی قبضے تک کم و بیش دو سو سال تک ترکستان و ماوراء النہر پر قابض و متصرف رہے تھے۔ ان کافر ترک حکمرانوں کو بعض خوارزم شاہی بادشاہوں نے بھی خراج ادا کیا ہے۔ اس خانوادہ کی تاریخ کا سب سے اہم ماخذ جہاں گشائی کی یہی جلد ہے۔ جلد دوم کے اخیر میں ان منگول شحنہ (کوتوال) اور حکام کا تذکرہ ہے جنہوں نے اوکتائی قاآن کے دور سے ہولاکو کی بلاد مغربی میں آمد تک یعنی ۶۲۲ھ سے ۶۵۳ھ تک ایران و خراسان پر حکومت کی ہے مثلاً" جنتمور، گرگوز، امیر ارغون، جوینی نے ان سب کے حالات بڑی تفصیل سے بیان کئے ہیں۔ اس بیان پر یہ جلد دوم اختتام پذیر ہوتی ہے۔ یوں یہ جلد خوارزم شاہیوں کے ساتھ ساتھ قراختائیوں اور منگولی شحنہ و حکام کے حالات پر مشتمل ہے۔

جلد سوم : اس جلد کا آغاز ۶۴۹ھ میں چنگیز خان کے پوتے منکوقاآن پسر تولی خان کے تخت نشینی کے بیان سے ہوتا ہے۔ ابتداء میں اس کی سلطنت کے بعض ابتدائی واقعات بھی بیان کئے ہیں۔ بعد ازاں ہولاکو بن تولی کی بلاد غربیہ (ماوراء النہر، خراسان، ایران، عراق و شام وغیرہ) پر تقرری کا بیان ہے۔ اس کی افواج کی ترتیب اور سفر کی داستان بڑی تفصیل سے بیان کی گئی ہے۔ یہ سلسلہ ۶۵۳ھ سے شروع ہوتا ہے۔ اس ابتدائی مبحث کے بعد اسماعیلیوں کا بیان شروع ہوتا ہے ان کے قلعوں کی تفصیل، ان کے مذہبی عقائد کی توضیح و تشریح، ان کے قدیم عقائد کا بیان اور اس ضمن میں مصر کے اسماعیلی حکمرانوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ ملاحدہ قہستان کی سازش، ان کے حکام کی سرگزشت کا بیان بھی بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اخیر اخیر ہولاکو کے ہاتھوں ان کی بربادی اور حکومت کے ۶۵۵ھ میں مکمل خاتمہ کا حال تحریر کیا گیا ہے۔ اس جلد میں ملاحدہ کے عقائد کے رد میں جوینی نے متکلمانہ انداز اختیار کیا ہے اور اس گروہ سے اپنی دلی نفرت کے اظہار میں اس نے کوئی کمی نہیں کی ہے۔ اس نے اس گروہ کے حکام کے لئے درشت و تیز و تند لہجہ اختیار کیا ہے۔ غالباً" اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اس کے اپنے وطن میں اس گروہ نے پونے دو سو سال سے جو لاقانونیت اور کشت و خون کا بازار گرم کر رکھا تھا[۱] اس سے وہ اور اس کے ہم وطن حد درجہ اذیت برداشت کر چکے تھے اور ان کے استیصال تک وہ اس اذیت ناک دور کرب و بلا سے دوچار رہے تھے۔ بہرکیف کتاب کی یہ تیسری جلد آخری اسماعیل حکمران رکن الدین خور شاہ کے ۶۵۵ھ میں قتل اور اس کے خاندان کی مکمل بربادی اور اس کے قلعوں کی مسماری و پامالی پر ختم ہوجاتی ہے۔ اور ساتھ ہی ساتھ جوینی کا رواں قلم بھی یک سر خاموش ہوجاتا

ہے۔ اس جلد میں "نسخہ فتح نامہ الموت" بھی ہے جس کا ترجمہ ضمیمہ کے طور پر درج کیا گیا ہے۔

جہاں گشائی کا اختتام

مقام افسوس ہے کہ عطاء ملک جوینی ۶۸۱ھ تک زندہ رہا۔ اور ۶۵۵ھ تا ۶۸۱ھ کا زمانہ جو ربع صدی پر محتوی ہے اور تاریخ اسلام کے نہایت اہم واقعات و حوادث پر مشتمل ہے، خصوصاً "خلافت عباسیہ کا انقراض، بغداد کی بربادی اور دنیائے اسلام کی بدحالی، ان سب کے لئے ہمارا عظیم مورخ و انشاء پرداز جو عینی شاہد بھی تھا، نہایت مستند و موثق واقعہ نگار ثابت ہوتا اور اس کا لکھا ہوا تاریخ کے اہم مراجع، منابع و ماخذ میں شمار ہوتا، مگر نجانے کن وجوہ سے اس کا قلم خاموش ہوگیا۔ یہ خاموشی تاریخ کے لئے ناقابل تلافی نقصان ہے۔ شاید جوینی کی حکومتی ذمہ داریوں اور اس کے خلاف سازشوں نے اسے تاریخ نویسی کی طرف متوجہ نہ ہونے دیا۔ مگر چراغ سے چراغ جلتا ہے۔ وصاف الحضرت نے اپنی تاریخ وہیں سے شروع کرکے جہاں اس کے ممدوح جوینی نے اسے چھوڑا تھا، اپنے عہد تک کے واقعات پر اسے ختم کردیا اور اس کمی کو کسی قدر پورا کردیا۔

ضمیمہ فتح بغداد

جہاں گشائی کے بعض نسخوں میں خواجہ نصیرالدین طوسی کا لکھا ہوا ایک ضمیمہ بھی شامل ہے، جسے خواجہ نے بغداد کی بربادی پر تحریر کیا ہے۔ اس ضمیمہ کی بدولت جہاں گشائی ۶۵۶ھ تک کے حوادث و وقائع پر مشتمل ہے۔ ہم نے اس تحریر کو ضمیمہ قرار دے کر اس ترجمہ کے آخر میں اس کا ایزاد کردیا گیا ہے۔ چونکہ خواجہ نصیرالدین طوسی کو بغداد کی بربادی کا براہ راست ذمہ دار قرار دیا جاتا ہے، اس لئے اس کا بیان بطور "عذر گناہ" بھی مطالعہ کا مستحق ہے۔

۳۔ ترجمہ اردو کی خصوصیات

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں عرض کیا گیا کتاب جہاں گشائی اعلیٰ فنی نثر کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ کتاب ہر طرح کی ادبی صنعت گری و لسانی تکلف سے پر ہے۔ اس کی عبارتیں طویل

ترادفات پر مشتمل ہیں۔ اردو ترجمہ میں اس نزاکت کو امکانی حد تک ملحوظ رکھا گیا ہے' پر تکلف زبان کو سلیس و سہل زبان میں بدلا گیا ہے' حتی الامکان طویل جملوں کو مختصر کیا گیا ہے اور طویل جملوں کو اسی صورت میں قائم رکھا گیا ہے جہاں ان کا اختصار ممکن نہیں ہوسکا۔ کہیں کہیں جملوں میں وضاحت کی غرض سے کچھ اضافے بھی کئے گئے ہیں' مگر انہیں بین القوسین میں رکھا گیا ہے تاکہ مصنف کی تحریر اور مترجم کے ایزاد میں امتیاز قائم رہے۔ مگر چونکہ نثر مرصع کا نہ اب فارسی میں رواج ہے اور نہ اردو میں اس کا چلن ہے ترجمہ میں اس سے احتراز و اعراض کیا گیا ہے۔

صاحب دیوان علاء الدین عطا ملک جوینی کو اس سیلاب خون و طوفان آتش سے گزرنا پڑا تھا' جو قریب قریب دو صدیوں سے ملاحدہ کے ہاتھوں ایران و خراسان کے عوام و خواص کے ابتلاء و استیصال کا سبب بنا ہوا تھا۔ اور جس سے اس خطہ علم و دانش سے علماء و فضلاء کی ہجرت اور سرزمین امن و آشتی سے رفاہیت و طمانیت کے خاتمہ کی تباہ کن صورت حال پیدا ہوئی تھی اس لئے ہمارے فاضل مورخ نے اس "نامبارک تحریک" سے اپنی سخت نفرت کا اظہار کیا ہے۔ اس کے ہر فقرہ سے ایک کرب انگیز بیزاری اور دردناک نفرت کا پتا چلتا ہے۔ اس عہد کے قاری کے لئے یہ طرز اداء نامانوس ٹھہرے گا' اس لئے مترجم نے ایسی عبارتوں کے ترجمہ میں توازن و ثقاہت پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ جہاں ایسا کرنے میں مترجم کامیاب نہیں ہوسکا' اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل متن کو مسخ کئے بغیر ایسا کرنا ممکن نہیں تھا۔ بہرحال متن کی ثقاہت کو ہر قیمت پر برقرار رکھا گیا ہے۔

کتاب میں انشاء پردازانہ زور ہے' مترجم کو اپنی کم مائیگی کا اعتراف ہے' وہ ترجمہ میں یہ زور نہیں پیدا کرسکا ہے' شاید اس لئے بھی کہ مترجم انشاء پرداز نہیں' بلکہ تاریخ کا ادنیٰ طالب علم ہے اور تاریخ جوش سے زیادہ ہوش کا تقاضا کرتی ہے چنانچہ تاریخ کی زبان میں ٹھہراؤ اور توازن ہوتا ہے' شورانگیزی اور برانگیختگی نہیں۔

کتاب میں عنوانات نہ ہونے کے برابر ہیں' ترجمہ میں مباحث کی بنیاد پر فصلیں قائم کی گئی ہیں۔ اور ذیلی عنوانات دیئے گئے ہیں۔ مگر ایسا کرنے میں بڑی دشواری یہ پیش آئی کہ مصنف کی عبارت کے تسلسل کو برقرار رکھا جائے۔

ذیلی سرخیاں وضاحت کی غرض سے قائم کی گئی ہیں اور ان میں صحافیانہ انداز کے بجائے مورخانہ طرز کو اختیار کیا گیا ہے۔

بہرکیف ترجمہ اپنی خامیوں اور خوبیوں کے ساتھ اہل علم کی خدمت میں پیش کیا جارہا

ہے۔ مترجم خوبیوں کے صلہ کی تمنا نہیں رکھتا، ہاں خامیوں کی نشان دہی کا طالب ہے تاکہ غلطیوں کی اصلاح کی جاسکے۔

جہاں گشائی جلد سوم کے ترجمہ کے ساتھ ابتداء میں ایک مقدمہ، ترجمہ متن کے بعد بعض ضروری وضاحتی حواشی اور اس کے بعد اسماعیلیوں کی تاریخ کی تفہیم کی غرض سے تین ضمائم (ضمیمے) شامل کئے گئے ہیں۔ اس طور سے قاری لئے اسماعیلیان عراق، ایران و خراسان کی تاریخ سے شناسا ہونا آسان ہوجائے گا۔ حواشی میں مترجم نے حد درجہ احتیاط سے کام لیا ہے اور ان کے ضروری ماٰخذ کی سہولت مزید کے غرض سے نشان کردی ہے۔

ترجمہ کے لئے تاریخ جہاں گشائی کی جلد سوم کا وہ نسخہ منتخب کیا گیا ہے جسے بریل لائیڈن (ہالینڈ) سے ۱۹۳۷ء میں مشہور ایرانی فاضل علامہ محمد بن عبدالوہاب قزدینی نے اپنے علمی مقدمہ اور تحقیقی حاشیوں کے ساتھ نہایت عرق ریزی سے شائع کیا ہے۔ فاضل مذکور کی یہ علمی سعی قابل صد ستائش و تحسین ہے۔ مترجم ان کے علمی دسترخوان کا زلہ ربا اور ان کے علمی پایہ کے حضور ایک طفل کم سواد سے زیادہ ہے۔ انہوں نے جہاں گشائی کو اپنی تحقیق سے مزید اعتبار بخشا ہے۔

خاکسار
علی محسن صدیقی

ترجمہ متن

جہاں گشائی جلد سوم

فصل اول

(ہولاکو کی بلاد غربی کی جانب روانگی)

تمہید

(سیاق عبارت قائم رکھنے کی غرض سے جہاں گشائی کی تیسری جلد کے اس مندرجہ کا' جس کا عنوان ہے "شاہزادہ جہاں ہولاکو کی مغربی ممالک کی طرف روانگی" اختصار کے ساتھ ذیل میں ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ منگولوں نے بلاد غربی کے علاقہ' خراسان و عراق۔ ایران و عراق۔ پر نہایت تیاری سے چڑھائی کی تھی اور اسماعیلیوں اور خلفائے عباسیہ کی مکمل تباہی میں نہ صرف منگولی بلکہ ترک و تاجیک سپاہ سے بھی بڑی ہوشیاری سے کام لیا گیا تھا۔)

بلاد غربی پر ہولاکو کی تقرری

"جب قراقورم کے منگولی تخت پر چنگیز خان کا پوتا اور تولی خان کا بیٹا منکو قاآن متمکن ہوا' اور منگولی قورتائی بزرگ (بڑے جرگے) نے اس کی بادشاہت کی توثیق کردی تو اسے دوسرے منگولی حکمرانوں' دشمنوں اور خودغرض حاسدوں سے یک گونہ سکون و اطمینان حاصل ہوا۔ چنانچہ ۶۵۰ھ میں اس نے اپنے ایک بھائی قوبلائی کو مشرقی ممالک (ختائی و چین) کی سربراہی پر مقرر کیا اور شاہزادوں' دامادوں' امراء و قبائلی سرداروں کے ساتھ ایک بڑی فوج اور ضروری جنگی سازوسامان کے ساتھ اسے مشرق کی سمت پیش قدمی کا حکم دیا۔ بعد ازاں اپنے ایک اور بھائی ہولاکو کو ممالک غربی کا حاکم مقرر کرکے (ترکستان' ماوراء النہر' سجستان' خراسان' ایران' عراق و شام) مغرب کی جانب پیش قدمی اور جو ممالک اب تک فتح نہ ہوئے تھے (یعنی ملاحدہ کے قلعے اور عباسیوں کے علاقے) ان کی تسخیر کا حکم دیا۔ اس لشکر میں اصل بادشاہی فوج کا بیسواں حصہ' شاہزادوں' منگولی سرداروں' قبائلی امراء اور دامادوں کی بڑی تعداد اپنی اپنی افواج کے ساتھ شامل کی گئیں۔ ہولاکو کے سب سے چھوٹے بھائی سبتائی اغول کو بھی اس لشکر کے ساتھ شامل کیا گیا آلات جنگ' قلعہ شکن منجنیقیں جنہیں ختائی ماہروں نے پہاڑی راستوں میں مہارت کے ساتھ چلانے کی غرض سے سریش اور ابریشم کے آمیزہ سے مستحکم کیا تھا اور ماہر نفت اندازوں نے آتش زنی کے مسالے بڑی

محنت سے تیار کئے تھے یہ سب اس لشکر گراں کے ہمراہ کئے گئے۔ جانوروں کے چارے کی بہم رسائی کی غرض سے اس لشکر کی گزرگاہ کے تمام سبزہ زاروں' مرغ زاروں اور باغوں کو مقامی آبادی کے چوپایوں اور آدمیوں کے لئے شجرہ ممنوعہ قرار دیا گیا۔ راستے کے دہقانوں' روساء و امراء پر سامان خوردنی کی فراہمی کی ذمہ داری ڈالی گئی۔ مصنف کتاب جہاں گشائی بہاء الدین عطاء ملک جوینی کو ہولاکو کا صاحب دیوان اور دبیر خاص مقرر کیا گیا' تاکہ خراسان و عراق میں اس خاندان کی قدیمی ساکھ اور دفتری مہارت سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا جاسکے۔

ہولاکو کی روانگی

"یہ لشکر گراں موسم سرما کی برف باری اور خراب موسم کی مشکلات سے نجات پاکر خراسان کی حدود میں داخل ہوا۔" (یہاں سے تلخیص ختم ہوئی اور کتاب کا ترجمہ شروع ہوتا ہے) بقول جوینی "موسم سرما کی تاریک راتوں کی کوکھ سے صبح بہاراں نے جنم لیا۔ سبزہ بہار اور گل رنگا رنگ' صحرا میں کھل اٹھے' انہوں نے دنیا کو گلہائے ہفت رنگ کی دیبائے حریریں پہنا دی۔ سپاہ اور چارپایوں کو بھی آرام و سکون نصیب ہو" اب الحاد کے قلعوں کی تسخیر کا حکم دیا گیا۔ چنانچہ دس دس ہزار سپاہ کے بیرقوں (بیرق' پرچم' علم) کے تلے فوجی اکٹھا ہونے لگے۔ اس حدود میں جو سپاہ ترک و تاجیک پہلے سے موجود تھی وہ بھی جنگ کے لئے آمادہ ہو گئی۔

قصبہ تون کی فتح

چونکہ قصبہ "تون" ابھی خراب و برباد نہ ہوا تھا' اور اپنی پرانی گمراہی پر تا حال قائم و باقی تھا' اس لئے بادشاہ ہولاکو نے سب سے پہلے اس کا رخ کیا۔ ربیع الاول (۶۵۴ھ) کے آغاز میں مبارک گھڑی پر "تون" کی جانب فتح و کامرانی کی یلغار شروع ہوئی۔
جب بادشاہ زادہ خواف کے حدود میں پہنچا' تو بیماری کا علم اس پر سایہ فگن ہوا (یعنی وہ بیمار پڑ گیا)۔ سو اس نے کوکا ایلکائی اور کیدبوقا اور دوسرے سرداروں کو اس مہم پر روانہ کیا۔ جب یہ سردار اپنی افواج کے ساتھ "تون" پہنچے' تو وہاں کے بدمعاشوں (رندان) نے مزاحمت کی۔ سات دنوں کی مزاحمت کے بعد لشکر شاہی اس قلعہ میں داخل ہو گیا' اس کی فصیل کو مسمار کر دیا اور تمام مرد و زن کو قلعہ کے باہر میدان میں لے جا کر دس سال سے بڑی عمر کے لوگ جن کے قد ایک تیر سے زیادہ دراز تھے' نوجوان عورتوں کے سوا' سب کے سب موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے۔ یہ فوجی سالار اس کے بعد کامیاب و کامران بادشاہ کی

خدمت میں حاضر ہوئے۔

طوس میں قیام

اس مقام سے لشکر نے طوس کا رخ کیا۔ یہاں ایک باغ کے دروازے پر جسے امیر ارغون نے تعمیر کیا تھا۔ ریشمی زربفت کا بڑا خیمہ نصب کیا گیا' یہاں شاہی امراء کا اجتماع ہوا۔ یہ وہی خیمہ تھا جسے بادشاہ جہاں منکوقا آن کے حکم سے امیر ارغون نے اس کے بھائی ہولا کو کے لئے بڑے اہتمام سے تیار کرایا تھا۔ اس حکم کی تعمیل کی غرض سے ماہر کاریگروں کو بلا کر ان سے مشورہ کیا گیا اور یہ طے پایا کہ اسے اکہرے اور دہرے بٹے ہوئے دھاگوں سے اس طرح تیار کیا جائے کہ صنعائے (یمن) کے صناع بھی اس کے بنانے سے قاصر ہوں۔ اس کے دونوں رخ ایک قسم کے ہوں اور نقش ونگار و رنگ آمیزی میں اندر اور باہر کوئی فرق نہ ہو۔ یہ کپڑا اس قدر دبیز ہو کہ قینچی سے نہ کٹ سکے۔ یہ قبہ زرنگار اور خیمہ آسمان کردار (بلند) ایسا روشن تھا کہ اس کے مقابلہ میں سورج بے نور اور روشن چاند بدہیت نظر آتے تھے۔ بہرکیف یہاں چند دنوں قیام و جشن رہا۔

باغ منصور میں قیام

بعد ازاں یہاں سے کوچ کرکے' تھکن مٹانے کی غرض سے باغ منصوریہ میں قیام ہوا۔ یہ باغ بہت پرانا ہو گیا تھا اور اس میں کافی ٹوٹ پھوٹ ہو گئی تھی' امیر ارغون نے اسے ازسر نو تعمیر کرایا تھا۔ اس کی دل کشائی و خوبی پر بہشت دنیا رشک کرتی تھی حکیم انوری نے اسی کے لئے کہا تھا ۔

"واہ واہ' اے منصوریہ کا باغ اور محل' ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنت سے تجھے خدا نے دنیا میں بھیج دیا ہے۔" اس روز امیر ارغون اور صاحب (وزیر) عزالدین طاہر کی خواتین نے سامان خورد و نوش سے شاہی مہمانوں کی ضیافت کی اور جشن برپا کیا۔

رادکان میں قیام

ایک دن بعد وہاں سے کوچ کرکے رادکان کے مرغ زار (سبزہ زار) میں چند دنوں تک قیام ہوا۔ اس سفر و قیام کے دوران تمام نزدیک و دور کے صوبہ جات یعنی مرو' بازر اور دہستان کے لوگ شراب' پانی کی طرح وافر مقدار میں لاتے رہے اور بے حد و حساب چارے اور خوراک لے کر ہر منزل میں حاضر ہوتے رہے۔

خبوشان کی از سرنو آبادی

رادکان سے چل کر خبوشان پہنچے۔ یہ قصبہ منگولی لشکر کی ابتدائی یورش سے تا حال ویران وبرباد اور اجاڑ تھا۔ اس کی تمام تعمیرات زمین دوز ہوگئی تھیں' اس کی زیر زمین کاریزیں خشک پڑی تھیں اور قنات (نہریں) ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ یہاں کی جامع مسجد کی دیوار کے سوا کوئی دیوار باقی نہ رہ گئی تھی۔ خبوشان کی اس بربادی سے پہلے میں (جوینی) نے یہاں کے باشندوں اور رعایا سے قصبہ کا ایک چوتھائی حصہ خرید لیا تھا۔ میں نے ویران وبرباد شدہ مقامات کی دوبارہ آبادی کی طرف بادشاہ (ہولاکو) کو مائل پایا' تو خبوشان کی تعمیر نو کی جانب اس کی توجہ مبذول کرائی۔ بادشاہ نے میری عرضی داشت کو سنا اور کاریزوں' بازاروں اور عمارتوں کی تعمیر کا حکم دیا۔ اور رعایا کی خوش حالی اور انہیں وہاں دوبارہ آباد کرنے کی ہدایت کی۔ چنانچہ وہاں جو عمارت تعمیر ہوتی تھی اس کے اخراجات خزانہ شاہی سے نقد ادا کئے جاتے تھے تاکہ ان کا بوجھ رعایا پر نہ پڑے۔ وہاں کی قنات (نالیاں' نہریں) جو ایک عرصے سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار تھیں دوبارہ جاری ہوگئیں' باشندے ایک مدت کی ترک سکونت کے بعد پھر واپس آگئے۔ قہستان سے کسانوں اور کنویں کھودنے والوں کو لا کر یہاں (خبوشان میں) آباد کیا گیا۔ بادشاہ نے کارخانوں کے قیام کا بھی حکم دیا۔ جامع مسجد کے متصل ایک باغ بنانے کا بھی فرمان صادر ہوا۔ وہاں کی جامع مسجد اور قبرستان بھی ویران ہوگئے تھے صاحب اعظم سیف الدین آغا نے مسجد کی تعمیر کے آغاز اور اس کی نشاۃ ثانیہ کے لئے تین ہزار اشرفیاں منظور کیں۔

خرشاہ کی سفارت

بادشاہ (ہولاکو) استو میں بھی دو ماہ ٹھہرا۔ جب پہاڑ اور جنگل چاروں اور خوراک سے خالی ہوگئے تو وہاں سے کوچ کیا۔ اس اثناء میں رکن الدین خورشاہ نے اپنے بھائی شہنشاہ اور اپنے ملک کے رو دار اشخاص کو دربار شاہی میں اظہار اطاعت وبندگی اور حصول حمایت کی غرض سے روانہ کیا۔ جب (ان کی آمد کی) یہ باتیں بادشاہ نے سنیں' تو ان لوگوں کے ساتھ احترام وعزت کے ساتھ پیش آنے کا حکم دیا۔ بعد ازاں' ان (اسماعیلی قاصدوں) میں سے ایک شخص کے ہمراہ اپنے ایلچیوں کو رکن الدین خورشاہ کے پاس بھیجا تاکہ وہ لوگ قلعوں کی جلد بربادی ومسماری سے متعلق اسے آگاہ کریں۔ جب یہ حکم رکن الدین خورشاہ کو ملا' تو اس نے اپنی دیوانگی (حماقت) اور جوانی (ناتجربہ کاری) کی وجہ سے 'دروغ (جھوٹ) اور بہتان

(حیلہ' الزام' بہانہ) پر مبنی جواب دیا۔

ملاحدہ سے جنگ کا فیصلہ

جب بادشاہ (ہولاکو) پر یہ بات واضح ہوگئی کہ رکن الدین کی قسمت اس سے برگشتہ ہوچکی ہے اور اس سے نرمی کا سلوک کرنا اور دوستی کی روش اپنانی زحمت وپریشانی کا سبب ہوگی' تو اس نے مقام خرقان سے رکن الدین خورشاہ سے جنگ کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا۔

فصل دوم

ملاحدہ کے قلعوں کی تسخیر کی غرض سے بادشاہ جہاں ہولاکو کی پیش قدمی

افواج کی پیش قدمی

جب سفیروں اور ایلچیوں کی آمدورفت سے رکن الدین (خورشاہ) کو کوئی تنبیہہ نہ ہوئی اور اس نے بادشاہ (ہولاکو) کی خواہش کو ٹالنے کی نیت سے پانچ گنے چنے قلعوں کو جن میں زیادہ سازوسامان نہ تھا اور جو محفوظ و مستحکم بھی نہ تھے، خالی کردیا اس نے دوسرے قلعوں کے دروازے اکھڑوا دیئے اور مضبوط فصیلوں کے بالائی حصے توڑوا دیئے اس کا خیال تھا کہ وہ مکرو فریب کے ان باطل طریقوں سے تقدیر کے نوشتہ کا توڑ کرسکے گا۔ "افسوس ہے افسوس ان امور کے باعث جن کا تم لوگوں سے وعدہ کیا گیا ہے۔" (المومنون ۳۶) (بناء بریں ہولاکو) خرقان کے مرحلہ سے شعبان کے وسط میں (۱۵ شعبان ۶۵۴) رکن الدین کے قلعوں (کی تسخیر) کے قصد اور اس کی بستیوں کو برباد کرنے پر مستعد ہوگیا۔ اس نے ان افواج کو جو عراق اور دوسرے مقامات پر تھیں حکم دیا سب ایک جگہ جمع ہوجائیں میمنہ (کے ساتھ) بوقا تیمور و کوکا ایلکاسی براہ مازندران اور میسرہ (پر) تکودر اغول و کید بوقا سمنان و خوار کے راستے روانہ ہوئے۔ اور بادشاہ زادے بلغامی و توقار اور عراق (میں مقیم منگولی) لشکر نے الموت کی سمت سے کوچ کیا۔ خود بادشاہ ان جواں مردوں کے جلو میں جو جنگ کو شہد جانتے ہیں اور خوف کی ذرا پروا نہیں کرتے، چل پڑا۔

قاصدوں کی ایک بار اور روانگی

مقدمہ (کے بطور) (ان افواج سے) پیشتر دوبارہ ایلچیوں کو بھیجا کہ (رکن الدین کو علم ہوجائے کہ) ترکتازی کے عزم اور پیش قدمی کی نیت کو عملی شکل دے دی گئی ہے ہرچند کہ ماضی میں اس کے جرائم کھوکھلی معذرتوں اور بہانوں کی وجہ سے کئی گنے ہوگئے ہیں تاہم اگر وہ اب بھی صدق دل سے ہلاکو کے استقبال کی خدمت انجام دے تو اس کے جرائم سے درگزر کیا جائے گا، اس کی فضول گوییوں پر عفو کی نظر ڈالی جائے گی اور اس کے معروضات کو قبول کیا جائے گا۔

ملاحدہ کی مہلت طلبی

جب بادشاہ زادہ جہاں کشائی چتر بلند فیروز مندی کے ساتھ (مقام) فیروز کوہ سے گزرا تو (رکن الدین کے آدمیوں نے) ایلچیوں کو واپس (ہولاکو کے پاس) بھیج دیا اور خود (قلعوں کی) فصیلوں اور دیواروں کو مسمار کرنے میں مشغول ہو گئے۔ (ان ایلچیوں) کے ہمراہ جھوٹے (رکن الدین) کا وزیر اور بدبخت کا مدبر (صاحب تدبیر) کیقباد (نامی) طرح طرح کے فریب و مکر کے ساتھ آیا اور قلعوں اور بستیوں کو مسمار کرنے کے حکم کو قبول کیا۔ اور یہ درخواست کی کہ رکن الدین کو قلعہ سے (ہولاکو کے دربار میں) آنے کے لئے ایک برس کی مہلت دی جائے اور تین قلعوں الموت' لمسو دلال کو جو قدیم سے ان کے پاس ہیں' (منگولوں کے) حوالے کرنے سے مستثنیٰ کیا جائے اور وہ باقی قلعوں کو (ہولاکو کے) کے حوالے کردیں گے اور جو حکم ہوگا بجالائیں گے۔ (اس اثناء میں رکن الدین نے) حکم بھیجا کہ قلعہ گردکوہ اور قہستان کے قلعوں کے (اسماعیلی) محتشم (قلعدار) (ہولاکو کی) خدمت میں اظہار بندگی و اطاعت غرض سے حاضر ہوں۔ (رکن الدین نے) اس فریب دہی سے یہ خیال کیا کہ تقدیر نے جو فیصلہ کردیا ہے اور جو بات مقدر ہو چکی ہے اس کا دفعیہ کرسکے گا اور اس فریب سے اس کا وزیر تقدیر کو زیر و زبر کرے گا۔

قلعہ شاہ دز پر قبضہ

جب بادشاہ کی سواری قصران پہنچی' قلعہ شاہ دز کا جو رہ گزر میں پڑتا تھا' کیدبوقا کی (قیادت میں) محاصرہ کرلیا اور اس کے گرد لشکر کو مقرر کردیا' ایک دو دن میں اس قلعہ پر زبردستی طاقت کے بل پر قبضہ کرلیا اور دو تین دوسرے قلعوں کو بھی جو ان اطراف میں تھے فتح کرلیا۔

خورشاہ کی حاضری کا مطالبہ

ایک بار پھر (ہولاکو نے) ایلچیوں کو (رکن الدین کے پاس) بھیجا اور (قلعہ سے) نکل کر (اپنی خدمت میں) حاضر ہونے کا حکم دیا۔ (مگر) اس نے پھر تعویق و تاخیر کی غرض سے اور موسم خریف میں برف باری کے انتظار میں ٹال مٹول کرکے ایلچیوں کو واپس کردیا اور (منگولی) لشکر کے (اس کے) قلعوں کے محاصرہ' محاربہ اور لوٹ مار سے امان چاہی اور اس بات پر آمادہ ہوگیا کہ اپنے بیٹے کو تین سو آدمی کی نفری کے ساتھ (ہولاکو کے دربار میں) روانہ

کرے گا اور (اپنے) تمام قلعوں کو مسمار کردے گا۔ بادشاہ نے اس کی درخواست منظور کرلی اور ری کے (مضافات میں موضع) عباس آباد میں (اس سفارت کے) انتظار میں ٹھہر گیا۔ وہ (منگولی) افواج جو (ملاحدہ کے) قلعوں کے محاصرہ میں مشغول تھیں' انہیں ہٹالیا گیا اور وقت مقرر پر سات آٹھ سال کے ایک بچہ کو یہ کہہ کرکہ یہ میرا بیٹا ہے (رکن الدین) نے (ہولاکو کے ہاں) اپنے اکابر' اصحاب اعتماد و اعتبار اور ارکان (دولت) کے ہمراہ بھیجا۔

خورشاہ کے وفد کی آمد

بادشاہ نے اپنی فراست و دانائی سے یہ بات جان لی کہ یہ بیٹا فرضی ہے (پسر افتراء است) (اور رکن الدین کا فرزند نہیں ہے) اور اس کی ابنیت کے ثبوت میں شہادت و دلیل کی ضرورت ہے (لہٰذا) اس نے (رکن الدین کے بھائی) شہنشاہ سے اور ان ارکان دولت سے جنہیں (رکن الدین نے) بطور مقدمہ بھیجا تھا' (اس امر کی) تفتیش کی۔ اس گروہ نے جن کے باطن الحاد کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے تھے کچھ نہ بتایا۔ لیکن بادشاہ نے اندازہ اور ذہانت سے جان لیا کہ حقیقت کیا ہے مگر اپنے کو اس سے ان جان بنایا۔ اور اس بچہ کو بطور خاص احترام' انعام کا مورد ٹھہرایا اور واپس جانے کی اجازت دے دی۔

بیس کلہ دز پر پڑاؤ

بعد ازاں (ہولاکو) نے عباس آباد سے کوچ کرکے۔ بیس کلہ دز پر پڑاؤ کیا۔ (دریں اثناء) رکن الدین اپنے بھائی' وزیر اور دوسرے (امراء) کی واپسی کے لئے روز بروز (ہولاکو سے) استدعاء کرتا تھا۔ یہ لوگ جو برے ساتھی تھے رکن الدین کو اطاعت کی سیدھی راہ سے گمراہی کے بیابان میں ڈالتے تھے (یعنی رکن الدین کو ہولاکو کی اطاعت سے یہی لوگ روکتے تھے۔) جب جعلی بیٹا بدبخت باپ کی خدمت میں پہنچا تو اس نے اپنے دوسرے بھائی شیران شاہ کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ (ہولاکو کے پاس) بھیجا کیونکہ اس نے یہ وعدہ کیا تھا کہ فرضی بیٹے کی واپسی کے بعد وہ ان لوگوں کو (بادشاہ کے حضور) روانہ کرے گا۔ اس سے اس کا یہ مقصد تھا کہ اس بہانے بادشاہی لشکر (اس کے ملک سے) واپس چلا جائے گا۔ (رکن الدین کی) اس درخواست پر کہ اس کے پہلے بھیجے ہوئے بھائی (شاہنشاہ) اور ارکان (دولت) کی جماعت کو واپس کردیا جائے اور خود اسے موسم سرما کے اختتام اور موسم بہار کی آمد تک و نیز اس لئے کہ اس کے دل سے خوف و ہراس دور ہوجائے (دربار شاہی میں) حاضری سے معاف رکھا جائے۔

خورشاہ کی حاضری اور قلعوں کی مسماری پر اصرار

بادشاہ نے اس کے بھائی شاہان شاہ کو واپس بھیج دیا اور حکم دیا کہ اگر (رکن الدین) پانچ دن کے اندر ہماری خدمت میں نہ آیا تو اسے چاہئے کہ وہ اپنے قلعوں کو مستحکم کرلے اور جنگ کے لئے تیار ہو جائے۔ جب (ہولاکو کا) ایلچی واپس آیا تو وہ (رکن الدین کا) وہی بار بار دہرایا ہوا عذر لے کر آیا (چنانچہ ہولاکو نے) جان لیا کہ اس کے سر میں شر اور اس کے عقیدہ میں مکر ہے' اس لئے اس نے رکن الدین کے استیصال کا مصمم عزم کرلیا اور جو فوجیں اس کے (قلعوں) کے مدار پر تعینات تھیں انہیں حکم ہوا کہ ہر شخص اپنے مستقر سے چل پڑے۔ (خود) بادشاہ ۱۰؍ شوال ۶۵۴ھ کو بیس کلہ دز سے روانہ ہوا اور (روانگی سے پہلے شاہی) حکم کے مطابق (رکن الدین کے) ان ملعون فوجیوں اور روساء کو جنہیں جمال آباد قزدین میں روک رکھا گیا تھا۔ خفیہ طور پر جہنم رسید کروادیا۔ اسی وقت سے قزدین میں یہ مثل مشہور ہو گئی کہ جس شخص کو قتل کرتے ہیں اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ "اسے جمال آباد بھیج دیا گیا۔"

رسد کی فراہمی کا بندوبست

(منگولوں کے) ایلچی (اطراف وجوانب کے) ملکوں میں پھیل گئے تاکہ فوج کے لئے سامان خورد ونوش اور ذبح کئے جانے کی غرض سے اور سواری کے مقصد سے جانوروں کو اکٹھا کر کے (لشکر شاہی کی جانب) روانہ کیا جائے چونکہ چاروں کی حمل ونقل ارمن سے یزد تک اور ولایت اکراد سے جرجان تک (کے وسیع علاقوں میں) تھی اور شاہی لشکر میں اس قدر چوپائے نہ تھے جو (اس مقصد کے لئے) کافی ہوتے اس لئے یہ حکم صادر کیا گیا کہ کمین وشریف' ترک وتاجیک جس کے پاس بھی کوئی چوپایہ ہو اسے شاہی خدمت کے لئے پکڑ لیا جائے اور (ان پر) (چارہ وخوراک کے) انبار روانہ کئے جائیں۔

قلعہ میمون دز پر پڑاؤ

ماہ (شوال) کی ۱۸؍ تاریخ کو اس چوٹی پر جو شمال کی سمت کے قلعہ میمون دز کے بالمقابل ہے شاہی سواری آکر رکی۔ دوسرے دن نظارہ اور مقامات جنگ کے ملاحظہ کی غرض سے (بادشاہ نے قلعہ میمون دز کے) اطراف اور مدار کا چکر لگایا۔ چونکہ وہ ایک (مستحکم) قلعہ تھا کہ گویا ابو العلاء نے اسی کے بارے میں کہا ہے۔

"اس کی بلند چوٹیوں تک پہاڑی بکرے بھی نہیں پہنچ سکتے۔ اور نہ پرندے ہی حتیٰ کہ گدھ اور عقاب بھی (وہاں تک نہیں پہنچ سکتے)۔ اور (اس تک پہنچ پانے کی) نہ تو کسی خواہش مند نے طمع کی اور نہ (وہاں تک پہنچ کر) کتوں نے بھونکا ماسوائے کلاب ستاروں کے" (یعنی اس پہاڑ کی چوٹیاں اتنی بلند ہیں کہ وہاں تک پہاڑی بکرا گدھ اور عقاب تک نہیں پہنچ سکتے' وہاں تک پہنچنے کی خواہش بھی نہیں کی جاسکتی اور آدمی اور اس کے ساتھی کتے بھی اس بلند چوٹی تک رسائی نہیں پاسکتے' یہ اشعار ابوالعلاء نامی کسی شخص کے نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا خالق ایک اموی شاعر کعب بن معدان اشقری ہے۔ اس نے یہ اشعار حاکم بادغیس کے قلعہ کے متعلق کہے ہیں جسے یزید بن مہلب نے ۸۴ھ میں فتح کیا تھا۔ ملاحظہ ہو تاریخ طبری) اس لئے بادشاہ نے شہزادوں اور امراء وارکان دولت سے قلعہ کے محاصرہ کو جاری رکھنے یا وہاں سے واپس اور اگلے سال تک انتظار کرنے کے بارے میں مشورے کئے۔ چونکہ موسم سرما تھا' سامان خوردونوش کی فراہمی مشکل تھی اور چارہ میسر نہ تھا' اور جانور کمزور ہو رہے تھے' بیشتر امراء واپسی پر آمادہ تھے۔ مگر بادشاہ کے قرابت داروں میں سے بوقا تیمور' ارکان حکومت میں سے امیر سیف الدین کہ نہایت اہم (سمجھا جاتا) تھا اور امراء میں سے کیدبوقا و طائر نے محاصرہ (جاری رکھنے) پر اصرار کیا۔ چونکہ یہ بادشاہ کے اپنے دل کی بات بھی تھی' اس نے اس رائے کو قبول کیا اور تمام فوج کو محاصرہ میں مستعدی دکھانے اور جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا۔

خرشاہ کی اطاعت

رکن الدین نے جب یہ (صورت حال) دیکھی تو مطیع ہوگیا اس نے اطاعت قبول کرلی اور قلعہ کی بلندی سے نیچے اتر آیا۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مملکت کے صوبے مکمل طور پر چوپایوں کی رسد اور سامان خوردونوش کی منتقلی میں مشغول ہوجاتے اور تباہ ہوجاتے۔

فتح نامہ الموت

چونکہ رکن الدین کے مزید حالات "فتح نامہ الموت" میں بیان کردیئے گئے ہیں' اس لئے ان کا اعادہ یہاں غیر ضروری ہے۔ اس ضمن میں اختصار سے کام لیا جاتا ہے۔ (الموت کی فتح کے مکتوب کا خلاصہ ضمیمہ اول میں شامل کردیا گیا ہے)

فصل سوم

باطنیوں اور اسماعیلیوں کے مذہب اور ان کے حالات کا بیان

آغاز

صدر اسلام میں خلفائے راشدین (رضی اللہ عنہم) کے دور کے بعد ایک ایسی جماعت ظاہر ہوئی جن کے دلوں میں اسلام کی کوئی محبت نہ تھی اور مجوسی عصبیت ان کے دلوں میں راسخ و پختہ تھی۔ ان لوگوں نے شک پیدا کرنے اور گمراہ کرنے کی غرض سے لوگوں میں یہ بات عام کی کہ شریعت کے ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے جو اکثر افراد سے پوشیدہ ہوتا ہے۔ یہ لوگ یونانی فلسفیوں کی باتوں کو ان باطل (عقائد) کی نصرت و تائید میں پیش کرتے تھے۔ انہوں نے مجوسی مذاہب سے بھی چند نکتے (اپنے عقائد میں) شامل کر لئے تھے۔ اس مقصد سے کہ اہل اسلام ان لوگوں پر لعن طعن نہ کریں بلکہ ان کی حمایت و موافقت کریں یہ لوگ مومنوں کے ایک گروہ پر یہ الزام لگاتے تھے کہ انہوں نے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد نہ کی خصوصاً "اس وقت جبکہ یزید اور اس کے پیروؤں نے ان پر کھلم کھلا ظلم کیا امراء و ارباب حل و عقد میں سے کسی شخص نے بھی ان کا انتقام نہ لیا اور یزید کی خلافت پر راضی ہو گئے۔

فرقہ کیسانیہ سے اتحاد

جب (فرقہ) کیسانیہ ۱ نے باقی شیعوں سے الگ ہو کر محمد حنفیہ ۲ کے ساتھ تولاء کیا تو یہ لوگ ان سے مل گئے اور علوم باطن کی توضیح و تقریر میں ان کے ہم نوا ہو گئے۔ جب زید ۳ بن علی نے (ہشام اموی کے خلاف) خروج کیا تو محمد (الباقر) ۴ بن علی بن حسین کے شیعوں (حامیوں) نے زید کا ساتھ نہ دیا۔ لوگوں نے (ان کے بارے میں) کہا کہ (رفضوا زیداً) "انہوں نے زید کو چھوڑ دیا" اس زمانے سے وہ "رافضی" کہلانے لگے۔

باطنیہ

جب کیسانیوں کی تعداد و سروسامان میں کمی ہوئی تو اس قوم نے اپنے کو "روافض" کے

ساتھ وابستہ کرلیا ان میں حضرت جعفر طیار کی نسل سے عبداللہ بن معاویہ ۵ (بن عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب) نامی ایک شخص تھا جس نے روافض کی دعوت قبول کرلی تھی اس مذہب میں تبحر حاصل کرلیا تھا اور اس کی تنظیم کے اصول و ضوابط وضع کئے تھے۔ اس کے ضوابط میں سے وہ جدول (تقویم) بھی ہے جسے اس نے عربی مہینے کی پہلی تاریخ معلوم کرنے کی غرض سے تیار کی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ رویت ہلال کی ضرورت نہیں ہے۔ اس نے اس جدول (تقویم) کی ایجاد کی نسبت، جو گمراہی کا سمندر تھی، ائمہ اہل بیت رضوان اللہ علیہم کی جانب کی۔ اس نے دعویٰ کیا کہ ایک رات کے چاند کو امام دیکھ سکتا ہے، اور دوسرے لوگ اسے محسوس (بھی) نہیں کرسکتے۔ اس سبب سے کہ مہینوں کا آغاز بیشتر رویت ہلال سے ہوتا ہے۔ شیعوں نے ان کے اس دعویٰ کا انکار کیا اور ان کے درمیان اختلاف پیدا ہوگیا۔ جدولیوں کی جماعت نے (اس گروہ نے جو اس جدول کا معتقد و قائل تھا) اپنے کو اہل علم باطن کہا اور دوسرے شیعوں کو اہل ظاہر کا نام دیا۔

اسماعیلیہ

جب جعفر ۶ صادق رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو ان کے چار بیٹے تھے۔ سب سے بڑے اسماعیل تھے جو ماں کی جانب سے حضرت حسنؓ (بن علی ابن ابی طالب) کے نواسہ تھے۔ دوسرے موسیٰ جن کی ماں ایک ام ولد تھی، تیسرے محمد دیباج ۷ جو جرجان کے باہر دائی ۸ کی قبر کے قریب مدفون ہیں اور چوتھے عبداللہ جو افطح (کے عرف سے) مشہور ہیں۔ شیعوں نے کہا کہ امام معصوم (حضرت) جعفر (صادق) ہیں انہوں نے اپنے بیٹے اسماعیل پر (امامت کی) نص کی۔ اس کے بعد اسماعیل نشہ آور مشروب پینے (کے الزام میں ماخوذ) ہوئے (حضرت) جعفر صادق نے اس فعل سے سخت ناراضی و بے زاری کا اظہار فرمایا۔ ان سے یہ روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ "اسماعیل میرا بیٹا نہیں ہے، ایک شیطان ہے جو اس کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ ایک دوسری روایت ہے کہ (حضرت جعفر صادق) نے فرمایا (بداء اللہ فی امر اسماعیل) اللہ کو اسماعیل کے معاملے میں "بدا" ۹ ہوا (اور ان کی ولی عہدی امامت کا پہلا حکم اللہ نے واپس لے لیا) اس لئے انہوں نے اپنے ایک اور بیٹے موسیٰ پر نص (امامت) کی۔ وہ لوگ جو کیسانیوں (کے گروہ سے نکل کر) روافض کے ساتھ ہوگئے تھے انہوں نے اپنے کو اسماعیل کا حامی و پیرو بنالیا اور روافض سے علیحدہ ہوگئے۔ (ان کا استدلال یہ تھا کہ) اصل (دلیل) تو پہلی نص ہے اور خدا پر "بدا" جائز نہیں ہے۔ اور جس شخص کو باطن شریعت کا علم ہوگیا اگر ظاہر (شریعت) سے غفلت برتے تو اس کی وجہ سے اس پر (کچھ) عذاب نہ ہوگا۔ امام جو کچھ کہتا اور کرتا ہے وہ حق ہوتا ہے (سو) شراب پینے سے اسماعیل (کی

امامت میں) کسی قسم کا نقصان و خلل نہیں۔ ان (شیعوں) کو اسماعیلی کا نام دیا گیا۔ یہ لوگ دوسرے شیعوں سے اس نام کے سبب ممتاز و نمایاں ہو گئے۔ اسماعیل نے (حضرت) جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے پہلے ۱۴۵ھ میں انتقال کیا۔ جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے مدینہ کے والی کو' جو وہاں عباسی خلفاء رضوان اللہ علیہم کی جانب سے حاکم تھا' مدینہ کے معززین و مشائخ کی ایک بہت بڑی جمعیت کے ساتھ بلایا اور ان کو اسماعیل کی میت دکھائی جو شہر سے چار فرسنگ دور عریض کے گاؤں میں فوت ہوئے تھے اور لوگ ان کے جنازے کو کندھوں پر اٹھا کر شہر (مدینہ) میں لائے تھے۔ (اسماعیل کی) وفات پر (حضرت جعفر صادق نے) ایک محضر تیار کروایا جس پر ان لوگوں نے دستخط کیے اور (اس کے بعد) انہیں بقیع میں دفن کر دیا۔ (مگر) وہ لوگ جو اسماعیل کے پیرو تھے انہوں نے کہا کہ اسماعیل مرے نہ تھے اور جو ان کی موت کا اعلان کیا گیا وہ لوگوں سے (ان کو) پوشیدہ رکھنے کی غرض سے کیا گیا تھا تاکہ وہ اسماعیل اور ان کے گروہ معتقدین کو نقصان نہ پہنچائیں۔ لیکن بقیہ شیعوں نے کہا (اسماعیل کی لاش کو دکھانے اس پر محضر تیار کرنے سے) امام جعفر صادق کی غرض یہ تھی کہ اسماعیل کی جانب منسوب جماعت کی باتوں کی غلطی ظاہر کی جائے۔ اگر حالات (کو پیش نظر رکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ) یہ دونوں باتیں غلط تھیں کیونکہ دونوں ہی گروہوں نے (امام جعفر صادق کے) اس فعل کو اپنی اپنی غرض پر محمول کیا تھا حالانکہ اس سے (جعفر صادق کا) مقصد اپنے کو اس الزام سے بری کرنا تھا کہ وہ اس دعوئ امامت کے حوالہ سے جو (شیعہ) ان کی جانب کرتے تھے' اپنے بیٹوں پر نص کرتے ہیں اور اس وجہ سے خلفاء ان کے اور انکے متبعین کے مخالف تھے۔

مزید فرقہ بندیاں

قصہ مختصر جب (حضرت) جعفر (صادق) رضی اللہ عنہ نے وفات پائی' جمہور شیعہ نے موسیٰ (کاظم) کی پیروی کی اور تھوڑے سے لوگ محمد دیباج کی امامت کے قائل ہو گئے۔[۱۰] ایک کمزور گروہ نے عبد اللہ افطح کو اپنا امام مانا اور انہیں فطحی[۱۱] کہتے ہیں۔ (عباسی) خلفاء نے ایک مدت بعد (اپنے گماشتے) مدینہ بھیج کر (امام) موسیٰ کو بغداد بلوا کر قید کر دیا اور انہوں نے اسی قید کی حالت میں وفات پائی۔ شیعوں کا خیال ہے کہ انہیں زہر دے دیا گیا تھا۔ ان کی (میت) کو (دجلہ کے) پل کے کنارے لا کر ایک بڑے مجمع کو دکھلایا گیا کہ ان کے جسم پر کسی قسم کا زخم نہیں ہے پھر انہیں مقابر قریش (قریش کے قبرستان) میں دفن کر دیا گیا۔ ان کے بیٹے علی[۱۲] بن موسیٰ الرضا مدینہ (ہی) میں رہے' بعد میں مامون نے انہیں خراسان بلوا لیا ان کا واقعہ نہایت مشہور ہے۔ انہوں نے طوس میں انتقال کیا' (شیعہ) کہتے ہیں کہ انہیں زہر دے دیا گیا تھا۔ انہیں وہیں (طوس میں) دفن کیا گیا۔

اسماعیلیوں کی روپوشی

خلفائے (عباسی) ان (شیعہ ائمہ) کے اس لئے پیچھے لگے رہتے تھے کہ وہ امامت کے دعوی دار تھے اس لئے اسماعیل روپوش ہوگئے۔ یہ لوگ مدینہ سے عراق و خراسان اور ان میں سے کچھ مغرب (شمالی افریقہ) چلے گئے۔

اسماعیل کی حیات کے متعلق دعوی

اسماعیلیوں کا یہ دعوی ہے کہ اسماعیل (اپنے والد حضرت) جعفر کے بعد پانچ سال تک زندہ رہے انہیں بصرہ کے بازار میں دیکھا گیا کہ ایک اپاہج نے ان سے سوال کیا اسماعیل نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا وہ صحیح ہوگیا اور اپنے پاؤں پر کھڑا ہو کر ان کے ساتھ چلا گیا۔ انہوں نے ایک اندھے کے لئے دعا کی اس کی آنکھیں روشن ہوگئی۔ ۱۳

محمد ابن اسماعیل اور ان کی اولاد کی روپوشی

جب اسماعیل نے وفات پائی تو ان کے بیٹے محمد بن اسماعیل جو (حضرت) جعفر (صادق) کے حین حیات مسن و معمر تھے اور موسی سے عمر میں بڑے تھے جبال کی جانب چلے گئے پھر ری آئے اور وہاں سے دماوند میں سملہ نامی گاؤں میں ٹھہر گئے۔ ری میں محمد آباد نامی بستی انہیں کی جانب منسوب ہے۔ (محمد کے) بیٹے خراسان میں روپوش رہے اور قندہار میں جو (اس قت) سندھ کی ولایت میں تھا۔ یہ لوگ جا کر متوطن ہوگئے۔ (اس دوران) اسماعیلی داعی مختلف علاقوں میں پھیل گئے اور لوگوں کو اپنے مذہب کی دعوت دینے لگے۔ بہت سے لوگوں نے ان کی دعوت کو قبول کرلیا۔

علی بن اسماعیل

دوسری جانب (اسماعیل کے دوسرے بیٹے) علی ابن اسماعیل نے "جان بچی لاکھوں پائے" کے مصداق (من نجا راسہ برخواند) (امامت کے کھکھیڑے سے اپنے کو الگ کرلیا) اور شام و بلاد مغرب کا رخ کیا۔ چونکہ وہ امامت کے طلب گار نہ تھے، کسی نے ان کا پیچھا بھی نہ کیا۔ (اس لئے) وہ شام میں ظاہر ہوگئے اور ان کی نسل پھیلی یہ لوگ اب بھی موجود ہیں۔

اسماعیل کی امامت پر استدلال

بعد میں اسماعیلی جماعت کے رؤساء پیدا ہوئے جنھوں نے (اسماعیل کی امامت کے) موضوع کو شرح وبسط اور نہایت تفصیل سے بیان کیا۔ اور کہا کہ دنیا کبھی امام کے بغیر نہ تو تھی اور نہ ہے اور جو شخص امام ہوتا ہے (ضروری ہے کہ) اس کا باپ بھی امام رہا ہو اور اسی طرح اس کے باپ کا باپ بھی امام رہا ہو اور یہ سلسلہ حضرت آدم تک یوں ہی جاری ہوگا۔ بعض (اسماعیلی علماء) کہتے ہیں کہ (سلسلہ امامت) ازل تک جاری رہے گا کیونکہ یہ لوگ عالم (دنیا) کی قدامت کے قائل ہیں۔ اس طرح امام کا بیٹا امام ہوتا ہے اور اس کے بیٹے کا بیٹا بھی (امام ہوتا ہے) اور یہ سلسلہ ابد تک جاری رہے گا۔ امام کی وفات اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک کہ اس کا وہ بیٹا جو اس کے بعد امام ہوگا' پیدا نہ ہو جائے اور اس کی صلب سے علیحدہ نہ ہو جائے۔ (اسماعیلیوں) کا کہنا ہے کہ آیت "ذریۃ بعضھا من بعض" اور آیت "وجعلھا کلمۃ باقیۃ فی عقبہ" [۱۵] کا یہی مفہوم و معنی ہے۔ جب (دوسرے) شیعوں نے ان (اسماعیلیوں) کے اس قول کے خلاف یہ دلیل دی کہ (حضرت) حسن ابن علی تمام شیعوں کے ہاں بالاتفاق امام ہیں مگر ان کے بیٹے امام نہ تھے (تو اس کی تردید میں اسماعیلیوں نے) کہا کہ (حضرت حسن ابن علی کی امامت مستودع (ودیعت) تھی یعنی ثابت نہ تھی اور وہ عاریتہ امام تھے اور (حضرت) حسین (ابن علی) کی امامت مستقر تھی۔ آیت "مستقر و مستودع" میں اسی جانب اشارہ ہے (یعنی اصلی امام حضرت علی کے بعد حضرت حسین تھے' مگر ان کے بڑے بھائی حضرت حسن اپنی زندگی میں بطور امین عارتیہ امام تھے اور انہیں امامت کا منصب بالاستقلال حاصل نہ تھا بلکہ وہ حضرت حسین کے مستودع و امین تھے [۱۶]) اسماعیلی یہ بھی کہتے ہیں کہ امام ہمیشہ ظاہر نہیں رہتا' کچھ عرصہ ظاہر رہتا ہے اور کچھ عرصہ مستور (پوشیدہ) رہتا ہے یہ رات دن کی طرح ہے جو ایک دوسرے کے پیچھے آتے جاتے ہیں۔ جس دور میں امام ظاہر ہو تو اس کی دعوت کو پوشیدہ ہونا چاہئے مگر جس زمانے میں امام پوشیدہ (مستور) ہو تو اس کی دعوت ظاہر ہوتی ہے۔ لوگوں کے درمیان اس کے داعی معین و مقرر ہوتے ہیں تاکہ مخلوق کو اللہ پر کوئی حجت نہ رہے (کہ امام مستور تھا اس کا داعی موجود نہ تھا سو مخلوق خدا امام کی شناخت و معرفت سے عاجز تھی اور اس سے اللہ کی جانب سے اس ناواقفیت پر کچھ مواخذہ نہیں کیا جاسکتا تھا' سو اس نے داعی مقرر کردیئے جو لوگوں کو امام مستور کے علائم و نشانات بتا کر انہیں معرفت امام اور نتیجتہ" اعتراف امامت کا مکلف کریں گے) پیغمبر اصحاب تنزیل ہوتے ہیں (یعنی ان پر صحیفہ آسمانی نازل ہوتا ہے) اور امام اصحاب تاویل ہوتے ہیں (یعنی ان صحائف کے معانی و مفاہیم کی تاویل کرتے ہیں) اور کسی پیغمبر کا زمانہ امام سے خالی نہیں تھا۔ (حضرت) ابراہیم کے بعد ایک شخص تھا جس کا ذکر توریت میں آیا ہے یہ شخص بادشاہ وقت تھا اسے سریانی و عبرانی زبانوں میں ملخیز داق کہا گیا ہے۔ اس کے معنی

عربی زبان میں ملک الصدق (سچائی کا بادشاہ) اور ملک السلام (امن و سلامتی کا بادشاہ) ہیں۔ اسماعیلیوں کا بیان ہے کہ جب (حضرت) ابراہیم علیہ السلام اس (بادشاہ) کے پاس گئے تو اس نے انہیں اپنے مویشیوں کا عشر (دسواں حصہ) دیا۔ خضر جنہوں نے (حضرت) موسیٰ کو علم لدنی سکھانا چاہا تھا' وہ بھی امام یا امام کے نامزد تھے۔

دور ستر

ملت اسلام سے پہلے دور ستر تھا' امام پوشیدہ ہوتے تھے (حضرت) علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں کہ امام وہی تھے (امام) ظاہر ہوئے ان کے زمانے سے اسماعیل اور محمد بن اسماعیل جو ساتویں (امام) تھے' ائمہ ظاہر تھے۔ (دور) ستر کا اغاز اسماعیل سے ہوا اور محمد جو دور ظہور کے آخر میں تھے بتمامہ مستور ہو گئے۔ ان کے بعد ائمہ مستور ہی ہوتے ہیں تا آنکہ وہ ظاہر نہ ہو جائیں' مستور و پوشیدہ رہیں گے۔

نادی النفس

اسماعیلیوں نے یہ بھی کہا کہ موسیٰ (کاظم) بن جعفر (صادق)' اسماعیل (بن جعفر صادق) کے نادی النفس تھے اور علی (الرضاء) بن موسیٰ (کاظم) محمد بن اسماعیل کے نادی النفس تھے (درست یہ ہے کہ اسماعیلیوں کے خیال میں موسیٰ کاظم بن جعفر صادق' محمد بن اسماعیل بن جعفر صادق کے نادی النفس تھے کیونکہ محمد بن اسماعیل اپنے چچا موسیٰ کاظم بن جعفر سے سن میں بڑے اور ان کے معاصر تھے جبکہ ان کے والد اسماعیل بن جعفر اپنے چھوٹے بھائی موسیٰ کاظم سے بہت بڑے تھے اور ان کے معاصر نہ تھے ۱۷؎) (حضرت) ابراہیم اور قربانی) کا قصہ "وفدیناہ بذبح عظیم" ۱۸؎ اس طرح کی صورت حال کی جانب ایک اشارہ ہے حاصل کلام یہ کہ (اسماعیلیوں نے) اس طرح کی بہت سی باتیں بیان کی ہیں۔

اسماعیل داعی

ان میں بہت سے داعی پیدا ہوئے انہیں میں سے ایک میمون قداح اور اس کا بیٹا عبداللہ بن میمون تھے جنہیں فرقہ اسماعیلیہ کے بڑے علماء میں شمار کیا جاتا ہے۔ حسن شیخ عبدان ۲۰؎ (بھی اسماعیلی) تھا اور (حضرت) صادق کے زمانہ میں ابو الخطاب ۲۱؎ نامی شخص جس نے (حضرت) جعفر کی الوہیت (خدائی) کا ویسے ہی دعویٰ کیا تھا جیسا کہ حلولی یا اتحادی ۲۲؎ کرتے ہیں اور جس کے بارے میں (حضرت) جعفر صادق نے فرمایا تھا "وہ اور

اس کے ساتھی ملعون ہیں" (یہ بھی اسماعیلی) تھا۔ ان جیسے (اسماعیل علماء) جن میں سے ہر ایک کا ذکر کتب تاریخ (میں موجود ہے) اور جن کے مقالات کو بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، کثرت سے گزرے ہیں۔

دعوت اسماعیلی کی اشاعت

رفتہ رفتہ (اسماعیلیوں کا) مذہب اور ان کی تحریریں عام ہوگئیں اور اکثر اسلامی شہروں میں کیا مغربی کیا مشرقی ایک گروہ (ان اسماعیلیوں کا) پیدا ہوگیا ان میں سے کچھ پوشیدہ رہے اور کچھ ظاہر ہوے۔ یہ سب اس بات پر متفق تھے کہ دنیا امام سے خالی نہیں ہوتی کیونکہ خدا کو اس کے ذریعہ پہچانا جاتا ہے اور امام کی مودت کے بغیر خدا شناسی ممکن نہیں ہے۔ پیغمبروں نے ہر زمانے میں اس کی جانب اشارہ کیا ہے۔ شریعت کا ایک باطن ہوتا ہے اور ایک ظاہر، باطن (ہی) اصل ہوتا ہے جب لوگ شریعت کے باطن سے واقف و آگاہ ہوجائیں تو ظاہر (شریعت) سے غفلت اور سستی برتنے سے کوئی نقصان نہیں ہوتا۔ اس سبب سے اسماعیلیوں کے مقالات کو اصحاب مذاہب کے مقالات (گفتار، عقائد) سے یعنی ملت (اسلامیہ) سے خارج سمجھا جاتا ہے ان میں سے اکثر نے محرمات کی اباحت (حرام کو حلال کرنے) کا اقدام کیا۔

قراسطہ کا ظہور

(انہیں اسماعیلیہ میں ایک سرکش گروہ) (عباسی) خلیفہ معتمد ۲۳ کے زمانے میں پیدا ہوا اور وہ یوں کہ ۲۷۸ھ میں قرامطہ کا ظہور ہوا۔ ان کے (حالات) بڑی شرح وبسط سے تاریخ میں مذکور ہیں۔ ان میں پہلا شخص حمدان قرمط تھا، جب اس کے پاس لوگوں کی ایک جماعت جمع ہوگئی اس نے سواد کوفہ میں خروج (بغاوت) کیا۔ قرامطہ نے مسلمانوں کو قتل کرنا، ان کے مال واسباب کو لوٹنا اور ان کے بال بچوں کو گرفتار کرنا شروع کیا۔ عراق وشام کے شہروں پر حملے کئے، بادیہ عرب میں گئے اور بڑا فتنہ کھڑا کردیا۔ (عباسی) خلفاء ان کے تدارک سے قاصر رہے۔ یہ لوگ بحرین پر قابض ہوگئے اس کے بعد مکہ گئے وہاں حاجیوں کو قتل کیا اور چاہ زمزم مقتولین کی لاشوں سے پٹ گیا انہوں نے حجر اسود کو ٹکڑے ٹکڑے کردیا اور اسے پچیس سال تک اپنے پاس رکھا مسلمان سلاطین نے چاہا کہ حجر اسود کو ایک لاکھ دینار کے عوض (قرامطہ سے) خرید لیں، مگر قرامطہ نے اسے نہ بیچا۔ آخر پچیس سال بعد (قرامطہ نے حجر اسود کو) کوفہ لاکر جامع مسجد میں پھینک دیا۔ اور ایک تحریر لکھ کر اس

کے پاس رکھ دی کہ "ہم اس پتھر کو ایک حکم کے مطابق (کعبہ سے) لے گئے تھے اور اسے ایک حکم ہی سے پھر واپس لائے ہیں۔" مسلمان حجر (اسود) کو مکہ لے گئے اور اسے اس کی جگہ پر خانہ کعبہ میں نصب ۲۵؎ کر دیا۔

فصل چہارم

المغرب میں اسماعیلی حکومت کا قیام

یمن و افریقہ میں اسماعیلی دعوت کا فروغ

قرامطہ کے فتنہ کے زمانے میں اسماعیلیوں کا ایک داعی جو عبداللہ بن میمون قداح کے فرزندوں میں سے تھا کوفہ اور عراق کے علاقے میں آیا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ اس نے کہا کہ میں امام کا داعی ہوں اور امام کے ظہور کا وقت نزدیک آپہنچا ہے۔ اس نے بلقاسم ابن حوشب ۳۶ نامی ایک شخص کو داعی بنا کر یمن روانہ کیا اور اسے یہ حکم دیا کہ وہ اطراف و جوانب میں داعیوں کو بھیجے۔ اس بلقاسم نے (ابوالقاسم رستم بن حسین بن فرج بن حوشب بن زاذان نجار کوفی ملقب بہ **المنصور** یمن میں اچھے کام کئے اور ایک جماعت اس کی دعوت میں داخل ہوگئی۔ اس نے ابوعبداللہ صوفی محتسب ۲۷ نامی ایک شخص کو جس کا تعلق شمالی افریقہ (**المغرب**) میں آباد کتامہ کے قبیلہ سے تھا اور بلقاسم کی دعوت میں شامل ہوگیا تھا' **المغرب** بھیجا تاکہ وہ وہاں اسماعیلی دعوت پھیلائے چنانچہ ایک گروہ نے اس کی بات مان لی اور اسماعیلی دعوت قبول کرلی۔ یہ (ابوعبداللہ صوفی محتسب) اس شخص سے جو عبداللہ بن میمون کے فرزندوں میں سے تھا' خط و کتابت کرتا رہتا تھا۔ اور تحریریں بھیجتا رہتا تھا کیونکہ وہ بلقاسم بن حوشب کے مقابلہ میں امام سے زیادہ قریب تھا۔ وہ شخص (ابوعبداللہ شیعی کو) دعوت (اسماعلیہ) کے بارے میں اکساتا رہتا تھا۔ رفتہ رفتہ جب ابو عبداللہ کے کام کو فروغ ہوا۔ (اس میں ترقی ہوئی) اور اس نے مغرب کے کچھ شہر' حدود قیروان اور **سجلماسہ** پر قبضہ کرلیا۔ تو وہ آدمی جو عبداللہ بن میمون کی نسل سے تھا اپنے بیٹے کے ساتھ (عراق سے **المغرب** کے لئے) روانہ ہوگیا۔ جب یہ (باپ بیٹے) **سجلماسہ** پہنچے تو ابوعبداللہ کتامی ان کے استقبال کے لئے (شہر سے) باہر ۳۸ نکلا' ان کی تعظیم بجالائی اور کہا کہ میں ان علاقوں پر تیرے نائب (بالقاسم بن حوشب) کی جانب سے حکومت کرتا تھا۔ اب کہ تو آگیا تجھے حکومت کرنے کا سب سے زیادہ حق ہے۔

المہدی کا ظہور

اس شخص نے (جو عبداللہ بن میمون کی نسل سے تھا) یہ کہا میں اس سے پہلے یہ کہتا تھا کہ میں امام کا داعی ہوں تو اس میں مصلحت یہ تھی کہ ہنوز امام کے ظہور کا وقت نہ آیا تھا۔

اب (امام کے) ظہور کا وقت آپہنچا ہے، تو میں ... کہ میں ہی امام ہوں اور اسماعیل بن جعفر کی نسل سے ہوں۔ اس نے اپنا نام عبداللہ المہدی اور بیٹے کا نام القایم بامراللہ محمد رکھا اور منصب امامت و خلافت پر متمکن ہوگیا مغاربہ (شمالی افریقہ کے بربر) خصوصاً قبیلہ کتامہ کے لوگوں نے اس (کی امامت و خلافت) پر اتفاق کیا۔ اس نے قیروان کے علاقہ میں ۲۵۸ھ ۲۹ (درست ۳۰۸ھ ۳۰) میں مہدیہ کا شہر آباد کیا۔

جب (عبداللہ مہدی) کے کام کو فروغ ہوا تو اس نے شریعت کے ایوان کو پست گردانا چاہا (یعنی احکام شرعیہ کی تعمیل ترک کردی) اور اس کے احکام (کی تعمیل) میں سستی ظاہر کرنے لگا۔ اس پر ابو عبداللہ صوفی محتسب کو (المہدی پر) شک گزرا اور اس کام (یعنی اسماعیلی ۳۱ دعوت کی اشاعت) میں اس کے عزایم میں سستی پیدا ہوگئی۔ ابو عبداللہ کے بھائی یوسف نے چاہا کہ سرکشی اختیار کرے اور ابو عبداللہ مہدی کے خلاف بغاوت کردے اس وجہ سے مہدی نے ابو عبداللہ اور اس کے بھائی (یوسف) کو قتل کروا دیا۔ بلاد مغرب میں سجلماسہ کے مقام پر مہدی کا ظہور اور اس کا (ان علاقوں پر) قبضہ ۲۹۶ھ ۳۲ میں ہوا۔ ۳۰۲ھ میں بنو اغلب جو خلفائے عباسی کی جانب سے مغرب (شمالی افریقہ) کے حکمراں تھے (المہدی کے ہاتھوں) برباد و مغلوب ۳۳ ہوگئے اور مغرب کے تمام علاقوں، افریقہ اور صقلیہ پر المہدی کا اقتدار قائم ہوگیا۔ اسماعیلیوں نے آنحضرت علیہ ۳۴ الصلوٰۃ و السلام سے ایک حدیث روایت کی کہ علی راس الثلاثمائۃ تطلع الشمس من مغربھا ۳۴ (یعنی تین سو ہجری کے آغاز میں سورج مغرب سے طلوع ہوگا) اور یہ کہا کہ اس حدیث (خبر) کی تاویل مہدی کا ظہور ہے۔ ان لوگوں کا بیان ہے کہ محمد بن اسماعیل اور مہدی کے درمیان تین امام مستور گزرے ہیں۔ ان کے نام ہیں محمد بن احمد بن...... اور ان کے القاب ہیں رضی، وفی و تقی۔ مہدی تقی ۳۵ کا بیٹا ہے۔ مغرب کے مسلمانوں کا کہنا ہے کہ مہدی عبداللہ بن سالم بصری کی اولاد میں ہے جو اس جماعت (اسماعیلیہ) کا ایک داعی تھا۔ مگر اہل بغداد و عراق یہ کہتے ہیں کہ (مہدی) عبداللہ بن میمون قداح کی اولاد سے ہے۔

مہدی کے نسب کی تکذیب

مختصر یہ کہ مہدی کے اسماعیل بن جعفر کی جانب انتساب کو لوگ جھوٹ سمجھتے اس کی تکذیب کرتے اور اسے درست نہ جانتے تھے۔ بغداد میں خلیفہ القادر باللہ ۳۷ (عباسی) کے دور میں ایک محضر تیار کیا گیا جس پر معتبروں، سیدوں، قاضیوں اور عالموں نے اپنے اپنے دستخط ثبت کئے کہ مہدی کی اولاد کا نسب مقدوح (مشکوک، جعلی فرضی) ہے اور یہ لوگ (حضرت) جعفر صادق (رضوان اللہ علیہ) کی جانب انتساب میں کاذب (جھوٹے) ہیں۔ اس

محضر کا متن پانچویں (اسماعیلی) حکمراں حاکم کے ذکر میں درج کیا جائے گا۔ مہدی چھبیس سال تک (المغرب وغیرہ پر) قابض رہا۔ ۳۲۲ھ میں اس نے وفات پائی۔

قائم کا عہد

(المہدی) کے بعد اس کا بیٹا قائم اس کا جانشین ہوا۔ اس کے عہد میں مغرب کے ایک آدمی ابو یزید ۳۸ء نے اس کے خلاف خروج کیا یہ شخص مسلمان، دین دار، سنی مذہب اور پارسا (متقی، نیکو کار) تھا۔ اس نے لوگوں کے سامنے مہدی اور قایئم کی بدعتیں گنوائیں چنانچہ ایک بڑی جماعت اس کی متبع ہوگئی۔ اس نے قایئم سے جنگ کی اور اس کی فوج کو شکست دے کر اسے مہدیہ میں گھیر لیا۔ قایئم کے متبعین ابو یزید کو دجال کہتے تھے کیونکہ ان کے ملاحم میں (واقعات آئندہ کی پیش گوئی سے متعلق روایات اور جنگ وجدل کی روایات میں) یہ روایت ہے کہ دجال مہدی یا قایئم پر خروج کرے گا اور اس کے خلاف بغاوت کرے گا قایئم نے انہیں لڑائیوں کے دوران میں شوال ۳۳۴ھ میں وفات پائی مگر (اسماعیلیوں نے) اس کی موت کو پوشیدہ رکھا۔

المنصور کا دور

قایئم کا بیٹا المنصور اسماعیل اس کا جانشین ہوا اس نے ابو یزید سے مقابلہ کی تدبیر کی۔ وہ صاحب رائے اور بہادر آدمی تھا۔ اس نے ابو یزید کو شکست دے کر فرار پر مجبور کر دیا وہ ایک عرصہ تک اس کا تعاقب کرتا اور اس سے جنگیں کرتا رہا۔ آخر کار اسے گرفتار کر کے قتل کرا دیا اور اس کی لاش کو مغرب کے شہروں میں گشت کرایا۔ (ابو یزید کے خاتمہ کے بعد) المنصور نے باپ کی موت کا اعلان کیا اور اس کا (باقاعدہ) جانشین ہوا ۳۴۱ھ میں المنصور بھی فوت ہوگیا۔

المعز کا دور

اس کا بیٹا المعز ابو تمیم اس کی جگہ (تخت خلافت و امامت) پر متمکن ہوا۔ وہ صاحب رائے، مدبر شجاع اور با اقبال تھا۔ وہ ملک کی سیاست کو مناسب سطح اور حد پر رکھتا تھا۔ (اس لئے) اس کا ملک اس کے اجداد کے ملک سے زیادہ اور وسیع ہوگیا۔ وہ ملک مصر کی تسخیر کی فکر میں لگا ہوا تھا۔

مصر پر قبضہ

اس زمانے میں مصر پر کافور اخشیدی ۳۹ کا قبضہ تھا۔ معز نے اپنے غلام ابوالحسن جوہر ۴۰ کو ۳۵۸ھ میں (فوج دے کر) اپنی دعوت کی اشاعت کی غرض سے مصر بھیجا۔ لوگوں کی بہت بڑی تعداد نے اس کی دعوت کو قبول کرلیا اس کے بعد اس نے کافور کو اپنا حامی بنانے اور اسماعیلی دعوت کی طرف اسے بلانے کی کوشش کی چنانچہ کافور نے اسے قبول کیا اور عباسی خلفاء کے خلاف مصر میں معز کے نام کا خطبہ جاری کردیا۔

اسی سال ۳۵۸ھ میں کافور وفات پاگیا۔ اور جوہر مصر کی حکومت پر معز کی جانب سے مستقل حاکم ہوگیا۔ اس نے اسی سال فسطاط کے متصل قاہرہ کے شہر کی بنیاد رکھی ۳۶۲ھ میں اس کی تکمیل ہوئی اور اس کا نام قاہرہ معزیہ ۴۱ رکھا معز رمضان ۳۶۲ھ میں بے اندازہ فوج اور بے انتہاء شان و شوکت کے ساتھ مصر پہنچا۔ اور قاہرہ کو اپنا دارالسلطنت بنایا۔ (بعدازاں) مصر و حجاز بنو عباس کے قبضہ سے نکل کر معز کے قبضہ میں آگئے۔ اس نے ان ممالک میں عدل و انصاف قائم کیا چنانچہ اس کے عدل و انصاف کی عجیب و غریب داستانیں (اب تک) لوگ بیان کرتے ہیں۔ اس نے ربیع الاخر ۳۶۵ھ میں وفات پائی۔

العزیز کا عہد

اس کے بعد اس کا بیٹا العزیز ابو منصور نزار اس کا قائم مقام ہوا اور ممالک مغرب، مصر و حجاز کو اپنے تصرف میں لایا۔ الپتگین (الفتکین) معزی کی ساتھ جو خلیفہ عباسی الطائع للہ ۴۲ کی جانب سے شام کا حاکم تھا اور حسن بن احمد قرمطی کے ساتھ جو الپتگین کی مدد کو آیا تھا، العزیز کی جنگوں اور اس کی کامیابی کے واقعات تاریخ مغاربہ میں مرقوم ہیں۔ اس نے رمضان ۳۸۶ھ میں انتقال کیا۔ عزیز ایک نیک سیرت اور حد درجہ بردبار (حلیم) آدمی تھا۔ (اس کی بردباری کی ایک مثال یہ ہے) حسن بن بشر دمشقی نامی ایک شاعر نے اس کی، اس کے وزیر ابن کلس ۴۴ کی اور اس کے کاتب (سکریٹری) ابونصر قیروانی کی ہجو میں یہ قطعہ کہا ۔

قل لابی نصر کاتب القصر
والمتانی لنقض ذا الامر
انقض عری الملک للوزیر تفزد
منہ بحسن الثناء والذکر
واعط وامنع ولا تخف احدا"

فصاحب القصر لیس فی القصر
ولیس یلری ماذا یراد بہ
وھو اذا مادری فعایلری

(دربار شاہی کے سیکریٹری ابونصر سے جو اس امر (حکومت فاطمی) کی بربادی کی فکر میں لگا ہوا ہے' کہہ دو! وزیر کے لئے معاملات ملک کو پراگندہ کردو' اس کی جانب سے حسن ستائش و حسن ذکر سے شاد کام ہو جاؤ گے۔ جسے چاہو عطا کرو' جس سے چاہو دست عطا کو روک لو اور کسی سے نہ ڈرو کہ صاحب خانہ (خلیفہ) اپنے محل میں نہیں ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس سے کیا خواہش کی جاتی ہی' جب اسے اس بات کا علم ہوگا تو کچھ نہ جان سکے گا)۔

ابن کلس نے جب عزیز سے اس شاعر کی شکایت کی اس کا قطعہ اسے سنایا تو اس نے جواب دیا کہ "ہجو میں ہم سب شریک ہیں آؤ اسے معاف کرنے میں بھی میرے شریک ہو جاؤ۔" شاعر نے دوبارہ ان کی ہجو میں اشعار لکھے اور فوج کے قائد (سردار) فضل کا اس میں اضافہ کردیا ۔

تنصر فالتنصر دین حق
علیہ زماننا ہذا یدل
و قل بثلثہ عزوا و جلوا
وعطل ملسواھم فھو عطل
فیعقوب الوزیراب وہذا ال
عزیز ابن وروح القلس فضل

(نصرانی ہو جاؤ کیونکہ نصرانیت ہی سچا دین ہے۔ اس بات کی دلیل خود ہمارا یہ زمانہ ہے۔ کیونکہ لوگوں کو عزت و بزرگی تین (تثلیث) سے ملی اور ان کے علاوہ جو کچھ بھی ہے اسے بے کار سمجھ کر چھوڑ دو۔ سو یعقوب وزیر باپ ہے' یہ (خلیفہ) عزیز بیٹا ہے اور (سپہ سالار) فضل' روح القدس ہے)۔

وزیر نے دوسری بار عزیز کے سامنے یہ اشعار پڑھے (اور شاعر کی شکایت کی) ہرچند کہ اسے غصہ آیا مگر اس نے یہی کہا "اسے معاف کردو"۔ چنانچہ اسے دوسری بار بھی معاف کردیا گیا۔ تیسری دفعہ وزیر پھر عزیز کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی "عفو کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی ہے کیونکہ اس سے حکومت کی بے رعبی ہوتی ہے اور اس شاعر نے اب کی آپ کو کہ عزیز ہیں' مجھے کہ وزیر ہوں اور آپ کے ندیم (صاحب) ابن زبارج کو اپنے اشعار میں برا کہا ہے (اس قطعہ میں گالی دی ہے) ۔

زبا رجی ندیم
وکلسی وزیر
نعم علی قلہ الکلا
ب یصلح الساجور

"زبارجی ندیم و مصاحب ہے اور کلسی وزیر ہے۔ ٹھیک ہی تو ہے کہتے کی مناسبت ہی سے اس کے گلے کا چوبی پٹہ ہوتا ہے۔ (یعنی عزیز کتا ہے اور ندیم و وزیر اس کے گلے کا لکڑی کا پٹہ ہیں۔)"

یہ سن کر عزیز کو غصہ آگیا اور وزیر کو اس بات کی اجازت دے دی کہ شاعر (حسن بن بشر دمشقی) کا مواخذہ کرے اور اسے گرفتار کرنے کی اجازت دے دی۔ مگر پھر اس حکم پر پشیمان ہوا اور اسے رہا کرنے کا حکم دیا۔ چونکہ وزیر کو اس حکم کے پہنچنے سے پہلے ہی اطلاع مل چکی تھی اس لئے اس نے بعجلت اس شاعر کو قتل کرا دیا۔ عزیز کو اس واقعہ پر بڑا افسوس اور رنج ہوا۔

عزیز نے شام کی گورنری پر منشا (بن ابراہیم یہودی) کو اور مصر کی گورنری پر عیسیٰ بن نسطورس ۳۸۵ھ نامی ایک عیسائی کو مقرر کیا تھا۔ یہ دونوں اپنے اعتقاد کی بناء پر مسلمانوں پر ظلم و ستم کرتے تھے۔ ایک عورت نے العزیزؑ کی خدمت میں ایک رقعہ پیش کیا جس کا مضمون یہ تھا کہ "اے مسلمانوں کے امیر اس ذات کی قسم جس نے یہودیوں کو منشا بن ابراہیم سے "عیسائیوں کو عیسیٰ بن نسطورس سے عزت بخشی اور مسلمانوں کو تجھ سے ذلت دی' تو میرے معاملہ پر غور کر" عزیز اس رقعہ سے متاثر ہوا اور ان دونوں کو ان کے عہدوں سے ہٹا دیا۔ عیسائی (عیسیٰ بن نسطورس) سے تین لاکھ مغربی دینار بطور جرمانہ وصول کئے اور مظالم کا تدارک کیا اور کچھ عرصہ کے لئے مسلمانوں کے خراج کو یہود و نصاریٰ پر عائد کردیا۔

حاکم کا دور

(عزیز کے) بعد اس کا بیٹا حاکم ابو علی منصور گیارہ سال کی عمر میں اس کا جانشین ہوا۔ اس کے باپ میں جس قدر حلم تھا اس میں اسی قدر طیش و جنون تھا۔ اس نے اہل مصر پر بہت ظلم و ستم کیا۔ اس کا معمول تھا کہ جب دربار کرتا تو لوگوں کی درخواستیں اس کے سامنے پیش ہوتیں وہ ان کی سماعت کرتا اور ان میں جو باتیں (درج) ہوتیں ان سے انکار نہ کرتا تھا۔ جب یہ درخواستیں اس کو دی جاتیں تو ان میں سے زیادہ تر ایسی ہوتیں جن میں اسے اور اس کے باپ دادا کو گالیاں لکھی ہوتیں تھیں اور اس کے نسب کے فساد و خرابی کا بیان ہوتا تھا۔

پھر نوبت یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے ایک عورت کا کاغذی پتلا بنا اسے چادر اوڑھا اور زنانہ لباس میں ایک سربند خط ہاتھ میں تھما کر حاکم کی گزرگاہ میں کھڑا کر دیا۔ جب (حاکم وہاں سے گزرا اور) وہ درخواست اس کے ہاتھ میں پہنچی تو اس میں اس کے اور اس کے اسلاف کے بارے میں گالیاں' اور رسوائیاں بڑی تفصیل سے درج تھیں۔ (خط پڑھ کر) اسے بہت غصہ آیا اس عورت کو سامنے لائے جانے کا حکم دیا۔ جب لوگ اس کے پاس گئے تو وہ صرف ایک پتلا تھا۔ اس نے غصہ میں اپنے غلاموں اور فوجیوں کو مصر (شہر قدیم) کو جلا دینے کا اور وہاں کے باشندوں کو جان سے مار ڈالنے کا حکم دیا۔ مصری اپنی مدافعت اور اپنے ناموس کی رسوائی کے دفاع میں ڈٹ گئے اور مصر کے جن مقامات پر لوگ مدافعت سے عاجز رہے۔ وہاں حاکم کے آدمیوں نے آتش زنی' غارت گری اور کشت و خون کا بازار گرم کر دیا۔ حاکم روزانہ ان بربادیوں کے معائنہ کے لئے نکلتا تھا اور ایسا ظاہر کرتا تھا کہ سارے مظالم اس کی رضاء و اجازت کے بغیر ہی لوگوں پر توڑے جا رہے ہیں۔ اس صورت حال کے تیسرے دن مصر کے مشائخ و معززین نے جامع مسجد میں پناہ لی اور لکڑیوں پر قرآن بلند کئے اور حاکم سے فریاد کی کہ اگر یہ مظالم تیرے حکم و اجازت کے بغیر ہو رہے ہیں تو ہمیں کہ تیری رعایا اور غلام ہیں' مفسدوں کی مدافعت کی اجازت دے۔ حاکم نے کہا کہ اس فساد کا حکم میں نے نہیں دیا ہے تم بھی ان کی مزاحمت کرو اور (دوسری جانب) اس نے فوجیوں سے کہا کہ تم اپنے کام میں لگے رہو۔ جب (شہریوں اور سرکاری سپاہیوں میں) لڑائی ہوئی تو شہریوں کی بھیڑ نے سپاہیوں کو مار کر بھگا دیا اور قاہرہ کے دروازے تک جو حاکم کی قیام گاہ تھا ان کا پیچھا کیا۔ حاکم اس سے ڈر گیا اور سپاہیوں کو (ظلم و تعدی سے) روک دیا۔ مختصر یہ کہ اس واقعہ میں مصر (شہر قدیم' فسطاط) کا ایک چوتھائی حصہ جل کر راکھ ہو گیا' ایک حصہ لوٹ کی بھینٹ چڑھ گیا اہل مصر کے ناموس کے ساتھ حاکم کے غلاموں نے بڑے فضیحتے کئے یہاں تک کہ شہر کے رودار اور عزت دار لوگوں نے شرم سے خودکشی ۴۱۰ھ کر لی۔

حاکم کی عادت تھی کہ وہ راتوں کو شہر کے بازاروں میں گھومتا رہتا اور رعایا کے حالات کے بارے میں پوچھ گچھ کرتا تھا۔ اس نے بوڑھی عورتوں کو گھریلو خواتین کے حالات کی جستجو تلاش کے لئے مقرر کیا تھا۔ یہ (بوڑھیاں) لوگوں کے گھروں میں آتی جاتیں اور اہل ستر (پردہ داروں' روداروں) اور عورتوں کے بارے میں جھوٹ سچ باتیں حاکم تک پہنچاتی رہتی تھیں۔ حاکم نے اس حیلہ سے بہت سی عورتوں کو قتل کروا دیا اور یہ منادی کرا دی کہ عورتیں اپنے گھروں سے باہر نہ نکلیں' گھروں کی چھتوں اور کوٹھوں پر نہ چڑھیں اور موچی عورتوں کے جوتے نہ بنائیں۔ اس نے شراب پینے کی بھی ممانعت کر دی تھی مگر (جب اس نے دیکھا کہ) لوگ (شراب خوری سے) باز نہیں آتے تو حکم دے دیا کہ انگور کی بیلوں کو جڑ سے اکھاڑ

پھینکیں۔ اس کا ایک معمول یہ بھی تھا کہ اپنے ہاتھ سے رقعے لکھتا' ان میں سے بعض میں یہ لکھتا کہ اس رقعہ کے حامل کو ہزار دینار یا فلاں شہر یا اس قدر گراں بہا خلعت دے دیں اور بعض رقعوں میں یہ لکھتا تھا کہ جس کے پاس یہ رقعہ ہو اسے قتل کردیا جائے یا اس سے اسقدر مال بطور جرمانہ وصول کیا جائے یا یہ کہ اس کا فلاں عضو کاٹ کر اسے عیب دار و عضو بریدہ کردیا جائے۔ پھر وہ ان رقعوں کو موم' عنبر اور طین مختوم (مہر کی مٹی) سے سربند کرتا اور دربار کے دن انہیں لٹاتا تھا ہر شخص اپنے بخت و نصیب کے مطابق حرمن سے ان رقعوں میں سے ایک اٹھالیتا اور متعلقہ کار پردازوں کے پاس لے کر جاتا جو کچھ اس رقعہ کا مضمون ہوتا اسی وقت اسے نافذ کردیا جاتا تھا۔ اس نے حکم دیا تھا کہ یہود و نصاریٰ گھوڑوں اور خچروں پر سوار ہو کر نہ نکلیں۔ اور لوہے کی رکاب نہ استعمال کریں ان میں سے ہر ایک کی گردن میں چند گھنٹیاں بندھی رہیں تاکہ ان میں اور مسلمانوں میں امتیاز کیا جاسکے اور فرق باقی رہے۔ تمام اہل مصر کیا مسلمان کیا ذمی اس کے برے افعال اور ناپسندیدہ احکام سے رنجیدہ و ملول تھے۔ خود اس کے اہل حرم و اہل خانہ و خواص اس سے بیزار ہو گئے تھے۔ اس نے اپنی بہن ست الملک پر ابن دواس ۲۷ نامی ایک امیر کے ساتھ جو اس کا مقدم جیوش (سپہ سالار) تھا' (ناجائز جنسی تعلقات کی) تہمت لگائی اس کی بہن نے یہ بات ابن دواس کے پاس کہلا بھیجی۔ چنانچہ یہ دونوں حاکم کو قتل کردینے اور اس کے بجائے اس کے بیٹے علی کو تخت نشین کرنے پر متفق ہو گئے اور آپس میں اس پر عہد و پیمان کر کے اسے جان سے مار ڈالنے کا فیصلہ کرلیا۔ انہوں نے ابن دواس کے دو غلاموں کو ایک ہزار دینار دیا تاکہ وہ قاہرہ کے نزدیک جبل مقطم پر گھات میں رہیں اور جب حاکم اپنے ہم رکاب لڑکے کے ساتھ حسب قرار وہاں پہنچے تو ان دونوں (حاکم اور اس کے ہمرکاب لڑکے) کو قتل کردیں۔ حاکم کو علم نجوم میں دخل تھا اور اس نے یہ حکم لگا دیا تھا کہ یہ رات اس کے لئے قطعی ہوگی (آن شب او را قطعی خواہد بود) کہ اگر وہ اس سے صحیح سلامت گزر گیا تو اس کی عمر اسی سال سے بھی زیادہ ہوگی۔ اس نے یہ بات اپنی ماں سے بھی کہی تھی۔ ماں نے اس کی بڑی منت سماجت کی کہ اگر تو آج رات گھر سے باہر نہ جائے تو تیرے لئے بہتر ہوگا۔ اس نے اپنی ماں کی بات مان لی۔ جب صبح کاذب کا وقت ہوا تو اس پر بے قراری کا غلبہ ہوا' سکون اور آرام کی طاقت نہ رہی اسے (کسی صورت) قرار نہیں آتا تھا۔ جتنا بھی اس کی ماں (اسے منع کرتی) روتی اور اس کا دامن پکڑ کر (اسے روکتی) اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور اس نے کہا کہ اگر میں اس گھڑی باہر نہ گیا تو میری روح میرے جسم سے پرواز کر جائے گی۔ چنانچہ وہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے مطابق رکاب کے لڑکے (ہمرکاب رہنے والے خادم) کے ساتھ جبل مقطم کی جانب چل پڑا۔ جو غلام چھپے ہوئے تھے اپنی کمین گاہ سے نکل کر انہوں نے حاکم اور اس

کے ہمرکاب خادم کو مار ڈالا اور اس کی لاش کو چھپا کر اس کی بہن کے پاس لائے جس نے اسے اپنے محل میں دفن کرا دیا۔ اس راز سے ان لوگوں کے سوا کوئی اور واقف نہ ہوا۔ (بعد ازاں) ان لوگوں نے وزیر کو تاکید اور حلف (قسم) کے بعد اس راز سے آگاہ کیا۔ جب وزیر کو (حاکم کی ہلاکت کا) علم ہو گیا تو وہ (ابن دواس اور ست الملک) کے ساتھ تدبیر کار اور لوگوں کو مطمئن کرنے میں متفق ہو گیا اور حاکم کے غائب ہونے کے بارے میں یہ بہانہ کیا کہ وہ سات دن کے لئے غائب ہوا ہے (اس کے بعد واپس آجائے گا) یہ لوگ ہر روز کسی کو لاتے جو یہ کہتا کہ اس نے حاکم کو فلاں مقام پر دیکھا ہے (اس طور سے انہوں نے اس کی ہلاکت کو لوگوں سے مخفی رکھا۔)

ظاہر کی حکومت

آخر کار انہوں نے اعیان وارکان حکومت کو (حاکم کی موت کی) اطلاع دی ان لوگوں نے عہد و پیمان اور عطیات وانعام دینے کے بعد اس کے بیٹے ابو الحسن علی کی بیعت کی اور اسے الظاہر باللہ کا لقب دیا اور اس کی تخت نشینی کے بعد حاکم کے انجام و ہلاکت کا اعلان و اظہار کیا گیا۔ (وزیر نے) ابن دواس کو خلعت فاخرہ عطاء کی اور اسے ملک کے معاملات میں بااختیار بنایا اس کے بعد نسیم نامی خادم کو بلایا جو قصر شاہی کا قہرمان اور شاہی غلاموں کا افسر اعلیٰ (مہتر) تھا خلیفہ کی حفاظت کی غرض سے شمشیر بردار غلام ہمیشہ اس کے ساتھ رہتے تھے۔ (وزیر نے) اس (نسیم خادم) کے ساتھ ابن دواس کو قتل کر دینے کی سازش کی اور فریب سے ان سو غلاموں کو ابن دواس کی سواری کے ساتھ لگا دیا۔ ایک روز جب ابن دواس قصر شاہی میں آیا تو نسیم خادم نے قصر کے دروازے بند کر دیئے وہ خود تو ان کی حفاظت کے لئے وہاں ٹھہر گیا مگر غلاموں سے کہا کہ ہمارے آقا ظاہر فرماتے ہیں کہ ابن دواس میرے باپ حاکم کا قاتل ہے' لہٰذا اسے قتل کر دو۔ ان غلاموں نے ابن دواس کو تلواروں کی باڑھ پر رکھ لیا اور اسے جان سے مار ڈالا۔ اسی دوران ست الملک نے ان تمام لوگوں کو جو اس کے ساتھ حاکم کے قتل میں شریک یا اس (راز) سے واقف تھے درمیان سے اٹھا لیا (یعنی ان سب کو قتل کرا دیا) اور خود حکومت کے معاملات کے انصرام اور مملکت کے مصالح کے انتظام میں تن تنہا بااختیار ہو گئی اس کی ہیبت ارباب حل و عقد و اعیان دولت کے دلوں میں بیٹھ گئی۔ حاکم کا قتل اور خلق خدا کی اس کے ظلم و ستم اور افعال شنیعہ و اخلاق ذمیمہ سے نجات شوال ۴۱۱ھ میں ہوئی وہ ملک الموت (فرشتہ موت) سے مالک (داروغہ دوزخ) کے پاس منتقل ہو گیا۔ ظاہر نے پندرہ سال تک خلافت کی اور اس نے (۱۵ شعبان) ۴۲۷ھ کو انتقال کیا۔

مہدی کے نسب پر محضر

مہدی مقدوح کے محضر کا تذکرہ ۳۰۹ھ میں (درست ۴۰۱ھ) معتمد ۴۸ الدولہ ابو منیع قرواش بن مقلد عقیلی سے جو عباسی خلفاء کی جانب سے خلیفہ القادر باللہ کے عہد میں موصل کا حاکم تھا' (فاطمی خلیفہ) الحاکم نے خط و کتابت کا آغاز کیا وہ اس کے پاس مصر سے برابر تحفے اور عطیے بھیجتا اور اسے اپنی بیعت کی دعوت دیتا تھا۔ (چنانچہ) معتمد الدولہ نے اس کی دعوت قبول کرلی اور موصل کے باشندوں کو الحاکم کی اطاعت و القادر کی مخالفت پر آمادہ کرنا شروع کیا وہ الحاکم کے نام کا خطبہ پڑھنے لگا۔ (بعدازاں معتمد الدولہ) وہاں سے کوفہ آیا اور وہاں بھی اس نے الحاکم کے نام کا خطبہ جاری کیا۔

اس زمانے میں بہاء الدولہ ۴۹ ابن عضد الدولہ فارس گیا ہوا تھا جب اسے اس بات کی اطلاع ہوئی تو اس نے معتمد الدولہ کے پاس آدمی بھیجے اور اس پر سختی کی۔ معتمد الدولہ اپنے کئے پر پشیمان ہوا الحاکم کی اطاعت کا جوا اپنی گردن سے اتار پھینکا اور اپنے علاقے میں القادر باللہ کے نام کا خطبہ پھر جاری کردیا۔ (اس پر) وہ دارالخلافت (بغداد) سے گران بہا خلعت کا سزاوار ٹھہرا۔ اس واقعہ کی تفصیل تاریخ کی کتابوں میں درج ہے۔ یہاں اختصار کی روش اختیار کی گئی ہے اس بیان کا مقصد اس محضر کا ذکر ہے جو (بنی فاطمہ مصر) کے نسب کے بطلان پر تحریر کرایا گیا تھا۔ اس کا (ترجمہ) درج ذیل ہے :

محضر کا ترجمہ

(اس ترجمہ میں جوینی کے ایک ایک لفظ کو باقی رکھا گیا ہے' چنانچہ بعض لعنت و بددعاء کے الفاظ بھی برقرار رکھے گئے ہیں جن کی بصورت دیگر کوئی ضرورت نہ تھی)

''اللہ کے نام سے جو رحمان و رحیم ہے۔ یہ وہ (محضر) ہے جس کی' شاہدوں (گواہوں) نے شہادت دی ہے کہ معد بن اسماعیل جس نے مصر پر قبضہ کیا وہ معد بن اسماعیل بن عبدالرحمان بن سعید ہے۔ اور یہ لوگ اس دیصان بن سعید کی جانب منسوب ہیں' جس کی طرف (فرقہ) دیصانیہ کی نسبت کی جاتی ہے۔ سعید مذکور المغرب (شمالی افریقہ) چلا گیا اور (اس نے وہاں) اپنا نام عبداللہ اور لقب المہدی رکھ لیا۔ یہ شخص جو مصر میں (اس زمانے میں) ظاہر ہوا ہے اور جس کا نام منصور اور لقب الحاکم ہے' اللہ اسے ہلاک و نیست و نابود کردے' یہ بیٹا ہے نزار کا اور وہ معد کا فرزند ہے جو اسماعیل کا بیٹا ہے (اور اسماعیل) بیٹا ہے عبدالرحمان کا جو سعید کا فرزند ہے۔ اس الحاکم کے ناپاک و نجس اسلاف' ان پر اللہ کی لعنت اور تمام لعنت کرنے والوں کی لعنت ہو۔ جھوٹے مدعی نسب یعنی مجہول النسب اور خوارج

ہیں جن کا کوئی نسب علی ابن ابی طالب کی اولاد میں نہیں ہے اور یہ لوگ علی ابن طالب سے کسی سبب سے بھی وابستہ نہیں ہیں۔ اور یہ جو انہوں نے حضرت علی ابن طالب کی جانب اپنے نسب کا دعویٰ کیا ہے' وہ باطل اور جھوٹ ہے۔ آل ابی طالب کے گھرانے والوں میں سے کسی نے بھی ان مصری حکمرانوں کے متعلق یہ کہنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کی ہے کہ یہ لوگ خوارج ہیں اور آل علی کے نسب سے خارج ہیں۔ یہ لوگ جھوٹے نسب کے دعویٰ دار ہیں۔ ان لوگوں کے جھوٹے دعویٰ کا یہ انکار حرمین (مکہ ومدینہ) میں مشہور رہا ہے اور ان کے اقتدار حاصل کرنے کے آغاز میں المغرب (شمالی افریقہ) میں بھی بہت زیادہ اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ یہ شخص جو مصر میں ظاہر ہوا ہے یعنی الحاکم وہ خود اور اس کے آباؤاجداد کافر' فاسق' زندیق' معطلہ (شریعت کو معطل و موقوف سمجھنے والے) اور اسلام کے انکاری ہیں۔ یہ لوگ ثنویتہ و مجوسیہ کے مذہب کے معتقد اور ماننے والے ہیں۔ انہوں نے حدود شرعیہ کو معطل کردیا' شرم گاہوں کو مباح کرلیا' شراب حلال کردی' بے گناہوں کا خون بہایا' انبیاء کو گالیاں دیں اور ربوبیت (خدائی) کا دعویٰ کیا ہے۔ (یہ محضر) ربیع الاخر ۴۰۲ھ میں تحریر کیا گیا۔ اس پر علوی شرفاء میں سے المرتضیٰ موسوی۔۵۰ والرضی موسوی اور ان کی ایک جماعت نے شہادت دی۔ اور معتبر فقہاء میں سے شیخ ابو حامد الاسفرائنی ۔۵۲ ابوالحسن القدوری۔۵۳' قاضی القضاۃ ابو محمد بن الاکفانی۔۵۴ وابو عبداللہ البیضاوی۔۵۵ نے شہادت (گواہی) ثبت کی۔"

اس محضر کو بغداد اور دوسرے اسلامی شہروں کی مساجد کے منبروں پر (لوگوں کو پڑھ کر) سنایا گیا۔

ظاہر کے بیٹے المستنصر کی تخت نشینی کا بیان

جب ظاہر کا انتقال ہوا تو اس کے بیٹے ابو تمیم معد کی عمر (صرف) سات سال تھی۔ اسے تخت خلافت پر بٹھایا گیا اور اس کا لقب مستنصر رکھا گیا۔ یہ (بھی) دیوانگی کی کثرت اور عقل کی قلت کے لئے مشہور تھا۔ اپنے افعال میں تلون اور اپنے اعمال میں تضاد کے باعث و نیز غیر ضروری مصارف میں فضول خرچی اور جائز اخراجات کے موقع پر بخل کے سبب مستنصر دیوانہ کے نام سے اس کی شہرت تھی۔

اس کی عجیب وغریب داستانیں' جو خلفاء و سلاطین کے طور طریقوں سے نہایت مختلف ہیں' کتابوں میں درج اور تاریخ میں مذکور ہیں۔ یہاں ایک دو باتیں جن سے مستنصر کے افعال کے بارے میں اندازہ لگایا جاسکتا ہے درج کی جاتی ہیں۔ اس کی فضول خرچی (اسراف) کی ایک مثال یہ ہے۔ اپنے خزانے سے نہایت بیش بہا موتی منگواتا اور اسے پیس

کر سرمہ کر دیتا اور پھر (اس سرمہ کو) پانی میں بہا دیتا تھا۔ اس کی کنجوسی اس حد تک بڑھی ہوئی تھی کہ اہل لشکر کو مقررہ تنخواہوں اور معینہ رقوم کی ادائیگی سے انکار کر کے اس حد تک پریشان کر دیتا تھا کہ وہ شور و غل مچانے لگتے تھے۔ ایک مرتبہ (ان بے تنخواہ سپاہیوں نے) اسے قصر شاہی میں محصور کر دیا اور اپنی تنخواہوں کا مطالبہ کیا' اس نے بخیلی اور کنجوسی کی عذر خواہی کے بطور اپنے دست خاص سے ایک رقعہ لکھ کر اہل لشکر کے پاس بھیجا جس کا مضمون یہ تھا۔ "میں اپنے اللہ کے سوا جو میرے حال پر مہربان ہے کسی اور سے نہ تو کوئی امید رکھتا ہوں اور نہ ڈرتا ہوں۔ میرے نبی میرے جد امجد ہیں اور میرے امام میرے باپ ہیں اور میرا قول توحید و عدل ہے۔ مال اللہ کا ہے' بندے اللہ کے غلام ہیں بخشش بخل سے بہتر ہے۔ اور عنقریب ظالموں کو معلوم ہو جائے گا کہ کس جگہ ان کو لوٹ کر جانا ہے۔ (القران' سورہ شعراء' آیت ۲۲۷)" مستنصر کی باقی حرکتیں انہیں واقعات کے مطابق تھیں ان سے انہیں قیاس کیا جا سکتا ہے۔

کیونکہ یہ (جود و بخل) اس کے دماغ کے وسوسے اور خلل ہیں۔ (کیونکہ) وہ نہ تو کرم کے باعث عطاء کرتا ہے اور نہ بخل کے سبب منع کرتا ہے۔ مستنصر نے اسی نہج پر زندگی گزار دی اور ساٹھ سال تک خلافت کے بعد ۱۸ ذی الحجہ ۴۸۷ھ کو فوت ہو گیا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم انہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں تاکہ ان کے گناہوں میں اضافہ ہو (القرآن' سورہ آل عمران' آیت ۱۷۷)۔

مستنصر کے بیٹے

مستنصر کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام ابو منصور نزار تھا پہلے اس نے اسی کو ولی عہد بنایا اور اسے المصطفی لدین اللہ کا لقب عطا کیا۔ اس کے بعد وہ اس پر پشیمان ہوا اسے (ولی عہدی سے) علاحدہ کر کے اپنے دوسرے بیٹے ابو القاسم احمد کو اپنا ولی عہد بنایا اور المستعلی باللہ کا لقب دیا۔ مستنصر (کی موت) کے بعد بدعت کے ائمہ اور ارکان و اعیان دو گروہ میں بٹ گئے۔ ایک گروہ نزار کی امامت کا قائل ہو گیا کیونکہ اعتبار تو پہلی ہی نص کا ہوتا ہے عراق' شام' قومس و خراسان کے ملاحدہ کا تعلق اس گروہ سے ہے اور انہیں نزاریہ کہتے ہیں۔ دوسرے گروہ نے مستعلی کی امامت کو درست گردانا یہ لوگ مصر اور اس دیار کے اسماعیلی ہیں اس گروہ کو مستعلویان کہتے ہیں۔

۵۶۰ھ

حسن صباح

حسن صباح نے مستنصر کے دور خلافت میں دیلم کے ملک میں اپنی دعوت کا اظہار کیا اس

کا ذکر اس بیان کے بعد کیا جائے گا۔

نزاریہ ملحد ہیں

نزاریہ کے گروہ پر الحاد کا الزام اس لئے لگایا گیا کہ انہوں نے حسن صباح کی دعوت کے ضمن میں شریعت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو معطل و باطل کر دیا اور محرمات (حرام) کو مباح (حلال) کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اور جو لوگ اللہ کی جانب سے نازل شدہ حکم کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہ فاسق و بدکار ہیں (القرآن سورہ مائدہ آیت ۴۷)۔

مستعلوی ظاہر شریعت کے پابند ہیں

مگر مستعلویان کے گروہ نے ظاہر شریعت سے سرکشی و روگردانی نہیں کی اور اپنے آباء و اجداد کے طریقوں کی اتباع کی۔ مصر کے باشندوں اور فوجوں نے مستعلی کی پیروں کی اور اسے مسند خلافت پر متمکن کر دیا۔

نزار کا انجام

نزار اپنے دو بیٹوں کے ساتھ بھاگ کر اسکندریہ چلا گیا ۵۔ وہاں کے باشندوں نے اس کی بیعت کر لی۔ مستعلی نے (نزار کے خلاف) فوج کشی کی مدت تک اسکندریہ میں نزار کا محاصرہ کئے رکھا آخر کار اسکندریہ پر (مستعلی کی فوجوں کا) قبضہ ہو گیا۔ نزار کو اس کے دو بیٹوں کے ساتھ مصر لایا گیا۔ یہ تینوں اپنی موت تک قاہرہ میں قید رہے۔

نزاریوں کا دعویٰ

فرقہ نزاریہ کا یہ دعویٰ ہے کہ نزار کے ایک بیٹے کا جو امام ؟ نام رکھتا تھا (یعنی اپنے باپ کے بعد امام تھا) ان کے باطل مذہب کے مطابق اسکندریہ میں ایک بیٹا رہ گیا جس پر نہ کسی نے قابو پایا اور نہ اسے کسی نے پہچانا الموت کے موجودہ سردار کی نسبت و نسل اسی شخص کی جانب ہے۔ اس بات کا ذکر ملاحدہ کی دعوت جدیدہ کے بیان میں آئے گا۔ مستعلی خلافت پر اپنی (۱۷ صفر ۴۹۵ھ) میں موت تک متمکن رہا۔

آمر کا دور

ابو علی منصور جو مستعلی کا بیٹا تھا اس کا جانشین ہوا (اس کا لقب الآمر باحکام اللہ تھا) ۴

ر ذوالقعدہ ۵۲۴ھ کو فرقہ نزاریہ کے غلاۃ (متشدد اور کٹر افراد) کی ایک جماعت نے اسے دھوکہ سے اچانک حملہ کر کے ہلاک کر دیا۔

الحافظ کی حکومت

چونکہ (الآمر کے) کوئی اولاد نرینہ (بیٹا) نہ تھا اس نے اپنے چچا زاد بھائی ابوالمیمون عبدالمجید بن محمد بن خلیفہ مستنصر) کو اپنا ولی عہد ۵۸ بنایا تھا۔ وہ اس کے قائم مقام (کی حیثیت سے) اس کا (جانشین) ہوا۔ اسے الحافظ لدین اللہ کا لقب دیا گیا وہ بیس سال تک خلیفہ رہا (اور ۵ر جمادی الاخر ۵۴۴ھ میں وفات پائی)

الظافر کا دور

اس کے بعد (الحافظ لدین اللہ کا بیٹا) ابو منصور اسماعیل اس کے بجائے تخت نشین ہوا اسے الظافر کا لقب دیا گیا عباس ۵۹ بن تمیم جو اس کا وزیر تھا اس نے اس کو (۵۴۹ھ کے محرم کی ۱۵ر یا آخری تاریخ میں) قتل کرا دیا۔

الفائز کا دور

الظافر کا بیٹا ابو القاسم عیسی پانچ سال کی عمر میں اس کا جانشین ہوا۔ اس کا لقب الفائز باللہ (درست الفائز بنصر اللہ) تھا وہ چھ سال تک خلیفہ رہ کر (۱۷ر جب ۵۵۵ھ میں) مر گیا۔

العاضد کا عہد

اس کے بعد اس کے چچا زاد بھائی ابو محمد عبداللہ بن یوسف بن حافظ (لدین اللہ) کو تخت خلافت پر بٹھایا گیا اور اسے العاضد لدین اللہ کا لقب دیا گیا (اس نے محرم ۵۶۷ھ تک خلافت کی) جب کہ بنو ایوب نے مصر اور اس کے ماتحت ملک پر قبضہ کر لیا۔

مصر پر نور الدین کے گورنروں کا قبضہ

۵۵۴ھ (درست ۵۶۴ھ) کے اوائل میں فرنگیوں کے ایک بہت بڑے لشکر نے مصر میں گھس کر قتل و غارت گری شروع کر دی۔ شابور نے (درست شاور ۶۰) جو العاضد کا وزیر اور مملکت مصر کے سیاہ و سفید کا مالک تھا' فرنگیوں کے محاصرہ قاہرہ کے دوران جبکہ خلیفہ

وزیر اور مصر و قاہرہ کے تمام باشندے مایوس و ناامید ہو چکے تھے' دس لاکھ مصری دینار کی ادائیگی پر فرنگیوں کے سردار سے صلح کرلی (اس رقم میں سے) کچھ کی ادائیگی تاخیر سے ہونی تھی اور کچھ کی نقد ہونی تھی سو فرنگیوں نے قاہرہ کا محاصرہ اٹھا لیا مگر طے شدہ مال کی بقیہ قسطوں کی وصولی کی امید میں وہ لوگ مصر میں انتظار کرنے کی غرض سے ٹھہرے رہے۔ اس زمانے میں شام کا حکمران نور الدین محمود بن زنگی بن آق سنقر تھا۔ عاضد' وزیر (شادر) اور اہالیٔ مصر نے اس سے فرنگیوں کے قبضہ پر اس حد تک استغاثہ کیا اور مدد و حمایت کی درخواست کی کہ (شاہی خاندان کی ۔۶۲) مستورات کے سروں کے بال تک اس کے پاس بھیجے۔ نور الدین نے حمص کے گورنر شیرکوہ کو ایک لشکر جرار کے ساتھ مصر کی حفاظت کی غرض سے روانہ کیا۔ صلاح الدین یوسف ۔۶۳ بن ایوب جو شیرکوہ کا بھتیجا تھا اس کے ہمراہ تھا۔ جب فرنگیوں نے شامی لشکر کی آمد کی خبر سنی تو (فلسطین میں) اپنے مراکز و ممالک کی جانب بھاگ کھڑے ہوئے۔ شیرکوہ نے قاہرہ کا سفر جاری رکھا اور ۷ر ربیع الاخر ۵۶۴ھ کو قاہرہ پہنچ گیا۔ عاضد اور شابور (شادر) نے اس کی بڑی آؤ بھگت کی۔ (مصر کے قیام کے دوران) شیرکوہ نے فوج کے اخراجات کے لئے رقوم کا مطالبہ کیا۔ عاضد اور شابور (شادر) نے حیلے بہانے اور ٹال مٹول سے کام لیا۔ نتیجتہ" فریقین میں دشمنی اور عداوت پیدا ہو گئی (چنانچہ) شابور (شادر) نے یہ سازش کی کہ شیرکوہ کو ضیافت کے بہانے بلا کر اپنے راستے سے ہٹا دے (قتل کر دے) چونکہ عاضد شابور (شادر) کے ہاتھوں زچ اور عاجز تھا اس نے شیرکوہ کو اس کے فریب سے آگاہ کر دیا یہ امر شابور (شادر) کے قتل کا سبب بن گیا۔ ایک دن دریافت حال اور دوستی کے اظہار کی غرض سے شابور (شادر) شیرکوہ (کی قیام گاہ پر) آیا۔ اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف نے حسب معمول مسلح افراد کی ایک جماعت کے ساتھ اس کا استقبال کیا اور اسے گرفتار کر کے عاضد کے حسب منشاء اس کا سر کاٹ کر اس کی خدمت میں بھیج دیا۔ یہ واقعہ ۱۷ر ربیع الاخر ۵۶۴ھ کو پیش آیا۔

(شادر کے قتل کے بعد) عاضد نے وزارت کا منصب شیرکوہ کو تفویض کیا اور اسے ملک منصور کا لقب دیا۔ تین مہینے بھی پورے نہ ہوئے تھے کہ شیرکوہ نے انتقال کیا۔ اس لئے عاضد نے وزارت کا عہدہ اس کے بھتیجے صلاح الدین یوسف کو دے دیا۔ صلاح الدین نے انتظامات سنبھال لئے اور عاضد و مملکت مصر پر غالب و مستولی ہو گیا۔ عاضد اس کے حکم کا پابند تھا۔

نور الدین کے حکم پر مصر کی اسماعیلی حکومت کا خاتمہ

والیٔ شام نور الدین محمود نے صلاح الدین یوسف کو لکھا کہ جب اس ملک (مصر) پر

ہماری حکومت قائم اور ہمارا حکم نافذ ہوگیا ہے تو باطل پر حق کی نصرت و مدد کو واجب جاننا چاہئے حق کو اپنے مقام پر نافذ کردینا اور اسلام کی دعوت کے شعار کو عباسی خلفاء کے نام سے ظاہر کرنا چاہئے (یعنی مصر میں اسماعیلیوں کے مذہب کو ختم کرکے اہل سنت کے مسلک کو رائج کرنا اور وہاں مساجد میں عباسی خلفائے کے نام کا خطبہ پڑھنا چاہئے۔) صلاح الدین نے (اس حکم کو) قبول کیا۔ اور ۵۶۶ھ (درست ۵۶۷ھ) کے محرم کے پہلے جمعہ کو مصر میں (عباسی خلیفہ) الناصرلدین اللہ (درست المستضئی بامراللہ پدر الناصرلدین اللہ کہ ۵۶۶ھ تا ۵۷۵ھ خلیفہ رہا) کے نام کا خطبہ پڑھا اور اس کے نام کا سکہ جاری کیا۔

عاضد نے (۵۶۷ھ کے) عاشورا (دسویں محرم ۵۶۷ھ) کے دن وفات پائی۔ صلاح الدین نے اس کی اولاد اور اس کے خاندان کے لوگوں کو قید کردیا۔ بعد ازاں ان سب کو فنا کا شربت چکھا دیا (قتل کرادیا) ان کی نسل کو بالکل منقطع کرا دیا اور صلاح الدین یوسف (مصر پر) مستبد (قابض) اور وہاں کا مستقل حکمراں ہوگیا۔ اس کی اچھی یادگاریں مشہور و باقی ہیں۔ ۔۶۴

فصل پنجم

"حسن صباح اور ملاحدہ کی دعوت کا ذکر جسے وہ "دعوت جدیدہ" کہتے ہیں"

الموت کا کتب خانہ

جب بادشاہ زادہ جہاں (ہولاکو) کی پیش قدمی کے باعث اسماعیلیوں کے قلعے اور آبادیاں برباد ہوئیں اور ان کا فتنہ ختم ہو گیا تو قلعہ الموت کی فتح کے موقع پر حکم صادر ہوا کہ اس کتاب (جہاں گشا) کا مولف (علاء الدین عطاء ملک جوینی) اس قلعہ کے خزانوں اور کتب خانوں کے بارے میں معلومات بہم پہنچائے اور جو اشیاء لائق خاص (بادشاہ زادہ) ہوں، انہیں علیحدہ کرلے۔ جب اس کتب خانے کو پر تالا گیا، جس کو ان لوگوں نے سالہا سال سے جمع کیا تھا، تو معلوم ہوا کہ اپنے گمراہ مذہب اور باطن عقیدے کی بہت سی کتابوں کے ساتھ انہوں نے قرآن مجید کے نسخوں اور دیگر نفیس کتابوں کو غلط ملط کر دیا ہے۔ اور اچھی اور بری کتابوں کو ایک ساتھ ٹانک دیا ہے۔ اس لئے میں نے مصاحف قرآن اور نفیس کتابوں کو ان کتابوں میں سے اس طرح نکال لیا جیسے اللہ تعالیٰ زندوں کو مردوں میں سے نکال لے گا۔ انہیں میں مجھے ایک کتاب ملی جو حسن صباح کے حالات و واقعات پر مشتمل تھی۔ اور جسے ملاحدہ "سرگزشت سیدنا" کہتے تھے۔ سو جن باتوں کا ہماری اس تاریخ کے موضوع سے تعلق تھا اور جو مصدق و محقق تھیں، انہیں ہم نے اپنی اس تاریخ میں نقل کر دیا ہے۔

حسن صباح کے ابتدائی حالات

حسن صباح نے اپنے کو (عرب) قبیلہ، حمیر کی جانب منسوب کیا ہے۔ اس کا باپ یمن سے کوفہ وہاں سے قم اور قم سے ری آیا اور وہیں سکونت اختیار کرلی حسن صباح یہیں پیدا ہوا۔ اس کا نام (مع ولدیت) یہ ہے، حسن بن علی بن محمد بن جعفر بن حسین بن محمد بن صباح حمیری، اس پر اللہ، ملائکہ اور تمام اولاد آدم کی لعنت ہو۔ "سرگزشت سیدنا" میں لکھا ہے کہ ایک بار حسن صباح کے پیروں میں سے کچھ لوگ اس کے آباؤ اجداد کے حالات لکھ کر اس کے پاس لائے۔ حسن تصنع اور تلبیس (مکر) کی وجہ سے اس پر راضی نہ ہوا اور ان اوراق کو پانی میں دھو دیا۔ (غرق آب کر دیا۔)

اس حسن لعین نے یوں بیان کیا ہے "میرا آبائی مذہب شیعہ اثنا عشری تھا رے میں امیرہ ضراب نامی ایک شخص رہتا تھا۔ اس کا مذہب مصر کے باطنیوں کا تھا ہمارا ایک دوسرے سے ہروقت مناظرہ ہوتا رہتا تھا۔ وہ میرے مذہب کا رد کرتا تھا اور میں اسے تسلیم نہ کرتا تھا۔ مگر میرے دل پر اس کی بات اثر کرتی تھی اسی زمانے میں مجھے ایک خطرناک اور سخت بیماری لاحق ہوگئی۔ میں نے اپنے دل میں سوچا کہ وہ مذہب (باطنیوں کا مذہب) سچا ہے اور میں نے انتہائی تعصب کی بناء پر اس کی تصدیق نہ کی اگر خدانخواستہ موت آگئی تو میں حق تک پہنچے بغیر ہی مرجاؤں گا۔ جب مجھے اس بیماری سے شفار نصیب ہوئی۔ باطنیوں کے فرقہ کا ایک اور آدمی تھا جس کا نام ابو نجم سراج تھا۔ اس سے باطنیوں کے مذہب کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ اس نے نہایت ہی شرح و بسط کے ساتھ انہیں بیان کیا جس سے مجھے اس مذہب کے مشکل مسائل و غوامض کی واقفیت حاصل ہوگئی۔ ایک اور شخص تھا مومن نامی جس کو عبدالملک عطاش ۶۶ نے باطنی دعوت (تبلیغ) کی اجازت دی تھی، میں نے اس سے بیعت ہوجانا چاہا۔ اس نے جواب دیا کہ تو "حسن" ہے اور تیرا مرتبہ مجھ سے کہ "مومن" ہوں بلند ہے، میں تجھ سے امام کی بیعت کیسے لے سکتا ہوں خیر کافی اصرار کے بعد اس نے مجھ سے بیعت لے لی۔ جب ۴۶۴ھ میں عبدالملک کہ اس وقت عراق کا داعی تھا، ری آیا، تو وہ مجھ سے بہت خوش ہوا۔ اور مجھے دعوت باطنیہ کا نائب مقرر کیا۔ اس نے مجھے مصر جانے کا بھی مشورہ دیا۔ اس وقت مصر کا حکمراں **المستنصر** تھا۔

۴۶۹ھ میں میں مصر کے قصد سے اصفہان گیا اور وہاں سے آذربائی جان کے راستے خطرات سے دوچار اور پریشانیاں اٹھاتا ہوا جن کا تاریخ (سرگزشت سیدنا) میں مفصل بیان ہے، شام پہنچا۔ وہاں سے میں ۴۷۱ھ میں مصر پہنچا میں وہاں ڈیڑھ سال تک مقیم رہا۔ ہرچند کہ اس مدت قیام میں میں مستنصر کے قریب نہ پہنچا، مگر مستنصر میرے حال سے واقف تھا اور وہ اکثر میری تعریف کرتا تھا۔ امیرالجیوش (افضل شاہنشاہ) مستنصر کا سپہ سالار اس پر مسلط اور ملک کا حاکم مطلق بنا ہوا تھا وہ سب سے چھوٹے بیٹے **مستعلی** کا خسر تھا جسے مستنصر نے نص دوم سے ولی عہد مقرر کیا تھا، مگر میں اپنے مذہب کے اصول کے مطابق نزار کی دعوت (تبلیغ) کرتا تھا۔ اسی بناء پر امیرالجیوش ۶۷ مجھ سے ناراض تھا۔ (بامن بدبود) وہ مجھے نقصان پہنچانے پر اس درجہ کمربستہ تھا کہ مجھے فرنگیوں کی ایک جماعت کے ساتھ مغرب کی جانب جانے والے جہاز پر زبردستی بیٹھا کر روانہ کردیا۔ (قسمت کا کرنا ایسا ہوا کہ) سمندر میں طوفان آیا اور جہاز کو شام کے ساحل پر لا پھینکا۔ میں وہاں سے حلب آیا اور پھر بغداد و خوزستان کی راہ سے ۴۷۳ھ میں اصفہان پہنچا۔

پھر میں کرمان ویزد کی سرحد تک گیا جہاں کچھ دنوں دعوت (تبلیغ) کا کام کیا۔ اس کے بعد

میں اصفہان واپس آیا۔ (بعد ازاں) میں دوبارہ خوزستان گیا اور وہاں سے بیابان کے راستے فریم (پریم) وشہریار کوہ ۔۶۹ پہنچا اور دامغان میں تین سال مقیم رہا وہاں سے داعیوں کی ایک جماعت کو اندج رود اور ولایت الموت کے دیگر اضلاع کی طرف روانہ کیا تاکہ وہ لوگ وہاں کے باشندوں کو دعوت (باطنیہ) کے دائرے میں لائیں۔ میں (دعوت کی اشاعت کے سلسلہ میں) جرجان' طرز' سرحد اور چنا شکست ۔۷۰ بھی گیا۔

چونکہ نظام الملک (طوسی ۔۷۱) نے بو مسلم رازی ۔۷۲ کو یہ حکم دیا تھا کہ حسن کو گرفتار کرلے سو وہ (میری) تلاش میں بڑا اہتمام کررہا تھا اس لئے میں ری نہ آسکا اور چاہتا تھا کہ دیلمان چلا جاؤں کیونکہ میں وہاں داعیوں کو روانہ کرچکا تھا چنانچہ میں سیاری آیا اور وہاں سے دنباوند و خوارری کے راستہ قزوین پہنچا میں ری جانے سے بچتا رہا۔ اس لئے میں نے قزوین سے دوسری بار ایک داعی کو الموت بھیجا۔

الموت پر قبضہ

مہدی نامی ایک علوی اس قلعہ کا ملک شاہ کی جانب سے حاکم تھا۔ الموت ۔۷۳ "الہ آموت" ہے یعنی آشیانہ عقاب' وہاں عقاب بکثرت پائے جاتے تھے۔ الموت میں ایک جماعت نے (ہماری) دعوت قبول کرلی۔ انہوں نے علوی کو بھی دعوت دی' اس نے بھی اس دعوت کو زبانی قبول کرلیا مگر اس کے بعد ہر اس شخص کو جس نے دعوت (باطنیہ) کو قبول کرلیا تھا' اس نے حیلے بہانے سے قلعہ سے باہر نکال کر قلعہ کا دروازہ بند کرلیا اور کہا کہ قلعہ سلطان (ملک شاہ سلجوقی) کا ہے۔ بہرکیف اس (علوی حاکم) نے کافی گفت و شنید کے بعد اس گروہ کو قلعہ میں آنے کی اجازت دے دی۔ اب وہ لوگ (باطنی) اس کے کہنے پر قلعہ کے نیچے (باہر) نہ جاتے تھے۔ مختصر یہ کہ میں قزوین سے دیلمان اور وہاں سے ولایت (ضلع) اشکو اور وہاں سے اندج رود گیا جو الموت سے متصل ہے (میں نے) یہاں کچھ عرصہ قیام کیا"۔

چونکہ حسن حد درجہ زاہدانہ زندگی گزارتا تھا بہت سے لوگ اس کے شکار ہو گئے۔ اور انہوں نے اس کی دعوت قبول کرلی بدھ چھ رجب ۴۸۳ھ کی رات میں باطنیوں نے چوری سے حسن کو قلعہ میں پہنچا دیا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ الموت پر حسن کے قبضے کی تاریخ یعنی ۴۸۳ھ جمل کے حساب سے لفظ "الہ آموت" سے برآمد ہوتی ہے (یعنی ۴۸۳ھ)۔ حسن وہاں کچھ عرصہ تک چھپا بیٹھا رہا اور اپنے کو "دہ خدا" کے نام سے موسوم کیا۔ جب علوی (حاکم قلعہ الموت) کو اس بات کا علم ہوا (تو وقت گزر چکا تھا) اور اس کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہ رہا تھا۔ باطنیوں نے اسے قلعہ سے چلے جانے کی اجازت دے دی اور قلعہ کی قیمت کے بطور تین ہزار دینار (اشرفیوں) کا شقہ (رقعہ) گردکوہ اور دامغان کے حاکم (گورنر)

رئیس مظفر مستوفی کے نام جس نے حسن کی (باطنیوں کی) دعوت خفیہ طور پر قبول کرلی تھی، لکھ دیا حسن کا طریقہ یہ تھا کہ رقعے (چٹھی) حد درجہ مختصر تحریر کرتا تھا مثلاً زیر تذکرہ رقعہ کی عبارت یہ تھی۔ "رئیس م! حفظہ اللہ سہ ہزار دینار بہائی الموت بعلوی مہدی رساند' علی النبی المصطفیٰ و آلہ السلام و حسبنا اللہ و نعم الوکیل" یعنی رئیس مظفر مستوفی مہدی علوی کو مبلغ تین ہزار دینار قلعہ الموت کی قیمت کے بطور ادا کردے۔ نبی مصطفیٰ اور ان کی آل پر سلام ہو اور ہمارے لئے اللہ کافی ہے اور وہ اچھا نگراں ہے الغرض علوی مذکور نے اس رقعہ کو لے لیا اور دل میں یہ سوچا کہ رئیس مظفر ایک بڑا آدمی ہے اور امیرداد حبشی بن التونتاق کا نائب ہے حسن کے رقعہ پر اتنی بڑی رقم کیونکر دینے لگا ایک مدت کے بعد کہ وہ دامغان میں تھا اور مالی اعتبار سے بدحال تھا اس رقعہ کو امتحان کی غرض سے رئیس مظفر کی خدمت میں لے کر گیا۔ اس نے رقعہ کو چوما آنکھوں سے لگایا اور رقم ادا کردی۔

دعوت ملاحدہ کی اشاعت

حسن اسے اللہ رسوا کرے، جب قلعہ الموت پر پوری طرح مستولی اور قابض ہوگیا تو اس نے اطراف و جوانب میں اپنے داعی بھیجے اور اپنا سارا وقت دعوت باطنیہ کے غلبہ اور کوتاہ نظروں کو گمراہ کرنے پر صرف کرنا شروع کیا۔

دعوت جدیدہ

اس بدعت (مذہب باطنیہ) میں اس نے جو تغیر و تبدل کیا اور جسے اس کے بعد اس کے پیرووں نے دعوت جدیدہ کا نام دیا، اس کی حقیقت یہ ہے کہ اس گروہ کے متقدمین نے تنزیل (قرآن) کی تاویل خصوصاً "آیات متشابہ" (کی تاویل) اور اخبار و آثار سے عجیب و غریب معانی نکالنے (استخراج) پر اور ایسی ہی دوسری باتوں پر اپنے مذہب کی بنیاد رکھی تھی۔ اور وہ اس بات کے قائل تھے کہ ہر تنزیل کی ایک تاویل ہے اور ہر ظاہر کا ایک باطن۔ (مگر اس کے برعکس) حسن صباح نے تعلیم و تعلم کے دروازے کو بالکل بند کردیا اور کہا۔ خداشناسی عقل و نظر سے ممکن نہیں ہے بلکہ امام کی تعلیم سے حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ دنیا کے بیشتر لوگ صاحبان عقل ہوتے ہیں۔ اور دین کے معاملے میں ہر شخص کی اپنی ایک رائے ہوتی ہے۔ اگر خداشناسی کے لئے عقل کی نگاہ کافی ہوتی تو کسی مذہب کے ماننے والے کو دوسرے مذہب کے ماننے والے پر اعتراض کا حق نہ ہوتا اور سبھی مساوی ہوتے کیونکہ عقل کی رو سے سب متدین اور صحیح مذہب کے پیرو ہیں چونکہ اعتراض و انکار کی راہ کھلی ہوئی ہے اور

کچھ لوگوں کی کچھ دوسرے لوگوں کو تقلید کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے یہ بات از خود ثابت ہو جاتی ہے کہ عقل کافی نہیں ہے۔ اور ایک امام کی ضرورت ہے تاکہ ہر دور میں لوگ اس سے علم سیکھیں اور دین حاصل کریں۔

حسن صباح نے چند مختصر (موجز) کلمات کو اپنی خدیعت (مکاری) کی بنیاد و دلیل بنایا اور اس کا نام "الزام" رکھا۔ جاہلوں اور عام لوگوں نے یہ سمجھا کہ اس مختصر لفظ میں بہت سے معانی و مطالب پوشیدہ ہیں ان الفاظ و معانی میں سے ایک جو دقیق ترین ہے یہ ہے کہ حسن اپنے مذہب پر اعتراض کرنے والوں سے پوچھتا ہے عقل کافی ہے یا کافی نہیں ہے؟ یعنی اگر خداشناسی کے لئے عقل کافی ہے تو ہر وہ شخص جو باعقل اور عقل سے بہرہ مند ہے معترض کو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں پہنچتا۔ اور اگر معترض یہ کہے کہ (خداشناسی کے لئے) عقل کافی نہیں ہے' تو یقیناً" ایک معلم کی ضرورت ہوگی۔ یہ (حسن بن صباح کا) مذہب ہے۔

دعوت جدیدہ کا رد

(اس کے بعد جوینی حسن صباح کے مذہب کا یوں ابطال کرتا ہے) یہ جو حسن صباح کہتا ہے کہ عقل (خداشناسی کے لئے) کافی ہے یا کافی نہیں ہے اور یوں وہ اپنے مذہب کا اثبات چاہتا ہے تو اس کے بارے میں سوال یہ ہے کہ تعلیم عقل کے ساتھ ضروری ہے اور مخالف (یعنی حسن) کا مذہب یہ ہے کہ تعلیم عقل کے ساتھ ضروری نہیں ہے۔ اور جب یہ ضروری نہیں ہے تو چاہئے کہ تعلیم جائز ہو اور عقل کی معین و مددگار ہو یا چاہئے کہ عقل تنہا ہو ورنہ خداشناسی حاصل نہ ہوگی۔ یہ دو قسمیں ہیں اور حسن صباح دوسری قسم کے ابطال میں مشغول ہے اور کہتا ہے کہ میں نے (مخالفوں کے) مذہب کو باطل کر دیا ہے مگر ایسا نہیں ہے کیونکہ تمام دنیا والوں کا مذہب یہ ہے کہ خرد مجرد (مجرد عقل) کا وجود (خداشناسی کے لئے) کافی نہیں ہے۔ عقل کا استعمال ایک مخصوص طریقے سے ضروری ہے اور تعلیم و ہدایت بعض عقل مندوں کی معین و مددگار ہوتی ہے اور بعض عقل مندوں کو اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر ہو بھی تو یہ اس کے لئے مانع اور رکاوٹ نہیں بنتی۔ پس معلوم ہوا کہ حسن بن صباح مذہب جمہور کا ابطال نہیں کر سکا۔ و نیز تعلیم کو ایک شخص مخصوص پر موقوف کر دینا' محتاج دلیل و ثبوت ہے حسن بن صباح کی دلیل خود اس کا قول ہے کہ چونکہ میں نے تعلیم کی ضرورت ثابت کی ہے اور اس بات کا میرے علاوہ کوئی اور قائل نہیں ہے اس لئے معلم کا تعین میرے قول سے ہوگا۔ لیکن یہ بات ایسی ہے جس کا فساد ظاہر ہے اور یہ کہنا ایسا ہی ہے کہ کوئی کہے کہ امام فلاں شخص ہے اور اس کی دلیل ہے کہ یہ بات میں کہہ رہا ہوں۔ اگر (اپنے دعویٰ کے ثبوت میں حسن بن صباح) یہ کہے کہ اجماع حق ہے۔ اور جو میری بات صحیح

نہیں تو چونکہ میں مخالفوں کی بات کو باطل کر چکا ہوں' اس بناء پر (بری بات مان کر) ساری امت باطل پر مجتمع ہو جائے گی (اور امت کا باطل پر اجماع نادرست ہے اس لئے میری بات اجماع کی حقانیت کے سبب درست و صحیح ہے) تو اس کا جواب یہ ہے کہ جمہور کے نزدیک اجماع قرآن و حدیث کی رو سے حق ہے اور تمہارے مذہب میں ایسا نہیں ہے (یعنی تمہارے نزدیک اجماع حق نہیں ہے) اس لئے اجماع پر تمہارے مذہب کی بنیاد تمہارے مخالف کی بنیاد پر ہو گئی۔ اور یہ تمہارے لئے مفید نہ ہوگی۔ حسن بن صباح کے پاس امام کے تعین پر اس کے سوا کوئی اور حجت و دلیل نہیں ہے۔

اور حسن بن صباح نے جو یہ کہا ہے کہ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال کروں جب تک وہ لاالہ الا اللہ نہ کہیں یعنی لا الہ الا اللہ کہنے کی تعلیم لینی چاہئے اور یہ (ارشاد نبوی) تعلیم ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ارشاد نبوی' اس پیرزن (بوڑھی عورت) کی حکایت سے معارض (متصادم) ہے کہ جب اس سے خدا کے بارے میں پوچھا گیا تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا اور اس پر پیغمبر علیہ السلام نے فرمایا "اسے چھوڑ دو کیونکہ یہ مومنہ ہے" آپ نے فرمایا "تم پر لازم ہے کہ ان بڑھیوں کا دین اپناؤ (اختیار کرو) آنحضرتؐ نے بوڑھی عورت سے یہ نہ فرمایا کہ تو نے خداشناسی کی تعلیم مجھ سے نہیں لی اس لئے تو مومنہ نہیں ہے۔ اور (ایک بار آنحضرتؐ سے) ایک بدو نے یہ پوچھا کیا زمانہ حق نہیں ہے؟ آپ نے فرمایا اسے چھوڑ دو کہ یہ (دین کو) سمجھ گیا ہے (رسول اکرم علیہ السلام کے) ایسے بے شمار ارشادات ہیں۔ چونکہ میری (جوینی کی) یہ کتاب (تاریخ جہاں گشائی) مذہب باطل کے ابطال اور مذہب حق کے اثبات سے متعلق نہیں ہے لہٰذا میں نے اس قدر (بیان) پر اکتفاء کو مناسب خیال کیا ہے۔

حسن بن صباح ایسی ہی خرافات بیان کرتا تھا جو بظاہر مکر کی جادوگری اور بباطن شیطان کے فریب و گمراہی ہیں اور جن کا مقصد یہ ہے کہ عقل اور حصول علم سے لوگوں کو روکا جائے "اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کے کانوں اور آنکھوں پر پردے پڑ گئے ہیں اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔" (القران سورۃ بقرہ آیت ۷)

حکومت کی توسیع

مختصر یہ کہ حسن بن صباح الموت کے متصل علاقوں اور اس کے قریب کے مواضع (مقامات) پر قبضہ کرنے میں بڑی کوشش کرتا تھا اور جس مقام (کی تسخیر) دعوت (باطنیہ) کے مکر سے ممکن ہوتی' اس پر قبضہ جما لیتا تھا۔ اور جو اس کے مکر اور فریب میں نہ آتا اس پر قتل' خوں ریزی' لوٹ مار اور جنگ کے ذریعہ قابض ہو جاتا تھا۔ اس کا طریقہ تھا کہ پہلے سے

بنے ہوئے جو قلعے ہوتے ان پر قبضہ کرلیتا اور جہاں تعمیر کے لائق کوئی محفوظ پہاڑی مقام دکھائی دیتا وہاں قلعہ تعمیر کرتا تھا۔

ملک شاہ کے امراء میں سے ایک امیر کا نام یورن تاش تھا۔ الموت کے نواحی علاقے اس کی جاگیر میں تھے۔ وہ متواتر الموت پر یلغار کرتا رہتا تھا اور جہاں کے لوگ حسن صباح کی دعوت قبول کرکے اس کے مطیع ہوگئے تھے انہیں قتل کرتا تھا۔ چونکہ ابھی الموت میں دفاع (حفاظت) کا ساز و سامان اکٹھا نہ ہوا تھا' ان حملوں سے وہاں کے رہنے والے پریشان و عاجز ہوگئے تھے اور انہوں نے ارادہ کرلیا تھا کہ قلعہ (الموت کو کچھ (جریدہ) آدمیوں کے سپرد کرکے خود کسی جانب چلے جائیں۔ اس کے بعد حسن صباح نے یہ دعویٰ کیا کہ اس کے امام یعنی مستنصر سے اسے یہ پیغام ملا ہے کہ اس جگہ سے (قلعہ الموت سے) منتقل نہ ہوں انہیں اس مقام سے اقبال (خوش قسمتی) کی توقع ہے۔ اس مکر سے حسن صباح کے ساتھی تکلیف برداشت کرنے پر آمادہ ہوگئے اور الموت میں ٹھہرے رہے اس لفظ کی مناسبت سے جس کا ذکر ابھی کیا گیا اس قلعہ کا نام ان لوگوں نے بلدہ اقبال رکھا۔

دعوت ملاحدہ قہستان میں

۴۸۴ھ میں اپنے ایک داعی حسین قاینی کو (حسن صباح نے) قہستان بھیجا کہ وہاں دعوت کا کام کرے۔ وہاں کی ایک جماعت نے اس کی دعوت کو قبول کیا اور قہستان کے ایک گوشے میں مقیم ہوگئی اور حسن صباح کی جانب سے ایک نائب ان کے حاکم کی حیثیت سے نامزد ہوا۔ جیسا کہ حسن صباح نے الموت میں طریقہ اختیار کیا تھا' ان لوگوں نے بھی قہستان میں اس کی دعوت کے اظہار اور اطراف و جوانب کے علاقوں پر قبضہ کرنے کے سلسلہ میں وہی طریقہ اختیار کیا۔ اور وہ فریب سازی اور قلعوں پر قبضہ کرنے میں جہاں تک ان کے بس میں تھا' مشغول و مصروف ہوگئے۔

ملاحدہ کے خلاف ملک شاہ کا اقدام

جب (حسن صباح) کی بدعت کی داستان آشکارا ہوئی اور قرب و جوار کے مسلمانوں کو اس گروہ سے جو نقصانات پہنچتے تھے ان کی خبریں عام ہوئیں تو سلطان ملک شاہ نے ۴۸۵ھ کے اوائل میں ارسلان تاش نامی ایک امیر کو حسن صباح اور اس کے پیروں کے قلع و قمع اور استیصال پر مامور کیا۔ اس امیر نے جمادی الاولیٰ سال مذکور میں قلعہ الموت کا محاصرہ کرلیا۔ اس وقت الموت میں حسن صباح کے ساتھ ساٹھ ستر آدمی سے زیادہ نہ تھے۔ اور

کھانے پینے کا ذخیرہ بھی ان کے پاس بہت کم اور بقدر سد رمق تھا۔ یہ لوگ تھوڑی خوراک پر گزر بسر کرتے اور محاصرہ کرنے والوں سے جنگ میں مصروف رہتے تھے۔

دہ دار بو علی

حسن صباح کا ایک داعی دہدار (حاکم) بو علی نامی کہ زوارہ وار دہستان سے تعلق رکھتا تھا، قزدین میں مقیم تھا، اور قزدین کے کچھ لوگوں نے اس کی دعوت کو قبول کرلیا تھا۔ اس طرح ولایت طالقان، کوہ برہ اور ولایت ری میں بہت سے لوگوں نے حسن صباح کی اتباع کرلی تھی۔ اور ان سب کا مرجع وہی داعی تھا جو قزدین میں اقامت گزیں تھا۔ حسن صباح نے دہدار بو علی سے مدد مانگی اس نے کوہ برہ اور طالقان کے لوگوں کو اس کی مدد پر آمادہ کیا اور قزدین سے اسلحے اور سامان جنگ کے ساتھ تین سو آدمی حسن صباح کی مدد کو روانہ ہوئے یہ لوگ چالاکی سے الموت کے قلعہ میں گھس گئے۔ انہوں نے الموت والوں اور رودبار کی ایک جماعت کی رو سے جو قلعہ کے باہر سے ان لوگوں کے ساتھ آئی تھی۔ اس سال کے شعبان کے اخیر میں ایک رات التونتاش ۔ کے لشکر پر شب خون مارا۔ التونتاش شکست کھا کر الموت سے محاصرہ اٹھا کر ملک شاہ کے پاس چلا گیا۔

ملک شاہ کی وفات اور اس کی افواج کی شکست

سلطان ملک شاہ کو اس سے تشویش ہوئی اور اس گروہ کے استیصال کی فکر میں لگ گیا۔ مگر چونکہ اس کا وقت آخر آپہنچا تھا۔ اس کی وفات سے ان بدبختوں کی پامالی میں تعویق و تاخیر ہوگئی جس سے ان کا فتنہ اور قوی ہوگیا۔ ملک شاہ نے ۴۸۵ھ کے اوائل ہی میں اپنے خواص میں سے ایک دوسرے سردار کو جس کا نام غزل سارغ تھا قہستان کے ملاحدہ کی سرکوبی کے لئے بھیجا تھا اور خراسان کے لشکر کو اس کی متابعت و مدد کا حکم دیا تھا۔ غزل سارغ نے اس گروہ کو درہ نامی قلعہ میں جو سیستان سے متصل مومن آباد ۵۷ کے مضافات میں ہے، محصور کرلیا اور ان سے جنگ چھیڑ دی۔ مگر ان مقامات کی بازیابی سے پہلے اس کو ملک شاہ کی وفات کی خبر ملی، اس لئے اس نے وہاں سے محاصرہ اٹھالیا اور اس کا لشکر تتر بتر ہوگیا۔ اب ملاحدہ کی اس جماعت نے بھی الموت کے سرکشوں کی طرح ہر طرف جور و ستم کا ہاتھ بڑھایا اور ظلم کے پاؤں پھیلائے۔ (یعنی لوگوں پر مظالم توڑنے لگے)

نظام الملک کی شہادت

حسن صباح کی سرکشی کے آغاز میں نظام الملک حسن بن علی بن اسحاق طوسی رحمتہ اللہ علیہ ملک شاہ کا وزیر تھا۔ اس نے اپنی نظر باریک بین سے حسن کے کرتوت اور اس کے پیرووں کے لچھن بھانپ لئے تھے اور اسلام میں ان کی فتنہ گری کا اندازہ لگا لیا تھا اس لئے ان کے استیصال کی کوشش شروع کر دی تھی اور ان کے خلاف لشکر کشی میں خاص اہتمام کرتا تھا لیکن حسن صباح نے اپنے مکرو فریب کا سلسلہ شروع کیا اور پہلے ہی حملہ میں نظام الملک جیسے شخص کو ہلاکت کے جال میں پھنسا کر بڑی شہرت پائی اس نے فدائیوں کے قواعد مرتب کر کے مکرو فریب سے اپنا رعب و داب قائم کر لیا۔ ابو طاہر نامی شخص کہ اران کا باشندہ تھا شب جمعہ ۱۲ رمضان ۴۸۵ھ کو نہاوند کے حدود میں صحنہ ۷۶ کے مقام پر ایک صوفی کے بھیس میں نظام الملک کی پالکی کے سامنے گیا۔ نظام الملک افطار کرنے کے بعد بارگاہ سلطان سے محفہ (پالکی) میں اپنے حرم کے خیمے میں جا رہا تھا' ابو طاہر ارانی نے اسے چھری ماری اور نظام الملک اسی زخم سے شہید ہو گیا۔ سب سے پہلے جس شخص کو فدائیوں نے شہید کیا یہی نظام الملک تھا۔

حسن صباح اور رئیس ابوالفضل

حسن صباح جب مصر سے واپس آیا تھا تو اصفہان بھی گیا تھا یہاں باطنیوں کی جانب اس کے انتساب اور اس کی دعوت کی شہرت پہنچ چکی تھی سو وہ لوگ جنہیں مسلمانوں کی فکر اور ایمان داروں کا خیال دامن گیر تھا حسن کی تلاش میں تھے۔ وہ اس سبب سے روپوش ہو گیا تھا۔ اور اصفہان میں رئیس ابوالفضل کے گھر میں جس نے خفیہ طور پر حسن کی دعوت کو قبول کر لیا تھا' چھپا ہوا تھا۔ اس نے وہاں کچھ عرصہ قیام کیا۔ جب یہ رئیس حسن کے پاس جاتا تو دونوں اپنی اپنی داستان غم دل بیان کرتے۔ ایک دن زمانہ کی شکایت اور سلطان و ارکان دولت کے تعصب کے ذکر کے دوران حسن صباح نے ایک سرد آہ بھری اور کہا "افسوس! اگر دو آدمی میرے ساتھ ہوتے تو میں اس ملک کو زیر و زبر کر دیتا اور تہس نہس کر کے رکھ دیتا۔" رئیس ابوالفضل نے سوچا کہ تفکرات کی کثرت' خوف اور پر خطر سفروں کے باعث حسن کو مالیخولیا ہو گیا ہے۔ ورنہ بادشاہی ملک جو مصر سے کاشغر تک اس کے خطبہ و سکہ کے تحت پھیلا ہوا ہے اور ہزاروں سوار و پیادہ اس کے علم تلے ایک اشارہ پر دنیا کو الٹ کر رکھ دیں' محض دو آدمیوں کے یکدل ہو جانے سے کیسے زیر و زبر ہو سکتا ہے۔ رئیس ابوالفضل اس فکر میں پیچ و تاب کھاتا تھا اور اپنے آپ سے کہتا تھا کہ شیخی بگھارنے والا آدمی نہیں ہے اس لئے بلاشبہ اس کے دماغ میں کوئی مرض پیدا ہو گیا ہے۔ سو

اس نے حسن صباح پر ظاہر کئے بغیر اس کے مالیخولیا کا علاج کرنا شروع کیا اور معطر شربت' مزاج کے لئے مقوی دوائیں اور دماغ میں رطوبت پیدا کرنے والی غذائیں' جو ایسے مریضوں کے لئے ضروری ہوتی ہیں' تیار کرائیں اور شربت و طعام کے تناول کرنے کے دوران انہیں پیش کیا۔ حسن صباح نے جب ان مشروبات و ماکولات کو دیکھا' تو اسے رئیس ابوالفضل کے خیالات کا پتہ چل گیا اور اس نے فوراً" وہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کرلیا۔ رئیس ابوالفضل نے جتنی بھی منت کی' حسن وہاں نہ ٹھہرا اور کرمان چلا گیا۔

جب حسن واپس آیا تو الموت پر اس کا قبضہ ہوچکا تھا' نظام الملک فدائیوں کے ہاتھوں شہید ہوچکا تھا اور سلطان ملک شاہ' نظام الملک کی شہادت کے چالیسویں روز انتقال کرچکا تھا' ملک کے معاملات مختل و متزلزل ہوچکے تھے اور مملکت (سلجوقیہ) میں انتشار پھیل گیا تھا۔ اس مہلت کے باعث حسن صباح کا کام مضبوط و قوی ہوگیا تھا اور جسے کوئی خوف ہوتا حسن سے مدد کی درخواست کرتا تھا (اس زمانے میں) رئیس ابوالفضل مذکور موقع نکال کر الموت گیا اور حسن کے مصاحبوں میں شامل ہوگیا۔ حسن صباح نے ایک دن اس سے کہا کہ "کیوں تمہیں معلوم ہوگیا کہ مالخولیا مجھے تھا یا تمہیں؟ تم نے دیکھ لیا کہ جب مجھے دو مددگار دوست مل گئے تو میں نے اپنی بات پوری کردکھائی اور اپنے دعویٰ کی دلیل فراہم کردی۔" یہ سن کر رئیس ابوالفضل حسن کے پاؤں پر گر گیا اور توبہ کی۔

فدائیوں کی خنجر زنی

نظام الملک کی شہادت کے ایک عرصہ بعد دو موقعوں پر اس کے دو بیٹوں کو فدائیوں نے چھری ماری۔ ان میں سے ایک (بیٹے) کا نام احمد تھا اور وہ بغداد میں مفلوج (اپاہج) ہوگیا۔ اور (نظام الملک کے دوسرے بیٹے) فخر الملک کو فدائیوں نے نیشاپور میں چھری ماری (جس سے وہ شہید ہوگیا۔ اس کے بعد امراء' سپہ سالاروں' دانش وروں کو فدائیوں کے ذریعہ متواتر اور پے درپے حسن صباح قتل کراتا رہا۔ اور جو بھی اس کے ساتھ تعصب کا اظہار کرتا اس طریقے سے اس کا خاتمہ کردیتا تھا۔ ان مقتولین کے ناموں کو شمار کرنا فضول اور بے کار ہے اس سبب سے دور و نزدیک کے لوگ ان کی محبت یا نفرت میں مبتلا ہوگئے اور ہلاکت کے بھنور میں پھنسے۔ اس کے دوست تو اس لئے تباہ ہوئے کہ بادشاہان اسلام نے انہیں تباہ کیا اور اس کے دشمن اس لئے برباد ہوئے کہ حسن کے مکروحیلہ سے بھاگ بھاگ کر احتیاط و حفاظت کی خاطر محفوظ مقامات کی طرف پناہ لیتے رہے اور ان میں سے بیشتر مارے جاتے

سلاجقہ میں اختلاف اور ملاحدہ کی طاقت میں اضافہ: جب ملک شاہ کے بیٹوں برکیارق ۷۷ اور محمد ۸۰ کے درمیان تنازعہ اٹھ کھڑا ہوا اور ملک میں اضطراب و آشوب کا غلبہ

ہو گیا تو دامغان کے حاکم رئیس مظفر نے امیرداد حبشی کو جس کا وہ نائب تھا اس بات پر آمادہ کیا کہ قلعہ گردکوہ کو سلطان برکیارق سے اس کے لئے مانگ لے۔ سلطان نے اس کی درخواست منظور کرلی۔ حبشی کی نیابت کے ناطے رئیس مظفر قلعہ گردکوہ میں داخل ہو گیا۔ اس کی تعمیرد استحکام پر زرکثیر صرف کیا اور امیر حبشی کا سارا خزانہ وہاں منتقل کردیا۔ جب وہ ذخائر اور خزانوں سے قوی پشت ہو گیا تو اس نے صاحب بدعت (حسن صباح) کی دعوت کو قبول کر لینے کا بھید کھول دیا اور اس کے کفرو الحاد کے طریقہ کو لازم پکڑنے کا راز فاش کردیا وہ حسن صباح کی جانب سے (قلعہ گردکوہ) پر چالیس سال تک حکومت کرتا رہا۔ رئیس مظفر نے گردکوہ کی فصیل میں سنگ خارا میں ایک کنواں کھدوایا' اسے تین سو گز تک گہرا کرایا مگر جب پانی نہ نکلا تو اس منصوبہ کو ترک کردیا۔ اس کی موت کے سالوں بعد زلزلہ آیا اور اس کنویں سے چشمہ پھوٹ پڑا۔ فی الجملہ رئیس مظفر کی پشت پناہی اور حمایت سے' جو ایک مستحکم بند' مضبوط دیوار اور بہت بڑا شرو فتنہ تھا' حسن کے کام اور اس کی دعوت کو ترقی ہوئی۔

قلعہ لمسر کی تسخیر

اس کے بعد قلعہ المسر کی تسخیر کی غرض سے کہ اس کا شمار بھی رودبار الموت میں ہوتا ہے' اور وہاں کے رہنے والوں نے حسن کی دعوت کو قبول نہیں کیا تھا' حسن نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کیا بزرگ کو ملاحدہ کی ایک جماعت کے ہمراہ بھیجا وہ چار شنبہ' بیس ذی القعدہ ۴۹۵ھ کی رات میں چوری سے قلعہ میں داخل ہو گیا اور وہاں کے تمام باشندوں کو جان سے مار ڈالا۔ بزرگ امید بیس سال تک اس قلعہ میں مقیم رہا اور جب تک حسن نے اسے وہاں سے نہ بلایا وہ قلعہ سے نیچے نہ اترا۔

حسن صباح اور زید حسنی

حسن صباح کے دو بیٹے تھے۔ ایک کا نام استاد حسین تھا۔ الموت کے قلعہ میں زید حسنی نامی ایک علوی رہتا تھا۔ وہ خفیہ طور پر اپنی امامت کی دعوت دیتا تھا اور قریب تھا کہ حسن کا کام اس کے ہاتھوں تمام ہو جائے۔ اس (زید حسنی) نے اپنے کام کی ابتداء یوں کی کہ قہستان کے داعی حسین قاینی کو حسین (احمد؟) دنباوندی کے ہاتھ سے مروا دیا۔ چونکہ اس حسین قاینی کے قتل کا الزام حسن صباح کے بیٹے استاد حسین پر لگایا گیا اس لئے حسن کے حکم سے اس کے بیٹے استاد حسین اور احمد (حسین؟) دنباوندی کو قتل کردیا گیا۔ ایک سال بعد حقیقت حال کا علم ہوا! تو حسن صباح نے علوی (زید حسنی) کو اس کے بیٹے کے ساتھ قتل کرا

دیا۔

حسن کا زہد و ورع

چونکہ حسن صباح نے اپنے کام اور عزت کی بنیاد زہد و ورع اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر رکھی تھی۔ الموت میں اس کے پینتیس سالہ قیام کے دوران' اس کے ملک میں کسی شخص نے علانیہ شراب نہ پی یہاں تک کہ ایک آدمی نے قلعہ میں بانسری بجائی تو اسے قلعہ سے نکال دیا اور دوبارہ اندر آنے کی اجازت نہ دی۔ حسن صباح کے دوسرے بیٹے کا نام محمد تھا' اس پر شراب خوری کی تہمت لگائی گئی اور وہ حسن صباح کے حکم سے قتل کر دیا گیا۔ حسن صباح اپنے دونوں بیٹوں کے قتل یہ توجیہہ کرتا تھا کہ اس کے مرنے کے بعد کسی کے دل میں یہ خیال نہ آئے گا کہ اس نے دعوت کا سلسلہ انہیں جانشین بنانے کی غرض سے شروع کیا تھا اور اس کا مقصد ان کی بھلائی تھا۔

اس سلسلہ میں اس نے دوسری بات یہ کی کہ قلعہ الموت کے (سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی کے آٹھ سالہ) محاصرہ کے دوران اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کو قلعہ گرد کوہ بھیج دیا۔ اور رئیس مظفر کو لکھا یہ عورتیں دعوت (اسماعیلیہ) کے لئے سوت کاتتی ہیں' ان کی ضروریات کا انتظام اس کی اجرت سے کیا جائے۔ اس وقت سے (یہ قاعدہ قرار پایا کہ) باطنیوں (ملاحدہ) کے سردار (محتشم) اس عہدہ پر فائز ہونے کے بعد اپنی بیویوں کو اپنے پاس نہیں رکھتے تھے۔

سلطان محمد سلجوقی کا ملاحدہ پر حملہ اور وفات

جب حسن صباح کی حکومت کا غلبہ مضبوط ہو گیا اور اسے بڑا اقتدار حاصل ہو گیا تو اس کے استیصال کی غرض سے سلطان محمد بن ملک شاہ نے فوجیں اکٹھا کیں اور خواجہ نظام الملک (طوسی) کے بیٹے نظام الملک احمد کو اس لشکر کا سردار بنا کر ان کے خلاف روانہ کیا (یہ واقعہ ہے ۵۰۳ھ کا)۔ یہ لوگ الموت اور استاوند میں جو الموت کے قریب اندج رود کے کنارے پر ہے' مرکز بنا کر ایک عرصہ تک ملاحدہ سے جنگ کرتے اور ان کے غلہ جات کو تلف کرتے رہے حسن صباح جب اس مصیبت سے عاجز آ گیا تو لشکر (قلعہ) رودبار سے باہر نکل آیا۔ ملاحدہ کے قلعوں میں بڑا کال پڑ گیا تھا اور لوگ گھاس پات کھا کر پیٹ بھر رہے تھے۔ اس وجہ سے وہ لوگ اپنے بال بچوں کو مختلف مقامات پر بھیج رہے تھے۔ حسن صباح نے بھی اپنی بیوی اور بیٹیوں کو گرد کوہ بھیج دیا تھا۔ مسلسل آٹھ سال تک سلجوقی لشکر گرد کوہ آتا اور غلہ جات کو برباد کر دیتا تھا اور جانبین چوکنا اور ایک دوسرے کی نگرانی کرتے رہتے تھے جب سلاحقہ کو

معلوم ہو گیا کہ ملاحدہ کے پاس نہ تو سامان خوراک باقی رہ گیا ہے اور نہ لڑنے کی قوت تو ۵۱۱ھ میں اتابک نوشتگین شیرگیر کو امیر لشکر بنا کر حکم دیا کہ ملاحدہ کے قلعوں کا محاصرہ کریں انہوں نے یکم ماہ صفر کو لمسر کا اور ۱۱ ربیع الاول کو الموت کا محاصرہ کر لیا اور منجنیقیں نصب کر کے سخت جنگ شروع کر دی مگر اس سال کے ماہ ذی الحجہ میں جب کہ قریب تھا کہ ملاحدہ کے قلعوں پر قبضہ کر کے لوگوں کو ان کے فتنے سے نجات دلا دی جائے خبر آئی کہ سلطان محمد بن ملک شاہ نے اصفہان میں وفات پائی' اس خبر سے لشکر منتشر ہو گیا اور یہ ملاحدہ زندہ بچ گئے ذخائر' سامان جنگ اور ہتھیار جو اس لشکر نے اکٹھا کیا تھا وہ سب ملاحدہ اپنے قلعوں میں اٹھا لے گئے۔

سنجر کی ناکامی

چونکہ ہر کام کا ایک مقررہ وقت ہوتا ہے اور ہر حکومت کے خاتمہ کا ایک خاص زمانہ ہوتا ہے اس لئے سلطان سنجر سلجوقی ۱۸۰ اپنے بھتیجے سے اختلاف کے باعث ملاحدہ کا بروقت تدارک نہ کر سکا۔ جس سے انہوں نے بار دیگر زور پکڑ لیا۔ جب سلطان سنجر کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے ملاحدہ کے سدباب کی غرض سے قہستان پر فوج کشی کی اور سالہا سال لڑائیوں کے سلسلے جاری رہے۔ حسن صباح نے صلح کی نیت سے قاصد بھیجے مگر سلطان نے قبول نہ کیا آخر حسن صباح نے طرح طرح کی فریب کاریوں سے سلطان کے خواص کی ایک جماعت کو اپنا ہم نوا بنا لیا جو سلطان کی باتیں ملاحدہ تک پہنچا دیتے تھے۔ پھر سلطان کے خادموں میں سے ایک کو بھاری رقم دے کر اس کی خواب گاہ میں تخت کے قریب زمین میں خنجر گڑوا دیا۔ جب سلطان بیدار ہوا تو خنجر دیکھ کر ڈر گیا مگر چونکہ کسی پر تہمت نہیں رکھی جا سکتی تھی اس لئے اس بات کے پوشیدہ رکھنے کا حکم دیا۔ اس کے بعد حسن صباح نے قاصد بھیج کر پیغام دیا کہ اگر مجھے سلطان سے حسن ظن نہ ہوتا تو یہ خنجر جسے رات کے وقت سخت زمین میں گاڑا گیا سلطان کے نرم سینے میں بھی اتارا جا سکتا تھا سلطان اس بات سے ڈر گیا اور ملاحدہ سے صلح کر لینے پر آمادہ ہو گیا۔ الغرض اس مکر کے باعث سلطان سنجر نے ان کے دفعیہ سے احتراز کیا اور ان کا کام رو بترقی ہو گیا (کافی ترقی کر گیا)۔

ملاحدہ کو خراج کی ادائیگی

سلطان نے قومس کے خراج سے تین ہزار دینار ان ملاحدہ کے نام جاری کر دیئے اور اس بات کی اجازت دے دی کہ گردکوہ کے دامن سے گزرنے والے مسافروں سے وہ بدرقہ

(رہنمائی) اور خراج کے بطور ایک رقم وصول کریں اب تک اس رسم کے آثار باقی ہیں۔ سلطان سنجر کے منشورات (احکامات) میں سے جو چند ملاحدہ کے کتب خانے میں باقی رہ گئے ہیں ان سے ان کی تعریف و دل جوئی کا پتہ چلتا ہے اور سلطان کی سلامت طلبی و امن پسندی کا حال معلوم ہوتا ہے۔

حسن کی ہلاکت

القصہ یہ لوگ سنجر کے دور میں آسودہ مرفہ الحال رہے۔ حسن سنجر کے دور حکومت میں ماہ ربیع الاخر ۵۱۸ھ میں بیمار پڑا۔ لمسر (ل م م س ر) سے بزرگ امید کو بلا کر اپنا جانشین کیا۔ دہدار ابو علی اردستانی کو اس کے دست راست پر مقرر کر کے "دعوت دیوان بتخصیص" اس کے حوالہ کی اور حسن آدم قصرانی کو دست چپ پر اور کیابا جعفر کو کہ صاحب حبش (سپہ سالار) تھا بطور مقدمہ (پیش) میں مقرر کیا اور وصیت کی کہ جب تک امام اپنے ملک میں نہ آئے چاروں اشخاص اتفاق و مشورہ باہمی سے کام کرتے رہیں۔ حسن نے شب چہار شنبہ ۶ ربیع الاخر ۵۱۸ھ کو اللہ کی آگ یعنی نار جہنم اور دوزخ کی جانب جلدی کی۔

حسن کی خلوت گزینی

حسن صباح جس دن سے قلعہ الموت میں آیا وہاں اپنے پینتیس سال قیام کے دوران اس قلعہ سے نیچے نہ اترا اور جس مکان میں اس کا قیام تھا وہاں سے دو بار سے زیادہ باہر نہ نکلا وہ دو بار گھر کی چھت (بالا خانہ) پر گیا اور باقی اوقات میں اس مکان میں معتکف (خانہ نشین) کتابوں کے مطالعہ' اپنی بدعت کی بات کی توضیح اور اپنی مملکت کی تدبیر میں مشغول رہا۔

بزرگ امید رود باری ملحد اور اس کے بیٹے کی حکمرانی کا بیان کہ اللہ ان دونوں پر لعنت کرے

جب بزرگ امید اپنے دوسرے ساتھیوں کے ساتھ مسند حکومت پر متمکن ہوا تو بیس سال تک اس نے اس صباحی قاعدے کو منظم اور اس کی بنیاد کو مستحکم کیا (یعنی وہ بیس سال تک حکمراں رہا یہ مدت درست نہیں ہے کیونکہ وہ ۶ ربیع الاخر ۵۱۸ھ کو شیخ الجبل ہوا اور ۲۶ جمادی الاولی ۵۳۲ھ کو ہلاک ہو گیا۔ یہ مدت چودہ سال ایک ماہ اور بیس دن ہے۔)

چونکہ یہ سلطان سنجر کی حکومت کا زمانہ تھا کسی نے ان کے قلعوں کو مسمار کرنے اور ان کے گھروں کو منہدم کرنے کی کوشش نہ کی۔

خلیفہ مسترشد اور سلطان مسعود میں اختلافات

اس زمانہ میں امیر المومنین المسترشد باللہ اور سلطان مسعود سلجوقی کے درمیان کہ اپنے چچا سلطان سنجر کے نائب کی حیثیت سے عراق' ایران و آذربائیجان کا حاکم تھا' اختلاف پیدا ہوا۔ اس کا سبب یہ تھا کہ یہ دستور تھا کہ جو سلطان غالب و قوی ہوتا اس کا ذکر بغداد میں خطبہ میں خلیفہ کے بعد کیا جاتا تھا جیسا کہ آل بویہ کے زمانے میں ہوتا تھا۔ چونکہ بغداد کی مساجد کے منبروں پر سلطان مسعود کا نام نہیں لیا جاتا تھا اس نے بغداد پر فوج کشی کا فیصلہ کرلیا۔ خلیفہ المسترشد باللہ (کو اس کی اطلاع ہوئی) تو اس نے پیش قدمی کرکے سلطانی افواج پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنایا اور بغداد سے چل پڑا جب وہ لشکر کے ساتھ ہمدان کے نزدیک پہنچا تو سلطان مسعود دوسری جانب سے فوج لے کر مقابل ہوا۔ بغداد کے اہل لشکر میں سے ایک گروہ نے غداری کی اور سلطان کے لشکر سے آملا اس وجہ سے خلیفہ کا لشکر کمزور ہوگیا اور لشکر سلطان پہلے سے دوگنا ہوگیا۔ جنگ میں شکست کھا کر المسترشد باللہ اپنے وزیر اور تمام ارکان دولت کے ساتھ سلطان کے ہاتھوں اسیر ہوگیا۔ سلطان نے حکم دیا کہ خلیفہ کے لشکر میں سے کسی شخص کو کوئی گزند نہ پہنچے اور فوج صرف لوٹ مار پر قناعت کرے۔ اس مخاصمت میں جانبین کے پانچ نفوس سے زیادہ کام نہ آئے۔ سلطان مسعود نے خلیفہ کے ارکان دولت کو قلعہ میں مقید کردیا مگر سلطان نے خلیفہ کا احترام کیا اس کے ساتھ مراغہ تک گیا اور اس واقعہ کی اطلاع اپنے چچا سلطان سنجر کو دی مگر اتفاق ایسا ہوا کہ انہیں دونوں زلزلے اور بجلی گرنے کے واقعات متواتر پیش آئے اور سخت آندھیوں نے سارے خطہ کو تہس نہس کردیا۔ عوام نے اس بلائے ناگہانی کو اس واقعہ (یعنی خلیفہ کی اسیری) کا نتیجہ خیال کیا۔ سلطان سنجر نے مسعود کے پاس قاصد اور خطوط بھیجے کہ "امیر المومنین کی خدمت میں فوراً" جاکر معافی مانگے اپنی غلطیوں سے توبہ کرے اور یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلے کہ بجلیوں کا بار بار گرنا اور ایسی تند و تیز آندھیوں کا جسے کسی نے اب تک نہیں دیکھا بیس روز تک لگاتار چلتے رہنا اسی سبب سے ہے اور مجھے ڈر ہے کہ اس تشویش سے فوجیں اور مخلوق خدا مضطرب و بے قرار ہوں گی' اس غلطی کی تلافی کو واجب اور ضروری جانے۔" اس واقعہ سے سلطان سنجر کی خدا ترسی و خوش اعتقادی پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔

بہرکیف سلطان مسعود اس حکم کی بجا آوری کے لئے امیر المومنین کی خدمت میں گیا اور عذر و استغفار و اقرار گناہ کے بعد معافی مانگی۔ سلطان مسعود نے برکت (تیمن) کی خاطر

امیرالمومنین کا غاشیہ (زین) اٹھایا اور اس کی سواری کے ساتھ پاپیادہ اس کے سراپردہ تک جو اس نے نصب کیا تھا خود گیا۔ جب امیرالمومنین تخت پر متمکن ہوئے تو سلطان مسعود حامیوں اور نائبوں کی جگہ پر کھڑا رہا۔

سلطان سنجر نے دوبارہ قاصد بھیجا کہ امیرالمومنین کو بغداد جانے کا خیال ہو گا اس لئے اس بارے میں شایان شان انتظام کیا جائے۔ اس کی اطلاع کی غرض سے سلطان سنجر نے اپنے ایک معتمد اور (اعتبار کے آدمی) کو جو اس کے اہم مقربوں میں تھا' سلطان مسعود کے پاس روانہ کیا۔ سلطان مسعود اس قاصد کے استقبال کے لئے اٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ ملعون ملاحدہ کی ایک جماعت جو اس تاک میں تھی درگاہ خلافت کو لشکر و سپاہ سے خالی پا کر اچانک بارگاہ میں گھس گئی اور امیرالمومنین کو خنجر مار دیا یہ واقعہ ۱۷ ذی القعدہ ۵۲۹ھ کو پیش آیا۔ سلطان مسعود نے بڑا رنج کیا اور شایان شان مجلس تعزیت برپا کی۔ اور خلیفہ کو مراغہ کے اندرونی حصے میں دفن کر دیا۔ سلطنت سنجری کے بدخواہوں اور تنگ نظروں کا ایک گروہ اس حادثہ کو سلاجقہ کی جانب منسوب کرتا ہے۔ (یعنی خلیفہ کو سلطان کے حکم سے مار ڈالا گیا) مگر سلطان سنجر نے دین حنیف کی تقویت و اتباع میں جس حسن نیت کا اظہار کیا ہے اس کی بناء پر اس پر اس قسم کی تہمت نہیں لگائی جا سکتی۔

بزرگ امید کی موت

بہرکیف بزرگ امید جو جہالت کے صحراء میں ضلالت کے سرے پر بیٹھا ہوا تھا۔ ۲۶ جمادی الاولیٰ ۵۳۲ھ میں پائمال ہلاکت ہو گیا اور اس کے جثہ (جسم) کے ایندھن سے دوزخ گرم ہوا۔

محمد بن بزرگ امید

بزرگ امید کا بیٹا محمد جسے اس نے اپنی موت سے تین دن پہلے اپنا ولی عہد مقرر کیا تھا' اس کے طریقہ کا متبع ہوا۔ اس کے باپ کا گھناؤنا انجام خلیفہ المسترشد کے قتل پر ہوا اور اس کے کام کا مذموم آغاز المسترشد کے بیٹے خلیفہ الراشد ۔۸۳ کے قتل سے ہوا۔

الراشد کا قتل

اس کی کیفیت یہ ہے کہ جب الراشد مسند خلافت پر متمکن ہوا' کچھ لوگوں نے اسے خلافت سے ہٹانے کا ارادہ کیا مگر لوگوں کی بڑی تعداد اس کی بیعت پر قائم رہی وہ سلطان

مسعود کے ساتھ کئی بار جنگ کرنے کے بعد ملاحدہ پر حملہ کے پختہ ارادہ اور اپنے باپ کے خون کے انتقام کے عزم کے ساتھ بغداد سے روانہ ہوا۔ راستے میں بیمار پڑ گیا مگر اس کمزوری کی حالت میں بھی اس نے سفر جاری رکھا اور اصفہان پہنچ گیا۔ فدائیوں نے دفعتہً اس کی بارگاہ میں گھس کر اسے خنجر سے ہلاک کر دیا۔ وہیں اس کی تدفین عمل میں آئی۔ اس وقت سے عباسی خلفاء عوام سے حجاب میں رہنے لگے۔

محمد بن بزرگ امید کی ہلاکت

محمد بن بزرگ امید حسن صباح اور اپنے باپ کے مذہب کی اتباع میں اس کے قواعد (ارکان) کے استحکام میں لگا رہتا تھا۔ وہ اسلام کے رسوم کے قیام اور شرع کے التزام (پابندی) میں بھی ملاحدہ کے ظاہر کردہ طریقہ پر کاربند تھا وہ ۳ ربیع الاول ۵۵۷ھ میں فوت ہو گیا۔

محمد بن بزرگ امید کے بیٹے حسن کی ولادت کا بیان

حسن ۵۲۰ھ میں پیدا ہوا' جب حسن بلوغ کے قریب پہنچا تو اسے حسن صباح کے مذہب کے عقائد پر بحث اور ان کی تحصیل کی ہوس ہوئی اور اپنے اسلاف کے عقائد کی بحث و تعلیم میں منہمک ہو گیا' حسن نے دعوت اسماعیلیہ اور طریقہ صباحی کے لوازمات کی پوری اتباع کی۔ اور اس کے بیان میں بڑی مہارت پیدا کرلی۔ چونکہ اس نے ان کلمات میں صوفیوں کے مواعظ و نکات کی آمیزش کردی تھی۔ اور اپنی تخریجات (ایجادات) سے رطب و یابس کو اس قالب میں ڈھال لیا تھا' اس لئے اس کے خطابی اقوال اور ان جیسی دوسری باتوں سے عوام اور ناقص افراد سخت متعجب ہوتے تھے۔ حسن نے اپنے باپ محمد کے زمانہ میں ان باتوں سے اور دعوت اسماعیلیہ کی خوبیوں کو بیان کرکے اپنی سخن آرائی سے لوگوں کو بہت زیادہ اپنا گرویدہ کرلیا تھا۔ چونکہ اس کا باپ (محمد) اس طریقہ سے نابلد و ناواقف تھا' اس لئے اس کا بیٹا (حسن) اپنی ان فریب کاریوں اور ملمع سازیوں کے باعث اس سے کہیں زیادہ برتر دکھائی دینے لگا۔ اس وجہ سے اس کی گمراہی اور بڑھ گئی اور عوام میں اس کی اتباع کی خواہش پیدا ہو گئی چونکہ ان لوگوں نے اس کے باپ سے اس قسم کے مقالات نہ سنے تھے وہ اس شک میں پڑ گئے کہ جس امام کا حسن صباح نے وعدہ کیا تھا وہ یہی ہے۔ سو اس گروہ کی عقیدت اس سے اور زیادہ ہو گئی اور وہ اس کی پیروی میں بڑی عجلت سے کام لینے لگے۔

محمد کا حسن کی حرکات سے اظہار بیزاری

اس کے باپ محمد نے جب یہ حال سنا اور لوگوں کے خیالات سے اسے آگاہی ہوئی تو چونکہ وہ اپنے باپ (کیا بزرگ) اور حسن صباح کے مقرر کردہ قاعدوں کی پابندی میں جو کہ امام کی دعوت کے امور اور شعار اسلام کے اظہار سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑا سخت تھا اور اپنے بیٹے حسن کے طریقہ کو دعوت کے اصول سے دور و مختلف سمجھتا تھا اور اپنے بیٹے کی اس روش کا سخت انکاری تھا' اس نے لوگوں کو جمع کیا اور کہا "یہ حسن میرا بیٹا ہے اور میں امام نہیں ہوں بلکہ امام کے داعیوں میں سے ایک داعی ہوں۔ جو شخص اس بات کو کہ حسن امام ہے سن کر اس کی تصدیق کرے گا وہ کافر اور بے دین ہو جائے گا۔" اس بناء پر محمد بن کیا بزرگ نے ایک جماعت کو جس نے اس کے بیٹے حسن کی امامت قبول کرلی تھی' طرح طرح کے عذاب سے مثلہ کرا دیا (ٹکڑے ٹکڑے کروا دیا) اس نے اس (جرم) میں ایک ہی دفعہ میں دو سو پچاس آدمیوں کو الموت میں مروا ڈالا۔ اور دوسرے دو سو پچاس افراد کو جن پر یہی جرم عائد کیا گیا تھا' گرفتار کرکے قلعہ سے باہر نکلوا دیا (حسن کے پیرو) اس سبب سے خوف زدہ اور محتاط ہو گئے۔ حسن بھی اپنے دعوی' امامت پر اصرار سے خائف ہو گیا اور اپنے باپ سے ڈر کر اس سے تبراء (برائت) اور اس سے علیحدگی کے بارے میں مضامین لکھے اور جو لوگ اس کی امامت کا عقیدہ رکھتے تھے ان پر اس نے لعن طن کیا حسن نے اپنی امامت کے عقیدہ کے ابطال اور اپنے باپ کے مذہب کے اثبات و استحکام میں بڑا مبالغہ کیا اور اس پر رسالے لکھے جو اب تک اس جماعت میں مشہور ہیں حسن پوشیدہ طور پر شراب پینے میں مشغول رہتا تھا۔ اس کے باپ کو اس کی بھنک پڑی تو اس نے اس کا کھوج لگانے کی بڑی کوشش کی حسن نے اس تہمت سے اپنے کو بلطائف الحیل (طرح طرح کے حیلوں سے) بچایا اور یہ خیال اس کی باپ کے دل سے نکل گیا۔

ملاحدہ کے باطل عقائد

مگران کے بے دین گمراہ پیروکار جو شریعت اسلامیہ کے خاتمہ کے درپے تھے' حرام کے ارتکاب اور شراب پینے کو امام موعود کے ظہور کی علامت جانتے تھے۔ جب حسن خود اپنے باپ کا جانشین ہوا تو اس کے حامی و پیرو اس اعتقاد کے بموجب جو وہ اس کے بارے میں رکھتے تھے اور اسے امام سمجھتے تھے' اس کی تعظیم میں بڑا مبالغہ کرنے لگے۔ وہ جب حکومت پر بے شرکت غیرے قابض ہو گیا تو لوگوں کو اس ہذیان پر کسی قسم کی سرزنش نہ کی اور نہ کوئی سزا دی بلکہ اپنی تخت نشینی کے آغاز میں ہی وہ ان رسوم شرعی اور اسلامی قاعدوں کو جن کی

پابندی حسن صباح کے وقت سے وہ لوگ کرتے تھے مسخ و فسخ ہونے کو درست و صحیح قرار دیا اور ان قدیم رسوم شرعیہ میں تغیر و تبدل کرنے لگا۔

شریعت کے ابطال کا اعلان

۵۵۹ھ کے رمضان میں حسن نے حکم دیا کہ قلعہ الموت کے دامن میں (باہر کے میدان میں) منبر بنائیں جس کا رخ اہل اسلام کے قاعدے کے برخلاف قبلہ کی جانب تھا۔ جب ۱۷ر رمضان کا دن آیا تو اس نے اپنے ملک کے باشندوں کو جنہیں اس نے اس دن الموت میں جمع کیا تھا حکم دیا کہ اس میدان میں جمع ہوں۔ چار بڑے علم جن کے رنگ سپید' سرخ' سبز اور زرد تھے اور جنہیں اس دن کے لئے تیار کرایا گیا تھا' منبر کے چاروں ارکان میں نصب کئے گئے۔ حسن منبر پر بیٹھا اور ان بدبختوں پر جو اس کے بہکانے اور گمراہ کرنے کی وجہ سے شقاوت و نقصان کی سمت متوجہ ہوئے تھے' ایسا ظاہر کیا کہ قابل مذمت پیشوا یعنی امام موہوم کی جانب سے' جو مفقود و غیر موجود تھا' خفیہ طور سے اس کے پاس آدمی پہنچا ہے اور ان کی اصطلاح و تعبیر کے مطابق ان کے فاسد عقائد کے اصول کی تمہید و تنظیم سے متعلق خطبہ دستاویز لایا ہے۔ صحیح سمت سے ہٹے ہوئے منبر پر بیٹھ کر حسن نے اپنے گمراہ و باطل مذہب کے معاملہ پر اس مضمون کا ایک خطبہ دیا کہ "ان کے امام نے مسلمانوں اور ان پر رحمت و سکون کے دروازے کھول دیئے ہیں' ان کے لئے ترحم و مہربانی (کا پیغام) بھیجا ہے' انھیں اپنا خاص منتخب غلام کہا ہے' شریعت کے فرائض' ذمہ داریوں اور رسوم کو ان سے اٹھا لیا ہے اور انہیں قیامت میں پہنچا دیا ہے۔"

حسن کا خطبہ

بعد ازاں حسن نے عربی زبان میں ایک خطبہ' جس کے تمام مطالب و معانی جھوٹ' فریب اور خرافات تھے اور اکثر الفاظ غلط پست اور خطائے فاحش تھے اور جس کی عبارتیں الجھی ہوئی اور ژولیدہ تھیں' یہ کہہ کر پڑھا کہ ان کے معدوم امام کی یہ نامعلوم باتیں ہیں۔ اس نے اپنے جاہل و گمراہ متبعین میں سے ایک شخص کو جو عربی زبان سے واقف تھا۔ ان مردود مطالب و ناپسندیدہ الفاظ کو فارسی زبان میں حاضرین سے بیان کرنے کے لئے کھڑا کیا۔ خطبہ کا مضمون یہ تھا۔ "حسن بن محمد بن بزرگ امید ہمارا خلیفہ (جانشین و نائب) حجت اور داعی ہے۔ ہمارے شیعہ دینی و دنیاوی امور میں اس کے مطیع و تابع رہیں۔ اس کے حکم کو ہمارا حکم جانیں اور اس کے قول کو ہمارا قول سمجھیں اور جان لیں کہ ہمارے مولا (امام) نے (ان کے

منہ میں خاک) اسماعیلیوں پر رحم کیا اور انہیں اپنی رحمت کی جانب بلایا اور خدا تک پہنچایا اور اس سے جا ملایا ہے۔"

حسن نے اس طرح کے دعوے، مکر، فضیحتیں اور لادینی کی قبیح باتیں جو شرع میں نام۔لوم اور عقل میں ناپسندیدہ ہیں پڑھ کر سنائیں اس گھٹیا خطبہ کے پڑھنے اور ناروا باتوں کے بیان کرنے کے بعد وہ منبر سے اترا دو رکعت نماز عید ادا کی، دستر خوان بچھوایا، لوگوں کو سامنے بلایا کہ افطار کریں، سو لوگوں نے افطار کیا۔ یہ سارے افعال عید کی رسومات کے بطور لہو و لعب و منہیات شرعیہ کے ارتکاب اور اظہار طرب و نشاط کے ساتھ انجام پائے۔

عید قیام

حسن نے اس دن کو عید کا دن قرار دیا چنانچہ اس وقت سے ملاحدہ ۱۷ رمضان کو عید قیام کہتے ہیں ان میں سے اکثر اس روز شراب نوشی میں انہماک اور کھیل کود کا مظاہرہ کرتے ہیں وہ اس بے شرمی و پردہ دری سے اپنے درمیان مقیم مسلمانوں سے اپنی عداوت و دشمنی کا اظہار کرتے ہیں۔

حسن نے اپنی بدسیرتی کو جو بصیرت کے لئے گمراہ کن تھی اس فصل (تقریر) اور خطبہ کے دوران ایسا ظاہر کیا ہے کہ وہ امام کی جانب سے حجت اور داعی ہے یعنی اس کا قائم مقام و نائب ہے حالانکہ وہ خود محمد بن بزرگ امید کا بیٹا تھا کیونکہ ان کے قلعوں کے دروازوں دیواروں کے کتبوں اور تحریروں کے عنوانوں پر غرض ہر جگہ یہی لکھا ہے کہ وہ حسن بن محمد بن بزرگ امید ہے۔ مگر اس کے بعد ان جاہلوں اور گمراہوں کے دوسرے اقوال کی طرح جو کہ سب کے سب مکر و فریب ہیں اور اس ضرب المثل کے مصداق ہیں کہ ان کے دل میں کچھ ہے اور زبان پر کچھ (وہ کہنا کچھ چاہتے ہیں اور ظاہر کچھ اور کرتے ہیں۔) انھوں نے اس سے انکار کیا۔

حسن کا دعویٰ امامت

حسن اپنے تحریر کردہ بے اصول فصول و مقالات میں جنہیں وہ لکھتا تھا اور اپنے غیر مہذب مذہب کی توضیح کے دوران بار بار اشارۃ" اور کبھی کبھی بہ تصریح ایسا ظاہر کرتا تھا کہ ہر چند کہ وہ بظاہر محمد بن بزرگ امید کا بیٹا جانا جاتا ہے، لیکن حقیقت میں وہ امام ہے، امام کا بیٹا ہے اور نزار بن المستنصر کی اولاد سے ہے۔

قہستان میں حسن کی امامت کا اعلان

چنانچہ جس وقت اس نے اپنی دعوت قیام (قیامت کا پیغام) نشانات (یعنی چار علموں) کے ساتھ قہستان بھیجا کہ وہاں بھی اس کی تشہیر کی جائے تو اس نے اس بات کا (کہ وہ نزار کی نسل سے ہے) صراحت سے ذکر کیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ رئیس مظفر جو قہستان کا حاکم اور اس کا نائب تھا اس کے پاس حسن نے محمد خاقان نامی شخص کے ہاتھ اس خطبہ دستاویز اور مقالہ (کی ایک نقل) جس کا بیان پہلے گزر چکا ہے' لوگوں کے سامنے پڑھنے اور اعلان کی غرض سے روانہ کی۔ رئیس مظفر نے ۲۸ھ ذوالقعدہ ۵۵۹ھ کو اپنے قلعہ میں کہ ان کے الحاد و کفر کا منشا (گڑھ) تھا اور جسے مومن آباد کہتے تھے' ایک منبر اس انداز میں صحیح سمت سے کج نصب کر دیا جیسا کہ اس کے رسوائے زمانہ امام نے الموت میں نصب کر دیا تھا۔ اس منبر پر بیٹھ کر رئیس مظفر نے اس خطبہ' دستایز اور مقالہ کو پڑھا اور محمد خاقان نے منبر کے دوسرے پایہ پر کھڑے ہو کر حسن کی زبان سے پیغام سنایا کہ "مستنصر نے اس سے پہلے الموت میں پیغام بھیجا تھا کہ لوگوں کے درمیان خدا کا خلیفہ (نائب) ہمیشہ رہنا چاہئے اور اس خلیفہ کا بھی ایک خلیفہ ہونا چاہئے۔ آج خدا کا خلیفہ میں ہوں اور میرا خلیفہ حسن صباح ہے۔ اگر لوگ اس کا حکم بجا لائیں گے۔ اور اس کی اتباع کریں گے تو وہ میرا کہ مستنصر ہوں' فرمان بجا لائیں گے۔ آج میں کہ حسن ہوں یہ کہتا ہوں کہ روئے زمین پر خدا کا خلیفہ (نائب) میں ہوں۔ اور میرا خلیفہ یہ رئیس مظفر ہے۔ لوگوں کو چاہئے کہ اس کا حکم بجا لائیں۔ اور وہ جو کچھ کہے اسے اپنا دین سمجھیں۔" جس دن مومن آباد کے دارالحاد میں اس بے شرمی کا افشاء اور اس برائی کا اعلان ہوا' اس منبر کے نیچے اس مجمع میں چنگ و رباب بجائے گئے اور برملا شراب پی گئی۔

حسن کے نسب سے متعلق پہلی روایت

ان مجہول نادانوں اور مخذول (بے شرم) باطل پرستوں کے ہاں حسن کی بے بود ولادت اور اس کے نزار کی نسل کے ایک فرضی مدعی کی جانب مطعون انتساب سے متعلق دو روایتیں ہیں۔ یہ دونوں روایتیں بلکہ گمراہی کی یہ دونوں باتیں اس قول کے مصداق کہ محال پر جو بات مبنی ہوتی ہے وہ بھی محال ہی ہوتی ہے محال و بعید از حقیقت ہیں۔ اس میں سب سے مشہور توجیہ جس پر اکثر ملاحدہ کا اعتقاد ہے' یہ ہے کہ مصر سے ایک شخص قاضی ابوالحسن صعیدی جو مستنصر کے مقربوں اور بااعتماد لوگوں میں تھا مستنصر کی وفات سے ایک سال بعد ۴۸۸ھ میں حسن صباح کے پاس الموت آیا۔ اس نے یہاں چھ ماہ قیام کیا اور اس سال رجب کے مہینے میں مصر واپس چلا گیا۔ حسن صباح اس شخص کی تعظیم و توقیر میں بڑا مبالغہ کرتا

تھا۔ یہ شخص نزار کی نسل کے ایک لڑکے کو چھپا کر الموت لایا اور اس راز کا حسن صباح کے سوا کسی سے ذکر نہ کیا۔ اس لڑکے کو الموت کے زیر قلعہ میں واقع ایک گاؤں میں ٹھہرایا گیا۔ اس میں یہ حکمت ازلی تھی کہ امامت کا مرکز مصر سے دیلم کے علاقے میں منتقل ہونا تھا اور دعوت قیامت کا اعلان و اظہار بھی الموت میں ہونا تھا۔ (المختصر) وہ لڑکا جو مصر سے الموت آیا تھا یا اس کا بیٹا جو الموت کے علاقے میں پیدا ہوا تھا اور لوگوں کو اس حقیقت کا علم نہ تھا، محمد بن بزرگ امید کی بیوی سے اس نے زنا کی جس سے اس عورت کے حمل ٹھہر گیا۔ چونکہ یہ نامبارک ولادت محمد بن بزرگ امید کے گھر میں ہوئی تھی محمد نے بھی اور اس کے پیروؤں نے بھی یہی سمجھا کہ یہ نومولود (حسن) اسی (محمد) کا بیٹا ہے۔ حالانکہ حسن خود امام اور امام زادہ تھا۔ اسماعیلیوں کے نزدیک درست تر و مناسب تر روایت یہی ہے اور ان کے جمہور کا اسی پر ایمان ہے۔ یہ بات طرح طرح کی رسوائی و ذلت پر مبنی ہے۔ اول یہ کہ جس بچے (حسن) کی امامت کے وہ قائل ہیں وہ حرامزادہ اور ولد الزنا تھا۔ دوم یہ کہ حسن کے اس فرضی نسب کا اثبات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کے صریحاً خلاف ہے کہ الولد للفراش و للعاھر الحجر۔۸۵ (یعنی بچہ اس کا ہے جس کے بستر پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہے)۔ سوم یہ کہ اسماعیلیوں نے اس سقیم و نادرست امر کی تصحیح و درستی کی خاطر انبیاء و رسل کے حالات سے اسے تشبیہہ دی اور پاک پیغمبروں کے بارے میں اس قسم کی شرم ناک بات گڑھی۔ یہ بہت بڑی مصیبت اور آخرت میں محرومی و بدبختی کا سبب ہے۔ ان اسماعیلیوں کا کہنا ہے کہ حسن کا محمد بن بزرگ امید کی جانب یہ انتساب بالکل اسی طرح ہے جس طرح کہ حضرت اسماعیل ذبیح اللہ کا انتساب حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی جانب تھا کیونکہ اسماعیل دراصل ملک السلام کے بیٹے تھے (نہ کہ ابراہیم کے) اس ملک السلام کا ذکر توریت میں "ملخیزواق ملخ شولیم" کے نام سے آیا ہے (اس کا عربی میں ترجمہ ملک الصدق یا ملک السلام ہے) یہ شخص اس گمراہ گروہ کے زعم میں اس کے اماموں میں سے تھا اسماعیل اس کے بیٹے تھے مگر لوگ انہیں حضرت ابراہیم کا بیٹا سمجھتے تھے۔ اس دعویٰ کی بنیاد پر اسماعیلیوں کے نزدیک حضرت اسماعیل امام ہوئے حضرت ابراہیم نہیں۔

نسب کی دوسری توجیہ

(حسن کے انتساب کی) دوسری توجیہہ جس پر بزرگ امید کی اولاد و اقارب یعنی الموت کے نواح کے خواص کا ایمان تھا، یہ ہے کہ محمد بن بزرگ امید کے ہاں الموت کے قلعہ میں ایک بیٹا پیدا ہوا، اسی روز اس امام مجہول کے ہاں جس کا کوئی وجود نہ تھا الموت کے زیر قلعہ ایک گاؤں میں یہ حسن بطن مادر سے تولد ہوا۔ اس کے تین دن بعد ایک عورت الموت کے

قلعہ میں آئی اور محمد بن بزرگ امید کے گھر میں داخل ہو گئی۔ کئی اشخاص نے دیکھا کہ اس عورت کے پاس چادر میں کوئی چیز تھی' وہ اس جگہ جہاں محمد بن بزرگ امید کا بیٹا سو رہا تھا' بیٹھ گئی۔ اس وقت حکمت خداوندی سے کوئی اور شخص وہاں موجود نہ تھا۔ اس عورت نے حسن کو جو امام کا بیٹا تھا' اس جگہ رکھ دیا اور محمد بن بزرگ امید کے بیٹے کو چادر میں چھپا کر وہاں سے چلی گئی۔ یہ دوسری توجیہہ پہلی توجیہہ سے بھی زیادہ رسوا کن اور لغو ہے۔ کہ ایک اجنبی عورت بادشاہ کی حرام سرا میں داخل ہو جائے اور بادشاہ کے بچے کے قریب کوئی نہ ہو کہ وہ غیر کے بچے کو اس کی جگہ رکھ کر بادشاہ کے بچے کو اٹھا کر یوں چلتی بنے کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ اور اس کے بعد باپ' ماں' دایہ' ملازمین اور خدمت گاروں میں سے کسی کو غیر کے بچے اور اپنے بچے کی صورت میں فرق و تفاوت کا پتہ نہ چلے اور کوئی اسے پہچان نہ سکے۔ یہ توجیہہ بے شبہ عقل و حس اور عرف و عادت کے خلاف ہے۔ اسماعیلی اس دوسری توجیہہ کی تصدیق میں حسن کے بیٹے محمد بن حسن سے یہ روایت کرتے ہیں کہ حسن' محمد بن بزرگ امید کا اسی طرح بیٹا تھا جس طرح اسماعیل حضرت ابراہیم کے بیٹے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ حضرت ابراہیم کو اس بات کا علم تھا کہ حضرت اسماعیل ان کے بیٹے نہیں' بلکہ امام کے بیٹے ہیں۔ حضرت ابراہیم اور ملاحدہ واق کے بچوں کی یہ تبدیلی حضرت ابراہیم کے علم و رضا سے عمل میں آئی تھی اور یہ راز ان سے مخفی نہ تھا مگر محمد بن بزرگ امید اس راز سے ناواقف تھا سو وہ حسن کو جو امام تھا اپنا بیٹا سمجھ بیٹھا۔

محمد بن بزرگ امید پر قتل امام کا الزام

وہ اسماعیلی جو پہلی روایت پر اعتقاد رکھتے ہیں' ان کا بیان ہے کہ محمد بن بزرگ امید کو بیٹے (حسن) کی ولادت کے بعد یہ بات معلوم ہو گئی کہ یہ بچہ اسکا نہیں ہے اور اس شخص نے جسے یہ گمراہ گروہ اپنا امام مانتا تھا' اس کی بیوی کے ساتھ زنا کی ہے' سو اس نے خفیہ طور سے اسے مروا ڈالا۔ اس بدگمانی کی وجہ سے کہ محمد بن بزرگ امید نے امام کو قتل کرا دیا تھا اور نیز اس لئے کہ وہ حسن بن صباح کے مذہب کے اصول پر جو عین رسوائی تھا' نہایت سختی سے کار بند تھا' اسماعیلی اس کے خلاف ہیں اور اکثر اس پر لعنت بھیجتے ہیں وہ اس کی قبر کی زیارت کو' جو حسن بن صباح' بزرگ امید اور دہدار بو علی اردستانی کے پہلو میں ہے' روا نہیں رکھتے اور اس کا احترام جائز نہیں سمجھتے۔

حسن کے نسب کا بیان مزید

اکثر ملاحدہ اس حسن اور نزار کے درمیان آباء کی تعداد میں دو گروہوں میں بٹ گئے

ہیں اور مختلف الخیال ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ حسن و نزار کے درمیان تین آباء (نام) ہیں اور چونکہ ان تینوں کے نام معلوم نہیں ہیں' اس لئے محض ان کے القاب سے انہیں موسوم کرتے ہیں۔ اس طرح حسن بیٹا ہے القاہر بقوۃ اللہ کا اور وہ بیٹا ہے المہتدی کا اور یہ بیٹا ہے الہادی کا جو المصطفی نزار بن خلیفہ المستنصر باللہ کا بیٹا ہے (یعنی حسن بن القاہر بقوۃ اللہ بن المہتدی بن الہادی بن مصطفیٰ نزار بن المستنصر) دوسرے گروہ کا یہ دعویٰ ہے کہ حسن اور نزار کے مابین دو آباء سے زیادہ نہیں ہیں۔ اور القاہر بقوۃ اللہ خود حسن کا لقب ہے۔ یہ لوگ اس نسب کو یوں بیان کرتے ہیں کہ حسن بیٹا ہے المہتدی کا اور وہ بیٹا ہے ہادی کا جو نزار کا فرزند ہے (یعنی حسن بن المہتدی بن ہادی بن مصطفیٰ نزار بن المستنصر باللہ)۔

حسن علی ذکرہ السلام

ملاحدہ کے اس گروہ میں اس حسن کی شہرت "علی ذکرہ السلام" کے لقب سے ہے۔ اس شخص کے لئے یہ لقب ابتداء میں بطور دعاء ہو گا جسے اس کے حین حیات وہ لوگ آپس میں کہتے ہوں گے۔ اس کے بعد اس لقب کی اتنی شہرت ہوئی کہ اسے اس کے سوا کسی اور نام سے وہ لوگ پکارتے ہی نہیں۔

ملاحدہ کے عقائد

فی الجملہ اس بے فائدہ مذہب کا ماحصل اور اس سراسر شر دعوت کا راز یہ تھا کہ فلاسفہ کی طرح عالم کو قدیم کہتے تھے' زمانہ کو لامتناہی اور معاد (بعث بعد الموت) کو روحانی سمجھتے تھے۔ بہشت و دوزخ اور جو کچھ ان میں ہے ان کی یہ تاویل کرتے تھے کہ وہ سب روحانی ہیں۔ وہ اس بناء پر یہ کہتے تھے کہ قیامت بھی اس وقت برپا ہو گی جب مخلوق' خدا تک پہنچ جائے اس کی حقیقت سے آگاہ ہو جائے کائنات کے بواطن (پوشیدہ چیزیں) و حقائق (اصلیت' حقیقت) ظاہر ہو جائیں اور اعمال طاعت (عبادت) مرتفع ہو جائیں (اٹھا لئے جائیں) (کیونکہ عالم دنیا سر تا سر عمل ہے اور آخرت سب کی سب حساب و جزاء ہے۔ اور یہ حساب روحانی ہے۔ وہ قیامت جس کا تمام ملل و مذاہب میں وعدہ کیا گیا ہے اور جس کا انتظار ہے وہی ہے جس کا حسن نے اعلان و اظہار کیا اور یوں شریعت کی پابندی (تکالیف شرعی) لوگوں سے اٹھا لی گئی ہے کیونکہ اس دور قیامت میں سب کو تمام وجوہ سے اللہ کی جانب متوجہ ہونا چاہئے اور شریعت کی رسوم و عبادت موقت (وقت کی پابندی کے ساتھ عبادات گزاری) کو ترک کر دینا

چاہئے اسماعیلیوں کی شریعت کے مطابق رات دن میں پانچ بار خدا کی عبادت کرنے اور خدا کا ہو جانے کا حکم دیا گیا تھا اور یہ تکلیف ظاہری تھی۔ مگر دور قیامت میں ہمیشہ خدا کے وجود کا اقرار اور اپنے نفس کو برابر خدا کی جانب متوجہ رکھنا نماز حقیقی ہے۔ اسی طرح انہوں نے شریعت کے تمام ارکان اور اسلام کی رسوم کی تاویل کی انہوں نے ان کے تظاہر (ظاہرا" عبادات و رسوم کی بجا آوری) کو مرتفع سمجھا اور اکثر حرام و حلال (کے فرق) کو اٹھا دیا۔ حسن نے متعدد مقامات پر کبھی صراحت کے ساتھ اور کبھی کنایہ کے بطور بیان کیا ہے کہ جس طرح دور شریعت میں اگر کوئی طاعت و عبادت بجا نہ لائے اور دور قیامت کے حکم پر عمل کرتے ہوئے طاعت و عبادت کو روحانی سمجھے تو اسے سزا دینی اور سنگ سار کر دینا چاہئے اسی طرح اگر کوئی دور قیامت میں دور شریعت کے حکم پر چلتے ہوئے عبادت اور جسمانی رسوم کی ادائیگی کی پابندی کرے، تو اسے سزا دینا، مار ڈالنا، سنگ سار کر دینا اور عذاب دینا نہایت ضروری ہے۔ اس خرافات کے طریقے کی وجہ سے یہ اسماعیلی اس حد تک گمراہ ہوئے کہ اباحت کے چکر میں پھنس گئے۔ ان کے غلاۃ (غالی، متعصب، متشدد) یا تو نادانی سے یا دانستہ اباحت کے قائل ہو گئے) اور ان میں سے ایک گمراہ جماعت نے اپنے گروہ ائمہ کے بارے میں الوہیت (خدائی) کا دعویٰ کیا جبکہ یہ (ائمہ) چوپایوں درندوں اور حشرات الارض (کیڑے مکوڑوں) سے بھی زیادہ گھٹیا تھے۔

ملاحدہ کے ملک سے مسلمانوں کی نقل مکانی

جب ملاحدہ نے ان بدعات والحاد کو جائز قرار دیا تو ان علاقوں میں آباد ایسے لوگ جو عقل مند تھے اور نور بصیرت کا سایہ ابھی ان کے دلوں پر پڑتا تھا، ان گمراہوں کے درمیان رہائش ترک کر کے خفیہ و علانیہ مسلمانوں کے علاقوں میں اٹھ آئے خصوصا" قہستان کا علاقہ جہاں سے لوگوں کی بڑی تعداد ہجرت کر کے خراسان چلی گئی۔ ایسے لوگ جن میں ہجرت کی طاقت نہ تھی یا جو اپنے گھر بار کو چھوڑنا نہیں چاہتے تھے اپنی بد بختی کے باعث بدنامی اور الحاد سے موسوم کئے جانے پر راضی ہو گئے۔ یہ لوگ دل سے مسلمان تھے اور جب ممکن ہوتا خفیہ طور سے شریعت کے اوامر و نواہی کی پابندی کرتے تھے یوں قرآن مجید کے مطابق ان میں کچھ ہدایت یافتہ تھے لیکن ان کی اکثریت فاسق و بدکار تھی۔

حسن کا قتل

اس بے ہودہ عقد (اعلان قیامت) کی وجہ سے اسماعیلی حسن بن محمد بن بزرگ امید کو،

کہ ان کے بقول علی ذکرہ السلام تھا' "قائم قیامت" اور اس کی دعوت کو "قیامت" کہتے تھے۔ ان لوگوں میں جن کے ضمیر کے مشام میں خدا ترسی وایمان داری کی خوشبو پہنچی تھی حسن کی بیوی کا ایک بھائی بھی تھا جس کا نام حسن بن نام آور تھا یہ شخص دیار دیلم کے بویہیوں کی نسل سے تھا۔ وہ ان بے شرمی کی باتوں (فضائح) اور گمراہیوں (اضالیل) کے افشاء و اظہار پر صبر نہ کرسکا' اللہ اس پر رحم کرے اور اس کی حسن نیت کا اسے نیک اجر دے' اس نے یک شنبہ' ۶ ربیع الاول ۵۶۱ھ کو گمراہ کن و گمراہ حسن کو قلعہ لمسر میں چھری مار کر ہلاک کر دیا اور وہ دنیا سے دوزخ کی جلتی ہوئی آگ کی طرف چلا گیا۔

محمد بن حسن

حسن کا بیٹا محمد' جس پر گزرے ہوئے بدبخت "شقی ماضی" نے گمراہی کا حکم (حکم ضلالت) اور بزعم ملاحدہ "نص امامت" کر رکھی تھی' ۱۹ سال کی عمر میں باپ کا جانشین ہوا۔ اس نے حسن بن نام آور کو اس کے تمام قرابت داروں مردوں' عورتوں اور بچوں سمیت کہ اس دیار میں قبیلہ بویہ کے باقیات سے تھے' بڑے عذاب سے ٹکڑے ٹکڑے کرکے مروا ڈالا۔

یہ نام کا محمد (ستودہ صفات) اور اپنے اعمال میں مذمم (قابل مذمت و مذموم) اس بدعت کے اظہار و اعلان میں جسے اسماعیلیہ دعوت قیامت کہتے تھے اور جس کا لازمی نتیجہ اباحت تھی اپنے باپ سے زیادہ غالی (متشدد) تھا اور اسی طرح امامت کے اظہار میں بھی اس سے بڑھ کر واضح و صریح تھا' ہر چند کہ وہ علم فلسفہ اور تمام علوم سے بے بہرہ و ناواقف تھا حکمت و فلسفہ کے جاننے کا دعویٰ کرتا تھا اس نے جو چند بے سلیقہ' فصلیں اور بے ترتیب اصول تحریر کئے ہیں' بقول خود اس نے ان میں فلاسفہ کی اصطلاحات درج کی ہیں اس نے حکماء کے انداز میں نکات بیان کرکے اپنے بازار کو رونق دی۔ اور تفوق و برتری حاصل کی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ شخص جو ایسی چیز سے اپنے کو آراستہ کرے جو اس میں نہ ہو تو وہ اس کے مانند ہے جس نے مکر کے لباس پہن رکھے ہیں۔ اس (محمد) کے عربی زبان و ادب' حکمت و فلسفہ' تفسیر و اخبار و امثال و اشعار کے الفاظ و معانی میں سے اکثر جن کی ایجاد و تخلیق کا اس نے دعویٰ کیا ہے۔ تحریف' خرافات' غلط اور دوسروں سے اڑائے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کی اس آیت کے مصداق کہ اللہ سرکشی میں کفار کی رسی ڈھیل دیتا ہے۔ اس محمد نے اپنی مملکت پر چھیالیس سال تک بادشاہی کی۔ اس کے عہد میں ملاحدہ نے بہت زیادہ ناحق خون بہایا' بڑے فتنے اٹھائے' کثرت سے فساد کئے' بہت سارا مال لوٹا' ڈاکے ڈالے اپنے الحاد پر حد درجہ مصر رہے اور کفر کے قائدہ پر ثابت قدم اور پختہ رہے۔

جلال الدین حسن کا حسن اعتقاد

اس کے کئی بیٹے تھے۔ ان میں سب سے بڑا حسن تھا جسے جلال الدین کے لقب سے پکارتے تھے۔ یہ ۵۶۲ھ میں پیدا ہوا۔ بچپنے میں ہی اس کے باپ نے اس پر قائم مقامی کی نص کی تھی اور اسے اپنا جانشین مقرر کیا تھا۔ جب وہ بڑا ہوا اور عقل کے آثار اس میں ظاہر ہوئے تو اس نے باپ کے طریقہ کا انکار کیا اور الحاد و اباحت کی رسوم کو پلید و ناپاک سمجھ کر ان سے کراہت کی۔ اس کے باپ نے اس بات کو بھانپ لیا جس سے ان کے درمیان ایک طرح کا عناد پیدا ہو گیا اور دونوں ایک دوسرے سے خائف و محترز و محتاط رہنے لگے۔ دربار و عام اجتماعات کے موقعوں پر جب جلال الدین حسن شرکت کرتا تو باپ (محمد) اس کے خوف سے اپنے کپڑوں کے نیچے زرہ پہنتا تھا اور اپنے قابل اعتماد ملاحدہ کو جو عقائد میں حد درجہ غالی و متشدد تھے اپنی جان کی حفاظت کی غرض سے اپنے ساتھ رکھتا تھا۔

جلال الدین جس نے یا تو حسن اعتقاد کے باعث یا باپ سے عداوت کے سبب اپنے باپ سے چھپا کر خلیفہ بغداد اور دوسرے ممالک کے سلاطین وملوک کی خدمت میں اپنے ایلچی بھیجے اور اس بات کا اظہار کیا کہ وہ اپنے باپ کے برخلاف عقیدہ میں مسلمان ہے اور باپ کے بعد وہ حکمران ہو گا تو الحاد کو ختم کر کے اسلام کے طریقے کو منظم و مرتب کرے گا۔ اس نے (بادشاہان اسلام سے) اسی طرح کے اتحاد و یگانگی کے روابط استوار کر لئے۔

محمد کی موت

نامحمود (ناپسندیدہ) محمد اور مطرود (راندہ) مقتدیٰ و پیشوا دس ربیع الاول ۶۰۷ھ کو مر گیا۔ بعض (مورخین) کا خیال ہے کہ اسے زہر دیا گیا تھا۔

جلال الدین حسن کا دور حکومت اور اظہار اسلام

محمد کے بعد اس کا بیٹا جلال الدین حسن "کہ ولی عہد تھا" اس کا جانشین ہوا۔ اس نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے اسلام کا اظہار کیا اور اپنی قوم ومتبعین کو زجر و توبیخ (ڈانٹ پھٹکار) کر کے الحاد سے منع کیا' انہیں اسلام کو لازم پکڑنے اور شریعت کی پیروی پر مجبور کیا اس نے (اپنے اسلام کے سلسلہ میں) خلیفہ بغداد (ناصرلدین اللہ ۸۷) ' سلطان محمد خوارزم شاہ ۸۸ و نیز عراق اور دوسرے اطراف کے ملوک و امراء کے پاس ایلچی روانہ کئے۔ چونکہ اس نے اپنے باپ کے دور حکومت میں امرائے اسلام کے ساتھ اتحاد کی تمہید کی تھی اور اطراف و جوانب میں اپنے اسلام کی اطلاع دی تھی اس لئے لوگوں (امراء و سلاطین) نے اس کی بات کی تصدیق کی خصوصاً" دارالخلافت (بغداد) کی جانب سے اس کے اسلام کی

تصدیق کی گئی اس پر عنایتیں کی گئیں۔ اس کے ساتھ خط و کتابت کا راستہ کھولا گیا۔ اور اس کو عزت و احترام کے القاب سے نوازا گیا۔ اس قابل تعریف عمل کی وجہ سے تمام بلاد اسلامیہ کے ائمہ نے اس کے اور اس کی قوم کے اسلام (مسلمان ہونے) کا فتویٰ دیا۔ اس کے ساتھ تعلقات قائم کرنے' اتحاد کرنے اور شادی بیاہ کرنے کی اجازت دی۔ وہ جلال الدین نو مسلمان کے نام سے مشہور ہوا اور لوگ اس کے زمانے میں اس کے پیروؤں کو نو مسلمان کہتے تھے۔

شعائر اسلام کا احیاء

جلال الدین حسن نے اپنے زیر نگیں علاقوں میں مساجد تعمیر کرائیں۔ خراسان و عراق سے فقہاء کو اپنے ہاں بلایا اور ان کی عزت افزائی کی یہ لوگ اس کے ملک میں قضاء' خطابت اور ان جیسی دوسری دینی خدمات انجام دینے لگے۔

اہل قزوین سے تعلقات

(مگر) قزوین کے باشندے کچھ تو اس لئے کہ وہ اسلام کے سختی کے ساتھ پابند اور بڑے متدین مسلمان تھے اور کچھ اس لئے کہ (ملاحدہ) کے پڑوس اور قربت کی بناء پر ان کے مکرو فریب سے (دوسروں کی بہ نسبت) زیادہ واقف تھے' ان کے ہاتھوں تکلیفیں اٹھاتے اور نقصانات برداشت کرتے رہتے تھے' فریقین کے درمیان (بارہا) لڑائیاں ہو چکی تھیں اور دلوں میں دشمنی بیٹھ گئی تھی' شروع شروع اس کے اور اس کی قوم کے اسلام کو ماننے کے لئے تیار نہ ہوئے ان کے اسلام پر یقین کرنے سے انکار کر دیا ان کے قاضیوں اور اماموں نے (ملاحدہ) کے بارے میں جانچ پڑتال اور غور و فکر کیا اور ان کے دعویٰ اسلام پر دلائل و بینات مانگی۔ جب (اہل قزوین نے) دارالخلافہ اور دیگر اسلامی شہروں کے ائمہ کے فتاوی کی بناء پر (جلال الدین حسن اور اس کے متبعین کے) اسلام کا اعتبار کیا تو جلال الدین نے انہیں راضی کرنے میں بڑے مبالغہ سے کام لیا اور ان کے سرداروں کو شرف قربت بخشا چنانچہ اس کی درخواست پر اہل قزوین نے اپنے کچھ معززین کو الموت بھیجا انہوں نے حسن صباح اور جلال الدین کے آباؤ اجداد کے کتب خانوں کو دیکھا۔ جلال الدین کے باپ دادا اور حسن صباح اور اسماعیلیوں کی دوسری کتابوں کے ان فصول و مضامین کو جن کا تعلق ان کے مذاہب الحاد و زندقہ کے اثبات اور مسلمانوں کے عقائد کی مخالفت سے تھا' ان سب کو ان لوگوں نے علیحدہ کیا اور جلال الدین کے حکم سے ان کتابوں' مضامین و فصول کو اہل قزوین

کے روبرو جلا دیا گیا۔ ان قزوینیوں کی ایماء پر جلال الدین نے اپنے اسلاف اور دعوت اسماعیلیہ کے بانیوں پر لعن طعن کی۔

(جوینی' صاحب جہاں کشائی) نے قزدین کے معززین اور قضاۃ کے پاس ایک میں دستاویز دیکھی جسے جلال الدین کی جانب سے تحریر کیا گیا تھا اس میں اس کے اسلام کی اتباع شریعت کو قبول کرنے کا بیان اور اپنے آباؤ اسلاف کے مذہب سے تبرا (بیزاری) کا ذکر تھا۔ جلال الدین نے خود اپنے قلم سے اس دستاویز کے آغاز میں چند سطریں تحریر کی تھیں اور اس مذہب (اسماعیلیہ) سے بیزاری کے ذکر میں جب وہ اپنے باپ دادا کے ناموں تک پہنچا تو ان پر بد دعاء لکھی تھی جو تھی **ملاء اللہ قبورھم نارا** (اللہ ان کی قبروں کو آگ سے بھر دے)۔

جلال الدین اور اس کے پیرووں کے اسلام کی تصدیق اور اس کے اثرات

قصہ مختصریوں جلال الدین اور اس کے پیرووں کا اسلام ظاہر ہو گیا' مسلمان ان سے کسی قدر مانوس ہو گئے۔ اور خلیفہ وقت و سلاطین عصر نے لوگوں کو ان کے قتل سے روک دیا۔

جلال الدین کی والدہ کا سفر حج

جلال الدین کی ماں جو ایک مسلمان خاتون تھی ۶۰۹ھ میں حج کی نیت سے اپنے ملک سے چل کر حجاز آئی جلال الدین نے اس کے ہمراہ سبیل ۸۹ روانہ کی تھی۔ بغداد میں اس کی ماں کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور حج کے راستہ میں اس کی سبیل کو اطراف و جوانب کے بادشاہوں کی سبیل کے آگے رکھا گیا۔

مسلمان امراء سے تعلقات

جلال الدین نے ایران و آذربیجان کے بادشاہ اتابک مظفر الدین اوزبک سے دوستی بڑھائی اور دوسرے بادشاہوں کے ساتھ بھی وہ دوستی کا مظاہرہ کرتا تھا مگر اتابک مظفر الدین اوزبک ۹۰ سے اس کی گاڑھی چھنتی تھی۔ ناصر الدین منکلی ۹۱ جس نے عراق پر غاصبانہ قبضہ کر لیا تھا۔ اتابک سے عداوت رکھتا تھا اور اس کے لشکر نے جلال الدین کے بعض علاقوں پر تاخت بھی کی تھی چنانچہ اتابک مظفر الدین اوزبک اور جلال الدین نے آپس میں عہد و پیمان کر کے (ناصر الدین منکلی کے خلاف) معاہدہ کر لیا۔ اور ۶۱۰ھ میں جلال الدین' اتابک کی مدد اور منکلی سے جنگ کے قصد سے آذربیجان گیا۔ ڈیڑھ سال تک جلال الدین اتابک کے ملک میں مقیم رہا۔ اتابک نے اس مدت میں اس کی خاطر ملحوظ رکھی' ان میں بھائی

چارہ رہا۔ (جلال الدین) کے پاس وافر مقدار میں سامان اور بڑی فراوانی سے مال بھیجتا رہا یہ خاطرمدارت اس حد تک بڑھی کہ جلال الدین اور اس کی فوج کے ہر طرح کے اخراجات اور ضروری سامان اتابک مہیا کرتا رہا۔ یہ سب ان تشریفات اور خلعتوں کے علاوہ تھا جو اتابک جلال الدین اور اس کے سرداوں اور عام لشکریوں کو دیتا تھا۔ وہ ہر روز ضروریات کے نام سے ایک ہزار دینار سرخ جلال الدین کے خزانے میں بھیجتا تھا۔ قصہ مختصر جلال الدین اتابک اوزبک کے ساتھ ایک عرصہ تک بیلغان میں مقیم رہا۔ ان دونوں نے دار الخلافت' شام اور اس دیار کے حکمرانوں سے منکلی کے خلاف مدد طلب کی اور قاصد روانہ کئے۔ چنانچہ دار الخلافت سے مظفر الدین وجہ السبع ۹۲ کو ایک بھاری فوج کے ساتھ مدد کی غرض سے بھیجا گیا اور حکم دیا گیا کہ مظفر الدین کوکبوری بن زین الدین علی کوچک اربیل سے اپنی فوج کے ساتھ ان سے آکر مل جائے اور جنگ کے موقع پر سب امراء اس کی رائے اور تدبیر پر کاربند ہوں اور اس کے حکم اور تعبیہ کے مطیع رہیں۔ شام سے بھی ایک لشکران لوگوں کی مدد کو بھیجا گیا چنانچہ (ان سب نے) ۶۱۱ھ میں ناصر الدین منکلی کی شکست دے کر (اس کا خاتمہ کردیا) یہ واقعہ مشہور ہے یہاں اس کا تذکرہ اس تاریخ کے سیاق سے مناسبت نہیں رکھتا۔ (جنگ کے بعد) سیف الدین ایغلمش ۹۳ کو عراق میں منکلی کے بجائے (تخت حکومت پر) متمکن کیا گیا۔ اور ابہرو زنجان جلال الدین کو حق سعی کے بطور دیئے گئے۔ چند سال تک یہ دونوں شہر اور اس کے مصافات جلال الدین کے گماشتوں کے تصرف میں رہے جلال ڈیڑھ سال تک عراق' اران اور آذربیجان میں قیام کے بعد الموت واپس آیا۔ اس سفر میں اور ان ممالک میں اس کے قیام کے دوران اس کے اسلام کا دعوئی زیادہ موکد و مصدق ہوگیا۔ اور مسلمان اس سے زیادہ میل جول بڑھانے لگے۔

جلال الدین نے گیلان کے امراء کے ہاں شادی کا پیغام دیا۔ مگر ان لوگوں نے اسے قبول نہ کیا۔ اور دار الخلافہ کے اذن کے بغیر اس پر رضامندی ظاہر نہ کی۔ جلال الدین نے بغداد قاصد بھیجے۔ امیر المومنین ناصرلدین اللہ نے اس کی درخواست قبول کی اور اجازت دی کہ امرائے گیلان اسلام کے حکم کے مطابق جلال الدین کے ساتھ قرابت داری قائم کریں۔ اس حکم کے مطابق جلال الدین نے گیلان کے امراء کی لڑکیوں میں سے چار کے ساتھ مختلف اوقات میں نکاح کئے۔ ان میں سے پہلی لڑکی کیکادس کی ہم شیر تھی یہ کیکادس تا حال (در عہد جوینی) زندہ اور ولایت کوتم کا حکمراں ہے۔ جلال الدین کا بیٹا علاء الدین محمد اسی خاتون کے بطن سے پیدا ہوا۔

چنگیز خاں سے نامہ و پیام

اسماعیلیوں کا بیان ہے کہ جب چنگیز خان نے ترکستان سے (بلاد اسلامیہ) پر یورش کی تو اسلامی علاقوں میں اس کے پہنچنے سے پہلے ہی جلال الدین نے اس کی خدمت میں خفیہ طور سے قاصد بھیجے' خطوط لکھے اور خود کو اس کی اطاعت و ماتحتی کے لئے پیش کیا۔ یہ روایت ملحدوں (اسماعیلیوں) کی ہے۔ صحیح صورت حال کا پتہ نہیں مگر یہ ایک بات واضح ہے کہ جب بادشاہ جہاں گشائی چنگیز خاں کا لشکر بلاد اسلام میں داخل ہوا تو دریائے جیحوں کے اس پار سے زمغربی کنارے سے) سب سے پہلے جس بادشاہ نے قاصد بھیجے اور اس کی اطاعت قبول کی وہ جلال الدین ہی تھا۔ اس نے صحیح طریقہ اختیار کیا اور صلاح و دوستی کی بنیاد رکھی۔

بعد کے ملاحدہ کی بد عقلی

مگر اس کے بعد اس کے نادان بیٹے اور اس کے سر پھرے پیرووں نے اپنی بد بختی اور جہالت کی وجہ سے اس بنیاد کے استحکام اور اس کی تکمیل پر کوئی توجہ نہ کی اور اپنی تدبیر فاسد سے بلکہ اپنی بد بختی سے اس عہد کو توڑ دیا۔ نتیجہ وہ ہوا جو انہوں نے دیکھا۔ (یعنی وہ اپنے کیفر کردار کو پہنچ گئے)۔ اور فریب و مکر اپنے کرنے والے کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ ۹۵

امیر المومنین علی ابن ابی طالب نے اپنے ایک خطبہ میں ایک سرکش قوم کا ذکر کیا ہے جو اپنی فاسد تدبیر کی بدولت انجام بد سے دوچار ہوئی اس خطبہ کے دو تین کلمے یہاں اس گروہ ملاحدہ کے حسب حال ہیں۔ انہوں نے فرمایا ہے کہ **زرعوا الفجور' و سقوه الغرور' فحصدوا الثبور** (یعنی ان بد بختوں نے فسق و فجور بویا' اسے غرور (دھوکے) کے پانی سے سینچا پس انہوں نے ہلاکت (کی کھیتی) کاٹی)۔

علاء الدین محمد اور اس کی اسلام دشمنی

علاء الدین محمد نو سال کی عمر میں اپنے باپ کا جانشین ہوا۔ جلال الدین نے نصف رمضان ۶۱۸ء میں وفات پائی۔ اس کے صرف ایک ہی بیٹا علاء الدین نامی تھا۔ جلال الدین نے اسہال (دست) کے مرض سے انتقال کیا۔ (مگر) یہ تہمت بھی لگائی گئی ہے کہ اس کی بیویوں نے' اس کی بہن اور اس کے قرابت داروں کے اتفاق سے اس کو زہر دے دیا تھا۔ وہ وزیر جو اس کی وصیت کے مطابق ملک کا وزیر و منتظم بنا اور اس کے بیٹے علاء الدین کا ولی و سرپرست قرار پایا اس نے جلال الدین کے بہت سے رشتہ داروں' بہن' بیویوں' خواص اور اس کے اہل بطانہ (مخصوصین) کو اس تہمت میں قتل کرا دیا اور کچھ کو جلا دیا۔ چونکہ علاء الدین (بوقت تخت نشینی) بچہ تھا' اس کی (صحیح) تربیت بھی نہ ہوئی تھی اور اسماعیلیوں کے

باطل مذہب اور خرافاتی طریقہ میں یہ مقرر ہے کہ ان کا امام بچپن ' جوانی اور بڑھاپے میں یکساں صاحب فضیلت و عاقل ہے۔ وہ جو کچھ کہتا اور کرتا ہے جس حال میں بھی ہو حق ہے اس کے حکم کو ماننا ان بے دینوں کا دین ہے۔ وہ جو شیوہ اختیار کرے کسی متنفس کو اس سے انکار کا یارا نہیں۔ وہ لوگ امام کی تادیب ' نصیحت و ہدایت (یعنی امام کو ادب نصیحت کرنے اور اسے ہدایت دینے) کو اپنے مذموم ناپسندیدہ اعتقاد میں جائز نہیں سمجھتے۔ نتیجتہ " وہ لوگ دین و دنیا کی تدبیر اور مسلمانوں کی اسلام پر استقامت ہے جس کے وہ پابند تھے اور ملک کے معاملات کے انتظام سے غافل روگرداں ہو گئے۔ انہوں نے جس نادان بچے کو اپنے دینی و دنیوی معاملات کا ذمہ دار بنایا تھا اور جسے وہ اپنی مصلحتوں کی رعایت کرنے والا جانتے تھے بقول شاعر ؎

(اگر کوا کسی قوم کا رہنما ہو جائے تو اس قوم کی خواب گاہ آتش پرستوں کی گورستان ہوگی) (یعنی وہ قوم برباد و تباہ ہو جائے گی) چنانچہ علاء الدین بچوں کے ساتھ کھیل تماشا ' اونٹ رکھنے اور بھیڑ پالنے میں۔ مشغول ہو گیا اور تمام امور حکومت عورتوں کی رائے سے انجام پانے لگے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کے باپ نے جو بنیاد استوار کی تھیں ' وہ ست پڑ گئی اور جو تدبیریں کہ درستی کی روش پر تھیں باطل ہو گئیں۔ سب سے پہلے وہ لوگ جو اس کے باپ کے ڈر سے شریعت کے پابند اور اسلام کے دائرہ میں داخل ہوئے تھے اور اپنے گندے دل اور سیاہ ضمیر سے اب بھی اس کے دادا کے فاسد مذہب کے معتقد تھے اور ان کے دلوں میں گو سالہ کی محبت جاگزیں ہو گئی تھی ' ان لوگوں نے جب منکرات کے ارتکاب پر کوئی ٹوکنے والا نہ دیکھا اور فرائض و سنن کی اتباع و درستی و راستی کے نشانات کی پیروی پر کوئی اکسانے والا نہ پایا تو وہ دوبارہ الحاد و بے دینی کی راہ پر گامزن ہو گئے۔ اور تھوڑی ہی مدت میں انہوں نے پھر قوت و غلبہ حاصل کر لیا۔ دوسرے لوگ جنہوں نے اسلام کو اپنی بصیرت سے قبول کیا تھا اور اس مذہب پر ہمیشہ کاربند رہنے کے خواہاں تھے ' ان ملحدوں کے ظلم و ستم سے ڈر گئے۔ اور جان کے خوف سے انہوں نے اپنے اسلام کو بار دیگر پوشیدہ کر لیا۔ یوں اس بد بخت قوم اور ناپسندیدہ گروہ میں الحاد دوبارہ جاری و رائج ہو گیا۔ اس سبب سے ملت کے قواعد ' حکومت کے ضوابط اور دین و دنیا کے مصالح مہمل و بیکار ہو گئے اور مٹنے لگے۔

علاء الدین پر مالیخولیا کا حملہ

جب اس بچے کی حکومت کے پانچ چھ سال گزر گئے تو کسی بیماری یا سبب کے بغیر اور اس طبیب کے مشورے کے برخلاف جو ان کے ہاں تھا ' انہوں نے اس کی فصد کھول ...

بھاری مقدار میں بہہ گیا جس سے اس کے دماغ میں خلل واقع ہوگیا۔ اور تھوڑی ہی مدت میں اسے مالیخولیا کی بیماری ہو گئی۔ کسی کی یہ ہمت نہ تھی کہ کہتا کہ اس بیماری کا علاج کرنا چاہئے' جو اطباء وہاں تھے اور جو لوگ کہ عقل مند و واقف کار تھے وہ یہ نہ کہہ سکتے تھے کہ اسے مالیخولیا ہے یا اس قسم کی کوئی بیماری ہے۔ کیونکہ اس گروہ (ملاحدہ) کے عوام بے شبہ انہیں قتل کر دینے کی کوشش کرتے۔ یعنی وہ بیماری جس کی وجہ سے عقل کم ہو جائے یا عقل زائل ہو جائے امام کو لاحق نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس صورت میں امام کے بعض احکام و افعال کو عقل کے خلل اور مزاج و دماغ کے فساد پر محمول کرنا پڑے گا (جو امام کے حق میں ناجائز ہے) نتیجتہ" دن دن وہ بیماری بڑھنے لگی یہاں تک کہ اس کا اس پر مکمل غلبہ ہو گیا۔ آخری زمانے میں عقل غریزی کی کمی اور بچپن میں تربیت و تادیب نہ ہونے کے باعث اس بیماری (مالیخولیا) کے اثر سے علاء الدین بے تدبیر پاگل ہو گیا اور قید و زنجیر کا مستوجب ٹھہرا۔ چونکہ اس کی یہ حالت (ہمارے) اسی زمانے میں تھی اور لوگ اس کی بدتدبیری' بری عادتوں' خراب خیالات' بے پروائی' خلل دماغی' انتہائے جنون اور نامبارک رسوم سے واقف ہیں اس لئے ان کی تشریح کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ ان کی تفصیل میں طوالت ہے اور ان کے بیان کا عشر عشیر (سواں حصہ) بھی دفاتر میں آسانی سے سمیٹا نہیں جا سکتا۔ اگر کسی کو اس میں شبہ ہو تو اس کے اختتام سے اس کے آغاز پر اس کے انجام سے اس کی ابتداء پر اور اس کے نتیجہ سے اس کے مقدمہ پر استدلال کرنا چاہئے۔

علاء الدین کے تکبر و غرور

(علاء الدین کے کاروبار سلطنت کے پراگندہ و خراب ہونے کا ایک سبب تو اس کی خلل دماغی تھی جو بچپن میں فصد کھلوانے اور زیادہ خون بہہ جانے کی وجہ سے ہوئی اور اس کی حکومت کی تباہی کی دوسری وجہ یہ ہوئی کہ) اس کے دماغ میں بادشاہی کا تکبر و غرور تھا کیونکہ اس کے متبعین بدبخت اور عجمی تھے۔ انہوں نے اپنے مزموم خیالات اور بے فائدہ جنون سے بچپن سے آخر عمر تک اس کے دماغ میں یہ خیال راسخ کر دیا تھا اور اس کے سیاہ ضمیر اور شک و شبہ سے پر طبیعت میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ وہ جو کچھ سوچتا ہے اس نے لوح محفوظ کے نقوش کی تحریروں سے اس کا مطالعہ کیا ہے۔ وہ جو بھی کہتا ہے اللہ کی جانب سے الہام سے کہتا ہے' اس کی سوچ میں غلطی اور بھول چوک جائز نہیں ہے۔ ان باتوں سے علاء الدین اپنی ذات کے بارے میں بھی فریب میں آ گیا اور اس نے جھوٹے ماضی کے حالات کہ عجیب معلوم ہوتے تھے' دہرائے' نہ آئی ہوئی خبروں کے متعلق غیب دانی کی۔ یہ ساری باتیں شب

کوستاقہ کی طرح بھٹکنے' اندھی بات (نادیدہ قول) صریح جھوٹ اور کھلی ذلت تھیں۔ علاء الدین نے ان ہذیاں گوئی میں یہ بھی نہ سوچا کہ صاحبان عقل اس کی تکذیب کریں گے (انہیں جھٹلائیں گے)۔ چونکہ اس کی تربیت نہیں ہوئی تھی اور اسے مشق بھی نہ کرائی گئی تھی اس لئے بے تربیتی و ناتجربہ کاری کے باعث اس کی طبیعت میں تنگ مزاجی و تند خوئی پیدا ہو گئی تھی جس کی وجہ سے کوئی شخص اس کی بات کی تردید نہیں کر سکتا تھا۔ ملکی مصالح سے متعلق ایک بات بھی' جس سے اس کے مزاج میں ذرا بھی تغیر پیدا ہو جائے اس کے سامنے نہیں کہی جا سکتی تھی کیونکہ ایسی بات کرنے والے کا انجام عبرت ناک قتل اور فوری سزا ہوتا یعنی اس کے اعضاء کاٹ دیئے جاتے ہاتھ پاؤں کاٹ کر (مثلہ کر کے) اسے عبرت ناک سزا دی جاتی اور قتل کر دیا جاتا' بناء بریں لوگ ملک کی داخلی و خارجی خبریں اور دوست و دشمن کے حالات اس سے پوشیدہ رکھتے تھے۔ (یہ اخفائے حال) اس حد تک تھا کہ وہ جو قاصد بادشاہوں کے ہاں بھیجتا' جب وہ واپس آتے تو وہ حکم جس کے جواب اور درخواست کے بارے میں ان سلاطین نے فرمایا ہوتا اگر وہ علاء الدین کی طبیعت کے موافق نہ ہوتے تو اس سے کبھی نہ کہتے تھے اور اگر وہ (خود) بھی سچ بات جان لیتا تو اسے چھپا لیتا اور کوئی ناصح اس کے سامنے دم نہ مار سکتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ جو کچھ (معاصر) بادشاہوں سے کہتا سب کا سب جھوٹ کا پوٹ ہوتا۔ اور وہ یہ سمجھتا کہ یہ فریب جسکی اس کی قوم کے جاہل اپنی جہالت یا ڈر کی وجہ سے منافقانہ تصدیق کرتے تھے' بادشاہوں کے حضور پسندیدہ و مقبول ہوگا یا عقل مندوں پر (اس کی صداقت) مشتبہ ہو جائے گی۔ (نتیجتہ") اس کے ملک میں اس کے حکم سے یا اس کے حکم کے بغیر ہر روز چوری' رہزنی اور لوگوں کو ایذاء رسانی کی وارداتیں ہوتیں اور وہ سمجھتا کہ اس کا تدارک جھوٹی باتوں اور مال خرچ کر کے کیا جا سکتا ہے۔ جب (ملک کی یا خود اس کی) یہ حالت حد سے گزر گئی تو اس کی اپنی جان' بیوی' بچے' گھر' ملک و مال اس خبط و جنوں کے ہاتھوں برباد ہو گئے۔ یہ بات ایسی ہے جس کی تشریح و بیان کی ضرورت نہیں ہے۔ (کہ انتہائی واضح اور بے حد مشہور ہونے کے باعث اس کی تشریح و بیان کی ضرورت نہیں ہے۔)

باپ بیٹے میں بدگمانیاں

رکن الدین خور شاہ علاء الدین کا بڑا بیٹا تھا۔ اس کے بچپن کے زمانے میں علاء الدین ہنوز عالم شباب میں تھا کیونکہ ان کی عمروں میں اٹھارہ سال سے زیادہ کا فرق نہیں تھا۔ رکن ہنوز بچہ ہی تھا کہ علاء الدین بے سوچے سمجھے یہ کہتا تھا کہ امام اور میرا ولی عہد یہی ہوگا۔ جب

رکن الدین بڑا ہوا تو اس کے رسوا و ذلیل پیروؤں نے اس کے اور اس کے باپ کے درمیان تعظیم و مرتبہ میں کوئی فرق ملحوظ نہ رکھا اور اس کے احکام بھی اس کے باپ کے احکام کی طرح نافذ ہونے لگے۔ (بناء بریں) اس کی جانب سے علاء الدین کے دل میں میل آگیا اور وہ یہ کہنے لگا کہ میرا ولی عہد میرا کوئی اور بیٹا ہوگا۔ مگر اس کی قوم نے جیسا کہ ان کا مذہب ہے اس بات کو پسند نہ کیا اور کہا کہ (ولایت عہد میں) نص اول ہی معتبر ہے (بعد کی نص کا کوئی اعتبار نہیں)۔ علاء الدین رکن الدین کو برابر ستاتا رہتا' اپنے جنون اور سودائی مزاج کے سبب بلا کسی وجہ کے اسے ہمیشہ عذاب و عتاب میں رکھتا اور اس کا مواخذہ کرتا رہتا تھا۔ وہ اسے اپنے کمرے (مکان) کے برابر کے کمرے (مکان) میں عورتوں کے درمیان رکھتا تھا۔ رکن الدین دن کو اس گھر سے باہر نکلنے کی جرات نہ کر سکتا تھا۔ (ہاں) جب اس کا باپ (شراب سے) بدمست ہوتا یا اپنی عادت کے مطابق بھیڑوں کے گلے میں ہوتا یا کسی اور کام میں مشغول و غافل رہتا تو رکن الدین رات کے وقت اس مکان سے شراب نوشی کے لئے نکلتا یا جہاں جانا چاہتا جاتا۔

علاء الدین کا جنون اور امراء کا انحراف

مختصر یہ کہ ۶۵۳ھ میں علاء الدین پر جنون کے مرض اور سودا کا غلبہ مستحکم و قوی ہوگیا اور اسباب و اتفاقات فلکی کے باعث جس کا ذکر طوالت کا سبب ہوگا اور اس کی تشریح مناسب نہیں ہے رکن الدین پر اس کا غصہ اور زیادہ ہوگیا اور اس پر مسلسل عتاب و عذاب ہونے لگا۔ اور اس کی مخالفت پہلے سے بھی بڑھ کر ہونے لگی۔ یہاں تک کہ بیٹے کو اپنی جان خطرہ میں نظر آنے لگی۔ اور وہ کہنے لگا کہ کسی وقت بھی باپ سے میری زندگی محفوظ نہیں ہے۔ اس بناء پر رکن الدین نے یہ سوچ بچار شروع کیا کہ باپ کے پاس سے بھاگ کر شام کے کسی قلعہ میں جا کر اس پر قابض ہو جائے یا پھر الموت' میمون دز اور رودبار کے بعض قلعوں کو جو خزائن و ذخائر سے بھرے ہوئے اور معمور تھے اپنے تصرف میں لائے اور باپ سے منحرف ہو کر باغی ہو جائے۔ اس سال (یعنی ۶۵۳ھ میں) خود علاء الدین کے اکثر ارکان حکومت و سرداران مملکت اس سے خائف رہتے تھے اور ان میں سے کوئی بھی اپنے سر پر اعتماد نہ رکھتا تھا (کہ کب اس کا سر علاء الدین کے حکم سے کاٹ دیا جائے) اس نے ان میں سے کچھ پر رکن الدین کی حمایت کی تہمت لگائی تھی اور ان کے خلاف ہوگیا تھا اور کچھ دوسروں پر اپنی کج خیالی اور خلل دماغی سے دوسری تہمتیں لگائی تھیں وہ ان لوگوں کو برابر ستاتا اور عذاب دیتا رہتا تھا۔ اگرچہ (یہ امراء) ایک دوسرے کے خوف سے زبان سے کچھ نہ

کہتے تھے اور بظاہر اس کے برعکس نفاق کے بطور حالات پر نظر رکھتے تھے۔ خواص و عوام اس سے عاجز آ گئے تھے اور یہ بات اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ اس کی سوئے تدبیر اور ان بدبختیوں کے باعث جو اس کے حالات سے عیاں تھیں ملک باقی نہیں رہ سکتا۔

علاء الدین کا قتل

رکن الدین نے اس بات کا اندازہ لگا لیا تھا کہ باپ کی بری عادتوں اور حرکتوں کے باعث منگولوں کا لشکر اس کے ملک پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اور باپ کسی بات کی فکر نہیں کرتا (مناسب ہے) کہ وہ اس سے الگ ہو جائے اور پادشاہ روئے زمین اور اس کے بندگان درگاہ (یعنی منکو قاآن بادشاہ منگولاں) کی خدمت میں قاصدوں کو بھیج کر اس کی ماتحتی قبول کر لے اور اس بات کا موقع نہ دے، جس سے تباہی پھیلے اور ملک و مال باقی نہ رہے۔ ان اسباب کی بناء پر بیشتر امراء، ارکان حکومت و اہل لشکر نے اس کی بیعت کر لی اور اس بات پر متفق ہو گئے کہ وہ جہاں بھی جائے گا وہ اس کے ساتھ ہوں گے۔ اس کے باپ کے پیروؤں اور فوج سے اس کی حفاظت کریں گے اور اس سلسلہ میں جان سے بھی دریغ نہ کریں گے۔ الا یہ کہ اگر باپ اس پر حملہ آور ہو تو وہ لوگ باپ پر ہاتھ نہ ڈالیں گے۔

جب اس بات کو ایک مہینہ گزر گیا، رکن الدین بیمار ہو کر صاحب فراش ہو گیا اور چلنے پھرنے سے معذور ہو گیا۔ ایک روز اس کے باپ نے شراب پی اور جہاں شراب پی تھی بھیڑوں کے باڑے کے متصل پھونس کے ایک جھونپڑے میں نشے میں دھت سو گیا۔ کچھ غلام، گڈریئے، اونٹ کے رکھوالے اور ان جیسے اراذل اور کمینے اس کے اردگرد سو گئے۔ ان لوگوں نے آدھی رات کو اسے مرا ہوا پایا۔ کسی نے اس کی گردن پر ایک تیر مارا تھا اور اس ایک زخم سے اس کا کام تمام ہو گیا تھا۔ ایک ہندو اور ایک ترکمان جو علاء الدین کے برابر میں سوئے ہوئے تھے ان میں سے ہر ایک کو زخم لگایا تھا اس کے بعد وہ ترکمان تو مر گیا لیکن ہندو بچ گیا۔ یہ واقعہ شوال ۶۵۳ھ کی آخری تاریخ کو اس شیرکوہ کے مقام پر جہاں علاء الدین زیادہ تر رہتا تھا پیش آیا۔

فرضی قاتلوں کا خاتمہ

علاء الدین کے بیٹوں اور اس کی قوم نے چند آدمیوں پر قتل کا الزام لگایا اس خیال سے کہ علاء الدین کے چند مقربین و خدام نے جو رات کے وقت پاسبانی کے نام سے اس کے قتل کے مقام کے آس پاس تھے ان لوگوں کو دیکھا تھا، ان ملزمین کو مار ڈالا گیا۔ ان لوگوں نے

تہمت و تخیل کی راہ دور دراز مقام تک کھول لی چنانچہ بعض لوگوں نے یہاں تک کہا کہ دو تین اجنبی اشخاص قزوین سے آئے اور علاء الدین کے سرداروں کی سازش و رہنمائی سے اس کے سرہانے پہنچے اسے قتل کیا اور پھر انہیں لوگوں کے خواص کی حمایت و اتفاق سے قزوین واپس چلے گئے۔ (ملاحدہ) وہم و گمان کے سبب سے ہر شخص پر اس سازش و رہنمائی کی تہمت لگاتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک ہفتہ کے بعد خیالات' علامات و دلائل سے حالات کا قطعی علم ہوا۔

حسن ماژندرانی کا قتل

معلوم ہوا کہ حسن ماژندرانی نے کہ علاء الدین کا خاص الخاص تھا' رات دن اس کے ساتھ رہتا تھا اور اس کا محرم راز تھا' اسے قتل کیا ہے۔ (ملاحدہ نے) یہ بھی کہا کہ حسن (ماژندرانی) کی بیوی نے جو علاء الدین کی معشوقہ تھی اور حسن نے اس قتل کی واردات کو اس سے چھپایا تھا' اس راز کو رکن الدین سے فاش کر دیا۔ بہرکیف ایک ہفتہ کے بعد حسن کو مار ڈالا گیا اور اس کی لاش کو جلا دیا گیا۔ حسن کے دو تین بچوں یعنی دو لڑکیوں اور ایک لڑکے کو بھی جلا کر خاک کر دیا گیا اور رکن الدین باپ کا جانشین ہو گیا۔

حسن ماژندرانی کے حالات

حسن ماژندرانی کو بچپن میں منگولوں کے لشکر نے ماژندران سے پکڑا تھا۔ وہ عراق میں منگولوں کے لشکر سے بھاگ کر علاء الدین کے ملک میں چلا گیا۔ وہ ایک خوش شکل سادہ رو نوجوان تھا۔ (امردے ملیح بودہ است)۔ علاء الدین نے جب اسے دیکھا تو پسند کیا' اپنے نزدیک کیا اور وہ علاء الدین کے ہاں بڑے بھروسے کا آدمی بن گیا (علاء الدین) اسے نہایت عزیز رکھتا تھا اور (حسن) اس کے ساتھ گستاخانہ و بے باکانہ پیش آتا تھا۔ مگر اس کے باوجود علاء الدین اپنی دیوانگی و بدخوئی کی وجہ سے برابر ظن و گمان اور بہانوں سے حسن کو ستاتا اور ضرب شدید پہنچاتا تھا' اس کے زیادہ تر دانت ٹوٹ گئے تھے حتیٰ کہ علاء الدین نے اس کے آلہ تناسل کا ایک حصہ بھی کاٹ دیا تھا۔ جب حسن ماژندرانی داڑھی مونچھوں والا ہو گیا (اس کی مسیں بھیگ گئیں) اور آخر آخر اس کے بالوں میں تھوڑی تھوڑی سپیدی بھی آ گئی تو بھی وہ علاء الدین کا محبوب و منظور نظر رہا۔ اور وہ اسے امردوں (سادہ رویوں) اور معشوقوں کے بجائے رکھتا تھا وہ اس کا امرد اور معشوق تھا علاء الدین نے اپنی باندیوں میں سے ایک کی جو اس کی منظور نظر (محبوبہ) تھی حسن سے شادی کر دی تھی۔ ہرچند کہ حسن کے اس عورت

سے دو تین بچے پیدا ہو چکے تھے' اس کی ہمت نہ تھی کہ علاء الدین کی اجازت کے بغیر اپنے گھر میں داخل ہو سکے اور اس عورت کے ساتھ ہمبستری کر سکے۔ علاء الدین' حسن کی بیوی کے ساتھ مقاربت (نزدیکی) اور مباشرت (ہمبستری) کرنے میں حسن سے ذرا بھی ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا تھا۔ اپنی ضروریات کی تکمیل' خبروں کے پہنچانے اور دوسرے اہم معاملات بلکہ حکومت کے مصالح میں وزراء' اکابر حکومت اور تمام باشندگان مملکت حسن کے تقرب و شفارش کے طالب رہتے تھے۔ کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور شخص علاء الدین کے ساتھ اطمینان و سہولت سے بات نہ کر سکتا تھا اور اس کی بات کے مقابلہ میں دوسروں کی بات سے معاملات کا انصرام و انجام ممکن نہ تھا۔ زیادہ تر ایسا ہوتا کہ حسن خود جو چاہتا علاء الدین کو اطلاع دیئے بغیر اس کا حکم دے دیتا تھا اور یہ احکام نافذ ہو جاتے تھے حسن کے پاس (رشوت اور ناجائز ذرائع سے حاصل کردہ) بہت سارا مال جمع ہو گیا تھا مگر وہ اس سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا اور اسے علاء الدین سے پوشیدہ رکھتا تھا۔ اس کا لباس بال اور خراب ٹاٹ کا ہوتا تھا (لباس او جامہ صوف و کرباس بدبودی) اور یہ بھی زیادہ تر پرانا اور پھٹا ہوا اس کے مذموم اور برے مخدوم کے کپڑے بھی ایسے ہی ہوتے تھے کیونکہ حسن کو لباس' طعام اور تمام حالات میں علاء الدین کی طرح زندگی گزارنا لازمی تھا حسن ہمیشہ اس کے ساتھ بھیڑوں کے باڑے میں پیدل جاتا تھا ہاں اگر کبھی ٹھاٹ کرنا چاہتا تو گدھے پر سواری کر لیتا تھا۔ اگر وہ اچھا لباس پہنتا یا علاء الدین کو یہ شبہ ہو جاتا کہ اس کے پاس مال و دولت ہے تو اس کو سخت مار' شدید مکالے اور رسوا کن و ذلت وہ قطع اعضاء کی تکلیف دیتا ان اسباب کی بناء پر علاء الدین کی طرف سے حسن کے دل میں کینہ بیٹھ گیا اور اس کی عداوت جاں گزیں ہو گئی تھی۔ یہ حسن مسلمان تھا اور ہرچند کہ سالہا سال سے علاء الدین کے ساتھ زندگی گزار رہا تھا مگر اس کے ضمیر و عقیدہ میں اسلام کی محبت اور الحاد کی عداوت متمکن تھی۔ ان بعض مسلمانوں کو جو علاء الدین کی ملازمت میں تھے اور مجبوراً" ضرورت کی وجہ سے اس کے ملک میں پھنس گئے تھے' حسن کی غریب الوطنی اور اسلام کے اعتقاد کے باعث' اس سے یک گونہ لگاؤ اور دوستی تھی جب بھی ان لوگوں سے بات کرنے کا موقع پاتا تو یہ بات چیت اس کی دشمنی کی وضاحت' اپنی تنگی معاش کی تکلیف اور علاء الدین کی برائیوں اور عیبوں کے تذکرہ تک موقوف ہوتی تھی۔ ان وجوہ سے توفیق (نیک) اس کی رفیق (اور ساتھی) تھی تا آنکہ کہ اس نے علاء الدین کے قتل کا جہاد کیا اور اس جہاد میں اپنی جان کو خطرے میں ڈالا۔ اللہ اسے اس کی نیت کا اچھا بدلہ دے۔

باپ کے قتل میں خورشاہ کی شرکت

وہ جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ رکن الدین خورشاہ نے اپنے باپ کو قتل کیا تو یہ بات درست نہیں ہے، کیونکہ اس رات رکن الدین کو بخار تھا وہ صاحب فراش تھا اور کئی دنوں سے ہلنے جلنے کی بھی سکت اس میں نہ تھی۔ لیکن ان وجوہ سے جن کا ذکر کیا گیا اور نیز قراین سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے اور جانی جاسکتی ہے کہ باپ کا قتل اسے برا نہ لگا اور حسن ماژندرانی نے یہ اقدام اس کی رائے اور رضامندی سے کیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس بارے میں آغاز میں حسن رکن الدین کے ساتھ شریک سازش رہا ہو اور اس نے یہ حرکت اس کے مشورہ اور اتفاق سے کی ہو۔ کیونکہ جب یہ راز فاش ہوگیا کہ حسن نے علاء الدین کو قتل کیا ہے تو رکن الدین نے اسے گرفتار نہیں کیا اور اصل امر سے مطلع ہونا نہ چاہا کہ اس کام میں کون کون سے لوگ حسن کے شریک ہیں اور کہاں سے اسے اکسایا گیا ہے (یعنی اس نے یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ اس قتل میں کون لوگ اس کے شریک کار تھے اور کہاں سے اسے بڑھاوا ملا تھا)۔ بلکہ اس نے بہانے سے حسن کو خاص (شاہی) بھیڑوں کے باڑے کی نگرانی کے کام پر مقرر کردیا، جو علاء الدین (کے قتل کے سبب معطل ہوکر) رہ گیا تھا تاکہ وہ بھیڑوں کی نگرانی، دیکھ بھال اور انتظام کرے۔ رکن الدین نے اپنے اعتماد کے ایک آدمی کو حسن کے پیچھے لگا دیا چنانچہ بھیڑوں کے باڑے کے کنارے حسن کو غافل پاکر اس نے اس کی گردن پر تبر کا ایک بھرپور وار کیا اور اسے غفلت میں جان سے مار ڈالا وہ کوئی بات بھی نہ کرسکا۔ ان وجوہ سے لوگوں نے کہا کہ اپنے باپ کے قتل میں رکن الدین کی سازش شامل تھی۔ اسے یہ ڈر ہوا کہ اگر اس نے حسن سے پوچھ گچھ کی اور مطالبہ کیا تو حسن رکن الدین کے حکم، آگہی، اشارہ یا خواہش کے بارے میں لوگوں کو بتلا دے گا۔

رکن الدین کی ماں اور بھائی اس یک سالہ مدت میں کہ وہ اپنے باپ کے بعد حکمران رہا، اس سے برابر ناراض رہے، باپ کے قتل کا الزام اس پر لگاتے رہے، اور اس بات کو اس کے معائب میں شمار کرتے رہتے تھے۔ ایک گروہ کو جسے وہ لوگ (یعنی برادران و مادر رکن الدین) علاء الدین کی زندگی میں رکن الدین کے منظور نظر، عنایت یافتہ و دوست سمجھتے تھے اور جنہیں رکن الدین نے باپ کا جانشین ہونے کے بعد عزت دی اور اپنا خاص و مقرب بنایا تھا ان لوگوں کو بھی اس کام (علاء الدین کو قتل) میں رکن سے سازباز کرنے کے الزام میں متہم کرتے تھے بلکہ کہتے تھے کہ رکن الدین نے جو اپنے باپ کے قتل کی اجازت دی یا اس پر راضی ہوا تو یہ بات انہیں لوگوں کے سکھلانے اور اکسانے کی وجہ سے تھی (بہرکیف) اللہ ہی چھپی ہوئی باتوں اور پوشیدہ رازسے واقف ہے۔

فصل ششم

رکن الدین کی تخت نشینی اور ملاحدہ کی بربادی

رکن الدین خورشاہ کے حالات

رکن الدین نے تعزیت کی رسوم سے فارغ ہونے اور تخت نشینی کے تین دن بعد اس لشکر کو جسے اس کے باپ نے خلخال کے ناحیہ میں شال رود کی تسخیر کی غرض سے نامزد کیا تھا' روانہ کیا اس لشکر نے قلعہ پر قبضہ کر کے قتل وغارت گری کی۔

پڑوسی ممالک سے محاذ آرائی کا خاتمہ

اس کے بعد رکن الدین نے اپنے باپ کے حالات (وفات) کے تذکرہ کی غرض سے گیلان اور دوسرے پڑوس کے ممالک میں آدمی بھیجے اور اس گروہ سے اپنے باپ کی روش کے برخلاف محاذ آرائی کا خاتمہ کر دیا۔ اس نے اپنے تمام علاقوں میں آدمی دوڑائے کہ راہ راست پر چلیں۔ صلح وسلامتی سے کام لیں اور راستوں کو خطروں سے پاک کریں۔

منگولوں کو دوستی کا پیغام

اس نے ہمدان میں یسور نوین کی خدمت میں قاصد بھیجے کہ اب جب کہ حکومت کی نوبت مجھ تک پہنچی ہے میں اطاعت کی راہ اختیار کروں گا اور مخالفت کی گرد کو خلوص کے چہرہ سے دھو دوں گا۔ یسور نوین نے اس کے جواب میں کہلا بھیجا کہ بادشاہ زادہ ہولاکو کی سواری جلد ہی آنے والی ہے۔ بھلائی اسی میں ہے کہ رکن الدین خورشاہ بنفس نفیس باہر نکلے اور اس کے حضور پہنچنے میں نہایت عجلت سے کام لے۔

منگولی دربار میں قاصد کی روانگی

(بہرکیف) قاصدوں کی آمد وشد کے بعد اس نے یہ پیغام بھیجا اور یہ طے کیا کہ اپنے بھائی شہنشاہ کو آگے روانہ کرے تاکہ وہ یسور نوین کے ہمراہ (ہولاکو کی خدمت میں) روانہ ہو جائے۔ رکن الدین نے جمادی الاولیٰ (۶۵۴ھ) کی پہلی تاریخ کو شہنشاہ کو معززین کی ایک جماعت کے ساتھ بھیجا' یہ لوگ قزدین کے قریب یسور نوین سے ملے۔ یسور نے اپنے بیٹے موراقا کو شہنشاہ کی ہمراہی میں بادشاہ (ہولاکو) کی خدمت میں بھیج دیا۔

رودبار الموت پر منگولوں کی فوج کشی

خودیسور اسی مہینہ کی دسویں کو منگول اور تازیک سپاہ کے ہمراہ رودبار الموت آیا۔ رکن الدین کے سپاہیوں اور فدائیوں نے بھی سیالان کوہ کی چوٹی پر قلعہ الموت میں آدمی اکٹھا کئے اور منگولوں کے لشکر نے بھی نشیب سے اوپر آنے کا فیصلہ کیا بڑی گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ چونکہ پہاڑ کی چوٹی پر تنصیبات مستحکم تھیں اور لوگوں کا بڑا جمگھٹا تھا اس لئے منگولوں کا لشکر وہاں سے لوٹ گیا (اور نیچے آکر) ملاحدہ کے تمام غلوں (کے انبار) کو تلف اور سارے علاقے کو برباد کرنے میں مشغول ہو گیا۔

منگولی سفیروں کی آمد

اس (جھڑپ کے دوران وہ ایلچی جنہیں بادشاہ جہاں (ہولاکو) نے استو کے مقام سے شہنشاہ کی اظہار بندگی و اطاعت کی غرض سے آمد کے بعد روانہ کیا تھا' جمادی الاخرہ کے مہینے میں رکن الدین کی خدمت میں آئے) (اسی اثناء میں وہ قاصد و سفراء جنہیں بادشاہ جہاں (ہولاکو) نے شہنشاہ کی مطیعانہ حاضری کے بعد استو کے مقام سے روانہ کیا تھا' جمادی الاخرہ کے آخری دنوں میں رکن الدین کے پاس پہنچے) انہوں نے بادشاہ کی مہربانی و اطاعت کا فرمان پہنچایا "کہ جب رکن الدین نے اپنے بھائی کو بھیجا' اظہار بندگی کیا اور کر رہا ہے' تو ان گناہوں کو جو اس کے باپ اور اس کے آدمیوں نے اس کے باپ کے زمانے میں کیا تھا' میں نے معاف کیا اور خود رکن الدین سے اپنے باپ کے جانشین ہونے کے بعد کوئی قصور سرزد نہیں ہوا ہے' اسے چاہئے کہ اپنے قلعوں کو مسمار کردے اور ہماری بندگی و اطاعت کرے ہماری فوجیں اس کے ملک میں لوٹ مار اور تخریب کاری نہ کریں گی۔"

رکن الدین کا اظہار اطاعت

رکن الدین نے اطاعت کا اظہار کیا اور اپنے چند قلعوں کو تڑوا دیا۔ الموت' میمون دز' اور لمسر کے پھاٹکوں کو اکھڑوا دیا اور کچھ دیواروں کے سروں اور کنگروں کو گروا دیا۔ چنانچہ بادشاہ (ہولاکو) کے حسب الحکم یسور نوین اور منگولی فوجیں اس کے ملک سے واپس چلی آئیں بادشاہ (ہولاکو) کے ایک درباری اور اس کی ہمراہی میں صدرالدین بادشاہ ہولاکو کی خدمت میں ان حالات کی اطلاع دینے' محافظ و شحنہ کی تقرری کی درخواست کرنے اور قبول اطاعت کے لئے ایک سال کی مہلت مانگنے کی غرض سے روانہ ہوئے (ہولاکو کے) کچھ ایلچی

وہیں (رکن الدین کے ملک میں) باقی قلعوں کو برباد اور مسمار کرنے کی غرض سے رک گئے۔

منگولی دربار میں ایلچیوں کی حاضری اور واپسی

اوائل شعبان (۶۵۴ھ) میں بادشاہ ہولاکو کے ایلچی اور صدر الدین (خبوشان اور بسطام کے مابین) اس کے دربار میں پہنچے (یہاں سے وہ لوگ) اس کے لشکرگاہ سے واپس لوٹے اور (رکن الدین خورشاہ کی خدمت میں) واپس پہنچے۔ اور اسے ترغیب آمیز و ترہیب انگیز فرمان پہنچایا۔ ان ایلچیوں کے ہمراہ تولاک بہادر بھی آیا تھا کہ اگر رکن الدین حکم مان کر ہولاکو کی خدمت میں روانہ ہو تو تولاک باستانی یعنی شحنہ کے بطور اس کی عدم موجودگی میں اس کے ممالک کی حفاظت اور دیکھ بھال کرے۔

رکن الدین کا منگولی دربار میں حاضری سے گریز

چونکہ رکن الدین اپنی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے ہولاکو کے دربار میں جانے سے رکتا ڈرتا، سستی دکھاتا اور بہانہ کرتا تھا اس لئے اس نے اپنے وزیر شمس الدین گیلکی اور اپنے باپ کے برادر عم زاد (اپنے باپ کے چچا کے بیٹے) سیف الدین سلطان ملک بن کیا ابو منصور کو ایلچیوں کے ساتھ ہولاکو کی خدمت میں ۱۷ شعبان کو روانہ کیا۔ اور خود آنے سے معذوری کا اظہار کیا اور مہلت طلبی کا اعادہ کیا۔ اس نے دو احکام بھی بھیجے کہ اس کے نائب' گردکوہ اور قہستان سے بادشاہ (ہولاکو) کی اطاعت کی غرض سے حاضر ہوں۔ یہ دو افراد ری کے حدود میں دربار شاہی میں پہنچے۔

خورشاہ اور گردکوہ و قہستان کے حکام کی طلبی

جب بادشاہ کا لشکر لار اور دماوند کے علاقہ میں پہنچا تو وہاں سے شمس الدین گیلکی کو گردکوہ روانہ کیا گیا تاکہ وہاں کے حاکم کو اس کے حضور میں لائے۔ اور وزیر (شمس الدین گیلکی) کے ایک ساتھی کو قہستان کے حاکم کی طلبی کی غرض سے روانہ کیا سیف الدین ملک کو قاصدوں کی ایک جماعت کے ہمراہ رکن کے ہاں بھیجا کہ بادشاہ جہاں دماوند میں مقیم ہے رکن الدین کو اس کی بندگی میں وہاں آنا چاہئے اگر اپنی مصروفیات کے باعث اسے کچھ توقف ہے اور دیر کا احتمال ہے تو پہلے اپنے بیٹے کو بھیجنا چاہئے۔ یہ (ایلچی) یکم رمضان کو قلعہ میمون دز پہنچے۔

خورشاہ کا اضطراب اور بیٹے کی روانگی

ان اطراف میں ہولاکو کی فوجوں کی آمد کی خبر سے اور بادشاہی احکام کے باعث رکن الدین اور اس کی قوم سخت اضطراب میں تھی اور ان پر رعب و خوف چھا گیا تھا۔ (سو) رکن الدین نے کہا کہ میں اپنے بیٹے کو بھیجتا ہوں۔ اپنے ناصحوں اور مشیروں کے مشورے سے اس نے یہ ظاہر کیا کہ وہ اپنے بیٹے کو بھیج رہا ہے مگر خفیہ طور سے عورتوں کے مشوروں اور تنگ نظروں کی باتوں پر عمل کر کے اس نے مکرو فریب کیا چنانچہ ایک بچے کو جو اس کے بیٹے کا ہم عمر تھا اپنا بیٹا ظاہر کر کے قاصدوں کے ہمراہ ۱۷ر رمضان کو (ہولاکو کی خدمت میں) روانہ کیا' یہ (سات آٹھ سال کا) بچہ ایک کردی عورت کے بطن سے پیدا ہوا تھا جو رکن الدین کے باپ کے گھر میں خادمہ تھی۔ جب اس عورت کے حمل ظاہر ہوا تو علاء الدین نے (اپنا جرم چھپانے کی غرض سے) اس کو اس کے باپ کے گھر بھیج دیا اور ولادت کے بعد کسی کی ہمت نہ تھی جو یہ کہہ سکے کہ یہ بچہ علاء الدین کا ہے۔ علاء الدین اس کی جانب بالکل توجہ نہ دیتا تھا۔

بیٹے کی واپسی اور بھائی کی طلبی

اس اثناء میں بادشاہ کا لشکر رکن الدین کے ملک کی سرحدوں کے قریب پہنچ چکا تھا' سو اس سے یہ بات کیسے چھپی رہ سکتی تھی۔ اس لئے پتہ چل گیا کہ رکن الدین نے فرضی بیٹے کو بادشاہ ہولاکو کی خدمت میں بھیجا ہے۔ مگر علم ہو جانے کے باوجود بادشاہ نے اس مکر کا پردہ چاک نہیں کیا اور اس سے چشم پوشی کی۔ چنانچہ دو روز کے بعد اس فرضی بیٹے کو یہ کہہ کر کہ ابھی بچہ ہے واپس کر دیا اور کہا کہ اگر رکن الدین ہماری بندگی کے لئے دیر میں آتا ہے تو اپنے دوسرے بھائی کو جلد ہماری خدمت میں بھیج دے تاکہ (رکن الدین کے ایک بھائی) شہنشاہ کو جو ایک عرصہ سے ہمارے لشکر میں مقیم ہے رکن الدین کی درخواست کے مطابق اس کے پاس بھیج دیا جائے۔" یہ فرضی بیٹا ۲۲ر رمضان کو رکن الدین کے ہاں پہنچ گیا تھا۔ اس دوران چونکہ رودبار الموت اور ہولاکو کے لشکر گاہ (اردو) کے مابین فاصلہ کم تھا' اس لئے مسلسل قاصد آجا رہے تھے اور بادشاہ (ہولاکو) کی جانب سے وعدہ' وعید' مدارات اور ڈرانے دھمکانے کی باتیں کرتے رہتے تھے۔

القصہ رکن الدین نے ۵ر شوال (۶۵۴ھ) کو اپنے دوسرے بھائی شیران شاہ کو بادشاہ کی خدمت میں بھیجا۔ شیران شاہ تیسرے دن کہ شوال کی ساتویں تاریخ تھی بنکم کے ناحیہ (اطراف) میں کہ ری کے مضافات میں ہے بادشاہ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت وزیر

گیلکی گرد کوہ سے واپس آچکا تھا اور گرد کوہ کے حاکم قاضی تاج الدین مردان شاہ کو دربار میں پیش کیا تھا۔ اس مقام سے ۹ر شوال کو رکن الدین کے بھائی شہنشاہ کو اس پیغام کے ساتھ واپس کیا گیا کہ اگر رکن الدین قلعہ میمون وز کو مسمار کردے اور خود بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو جائے تو جیسی کہ اس جناب کی عادت ہے اس پر نوازشات وعنایات کی جائیں گی اور جو انجام کار پر غور کرنے سے قاصر رہا تو (اس کے انجام کو) خدا ہی جانتا ہے۔

ہولاکو کی فوجی حکمت عملی

ان باتوں اور قاصدوں کی ایک ماہ کے قریب آمدورفت کے دوران بوقا تیمور کو ایلکای بھاری فوج کے ساتھ اسپیدار کی سمت سے چل کر دریا کی جانب سے ' جو رکن الدین کی مملکت ' خصوصاً" اس کے مستحکم قلعہ و قیام گاہ میمون وز کی پشت پر تھا ' قلعوں اور تمام علاقے کو گھیرے میں لے چکے تھے۔ بادشاہ جہاں (ہولاکو) نے نصف شوال کو بسکریا فکسو سے براہ طالقان رکن الدین کی مملکت کا رخ کیا۔ اور ۱۷ر ماہ (شوال) کو قلعہ میمون وز کے زیریں میدان میں پڑاؤ کیا۔ دوسری (منگولی) افواج بھی مختلف سمتوں سے آکر مل گئیں اور اس قلعہ کو نرغے میں لے لیا۔

ملاحدہ سے منگولوں کی جھڑپیں

چونکہ رکن الدین سعادت کی اتباع اور اپنی مصلحت کی راہ کی تلاش میں سستی اور توقف کرتا تھا اور قلعہ سے نکل کر بادشاہ کی خدمت میں آنے سے انکار کرتا تھا (رکتا تھا) اس لئے بادشاہ (ہولاکو) کی کچھ فوجوں کی طرف سے جو قلعہ کے گرد متعین تھیں اس پہاڑ (قلعہ) کے مکینوں کے ساتھ چھیڑ چھاڑ اور لڑائی ہوئی جس سے پہاڑ کے ان باسیوں اور رکن الدین کے سپاہیوں نے نقصان اٹھایا اور انہوں نے بادشاہی قدرت وسطوت ومہابت کا مزہ چکھا۔

گھمسان کا رن

آخر ۲۵ر شوال (۶۵۴ھ) کو بادشاہی لشکر نے جنگ کی (جنگ سلطانی بود) بڑے گھمسان کا رن پڑا جس سے زیادہ خوفناک جنگ کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔

خورشاہ کی ہولاکو کے ہاں باریابی

(اب) رکن الدین نے حالات کو بھانپ لیا اور یہ جان گیا کہ وہ (ہولاکو سے مقابلہ کی) طاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے دوسرے دن اپنے اکلوتے بیٹے اور اپنے ایک بھائی ایران شاہ نامی کو معززین، کفاۃ اور مقدموں کی ایک جماعت کے ہمراہ قلعہ سے باہر بھیجا اور خود روز یکشنبہ ۲۹ر شوال (۶۵۴ھ) کو بادشاہ جہاں کی خدمت میں مطیعانہ حاضر ہوا اور بادشاہ کے حضور حاضری کی سعادت حاصل کی۔ وہ اپنی تمام قوم اور متوسلین کو میمون دز سے باہر لایا۔ اور جو خزانے اس کے پاس تھے انہیں حضور میں پیش کیا۔

ہرچند کہ اس خزانے کا جتنا شہرہ تھا اس کے مقابلے میں اس کی کچھ شان و شوکت نہ رہ گئی تھی اس نے اس کو بادشاہ کی نذر کیا۔ بہرکیف جو مال و دولت قلعہ سے لائی گئی (ہولاکو نے) اسے فوجیوں میں تقسیم کردیا۔ اور وہ قلعہ فتح ہوگیا۔ اسی طرح رکن الدین کے دوسرے قلعے (بھی مسخر ہوگئے) جیسا کہ اس کے بعد کے بیان سے قلعوں کی نگرانی اور ان تمام علاقوں کی فتح (کے حالات) روشن و واضح ہو جائیں گے۔

خورشاہ کی مدت حکومت

رکن الدین خورشاہ کے باپ علاء الدین کا قتل شوال ۶۵۳ھ کے آخر میں ہوا تھا اور اپنے پیرووں اور ماتحتوں پر رکن الدین کی حکومت کا آغاز اسی شوال (۶۵۳ھ) کے آخری دن سے ہوا تھا۔ یہ شوال ۶۵۴ھ کی آخری تاریخ تھی کہ وہ میمون دز سے باہر آیا اور بادشاہ (ہولاکو) کی خدمت میں کھڑا ہوا (یوں) باپ کی جگہ اس کی حکومت کی مدت پورے ایک سال تھی۔

رکن الدین کے قلعوں کا بیان

چونکہ ابھی رکن الدین کا نصیب جاگ رہا تھا، قلعہ میمون دز سے باہر آیا اور ہولاکو کے امراء میں سے ایک (منگول) امیر تمغائی حفاظت کی غرض سے اس کے ہمراہ تھا اس زمانہ میں رکن الدین نے اپنے معتمدوں کو قاصدوں کے ساتھ ان ممالک کے قلعوں کے مسمار و خراب کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ انہوں نے چالیس سے زیادہ قلعوں کی پڑتال کی اور ان کے باشندے جو ملحد تھے (خورشاہ کے) حکم کے مطابق قلعہ سے نکل آئے مگر الموت اور لمسر کے محافظوں نے بہانے کئے اور یہ درخواست کی کہ جب بادشاہ (ہولاکو) کی سواری الموت کے قریب پہنچے گی تو وہ قلعہ سے نیچے آئیں گے۔

ہولاکو کی واپسی اور شہرک میں قیام

بادشاہ نے دو تین دن بعد وہاں سے کوچ کیا۔ لشکر شاہی شہرک رودبار سے پھر گزرا اور وہاں خیمہ زن ہوا۔ یہ شہرک (چھوٹا شہر) اسلام سے پہلے دور جاہلیت میں اور اسلامی دور میں الحاد (اسماعیلیوں) سے پہلے دیلم کے بادشاہوں کا مرکز رہا تھا۔ علاء الدین کے دور حکومت میں یہاں ایک باغ اگایا گیا ایک اور عمارت (کوشک) تعمیر کی گئی تھی اور یہ اسماعیلیوں کی تماشاگاہ (تفریح گاہ) تھی۔ (شہرک رودبار کے مقام پر منگولوں نے) نو دن تک فتح و کامیابی کا جشن منایا۔

الموت اور لمسر کی تسخیر

یہاں سے (لشکر شاہی) الموت کے پایہ (نیچے کے میدانی علاقہ) میں گیا اور ایک دن وہاں ٹھہرا۔ رکن الدین کو قلعہ کے نیچے بھیجا گیا اس نے ان لوگوں سے بات کی اور انہیں بلایا۔ اس قلعہ کے مقدم نے جس کا نام مقدم الدین تھا سرکشی اختیار کی اور قلعہ سے نیچے آنے سے صاف انکار کردیا۔ بادشاہ زادہ (ہولاکو) نے (امیر) بلغای کو ایک لشکر جرار کے ساتھ (الموت کے) محاصرہ کے لئے چھوڑا اور خود لمسر کی جانب روانہ ہوا۔ (محاصرہ کی شدت کے باعث) الموت کے لوگ مصلحت کے دروازے سے داخل ہوئے اور مخالفت کے راستے کو مسدود کردیا اور لمسر میں رکن الدین کے پاس مسلسل آدمی بھیجنا شروع کیا کہ بادشاہ (ہولاکو) کے حضور میں ان کی لغزشوں کی سفارش کرکے امان کا فرمان حاصل کرے۔ (رکن الدین) وہاں گیا مقدم (الموت) قلعہ سے نیچے آیا اور منگولوں کی ایک جماعت اوپر (قلعہ میں) گئی رکن الدین کو بھی قلعہ میں جانے کی اجازت دی گئی۔ ان (منگولوں نے) وہاں کے قلعہ شکن آلات (منجنیقوں) کو توڑ ڈالا' دروازے اکھاڑ دیئے۔ قلعہ کے مکینوں نے تین دن کی مہلت مانگی اور اپنے مال و اسباب کے منتقل کرنے میں مشغول ہوگئے۔ چوتھے دن تمام لشکری اور غیر منظم شاگرد پیشہ (لشکریان و حشریان) قلعہ میں گھس گئے ور جو کچھ بچ رہا تھا اسے لوٹ لیا۔

الموت ایک پہاڑ ہے جسے ایسے اونٹ کے مشابہ کہا گیا ہے جو زانو مارے اور زمین پر گردن رکھے ہوئے بیٹھا ہو۔

الموت کا کتب خانہ

میں (جوینی) جس زمانے میں (قلعہ) لمسر کے دامن میں (بادشاہ ہولاکو کے ساتھ) تھا'

مجھے (الموت کے) اس کتب خانے کو دیکھنے کا اشتیاق ہوا جس کی شہرت دور دور کے ممالک و اطراف میں پھیلی ہوئی تھی۔ الموت کی فتح کے بعد میں نے (ہولاکو سے) عرض کی کہ الموت کی نفیس کتابوں کو ضائع نہیں کرنا چاہئے۔ بادشاہ نے اس بات کو پسند کیا اور حکم دیا سو میں اس کے مطالعہ کی غرض سے (الموت) گیا اور میں نے جو قرآن مجید کے نسخے اور نفیس کتابیں پائیں انہیں یوں نکال لیا جیسے اللہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے (یخرج الحی من المیت ۹۶) اور رصد کے آلات از قسم کراسی' ذات العلق' اسطرلا بہائے تام' نصف' شعاع وغیرہ جو وہاں موجود تھے وہ بھی میں نے لے لئے باقی (کتابیں) جن کا تعلق (ملاحدہ کی) گمراہی و سرکشی سے تھا جو نہ تو منقولات میں مستند تھیں اور معقولات میں معتمد (قابل اعتماد) میں نے انہیں جلوا دیا ہرچند کہ وہاں خزانے بھرے ہوئے تھے اور سونے چاندی کی اشیاء ان گنت تھیں میں نے ان پر "اے زرد (سونا) زرد ہو جا اور اے سفید (چاندی) سفید ہو جا" پڑھا اور کرم کی آستین جھاڑلی (یعنی غنائے نفس کے سبب ان سے بے رغبتی برتی)

الموت کی تاریخ

مجھے مطالعہ کے دوران (وہاں) تاریخ جیل و دیلم نامی ایک کتاب ملی جسے فخر الدولہ ۹۷ بویہی کے نام پر تصنیف کیا گیا تھا (اس کتاب میں) الموت کے ذکر میں یہ تحریر ہے کہ دیلم کے بادشاہوں میں سے' جنہیں ارجستان کہتے ہیں' ایک بادشاہ نے ۲۴۶ھ میں اس پہاڑ پر ایک عمارت کی تعمیر شروع کی تھی شاہان دیلم کو اس پر فخر رہا ہے اور اسماعیلی داعیوں کو اس سے غلبہ و اقتدار حاصل ہوا ہے۔ سلامی ۹۸ کی تاریخ میں مذکور ہے کہ عراق پر دیالمہ کے قبضے کے زمانے میں اس جگہ کے کوتوال کو سیاہ چشم کہتے تھی اس نے مصر کے اسماعیلیوں کی دعوت قبول کرلی تھی اس قلعہ میں اس کے منتقل ہونے کا ذکر حسن صباح کے تذکرئیں آچکا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ (الموت) ایسا قلعہ ہے جس میں اندر جانے' باہر آنے اور اوپر چڑھنے کے راستوں کو گچ کی دیواروں اور سیسہ پلائی ہوئی بنیادوں سے اس قدر مستحکم کیا گیا تھا کہ اس کی تخریب کے وقت لوہا گویا پتھر پر سر پٹکتا تھا اور (حیرت سے) اپنے ہاتھ کو دانت سے کاٹتا تھا (یعنی الموت کے راستوں کو لوہے کے بنے ہوئے آلات بھی کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے) ان پتھروں کے سوراخوں میں چند طویل' عریض و بلند زمین دوز مسقف راہ داریاں ۹۹ بنائی تھیں اور گہرے حوض تعمیر کئے تھے جو گچ اور پتھر کے استعمال سے مستغنی تھے۔ گویا آیت قرآنی و تنحتون من الجبال بیوتا ۱۰۰ (اور تم لوگ پہاڑ کاٹ کر گھر تعمیر کرتے ہو) انہیں (راہ داریوں اور حوضوں) کے وصف میں نازل ہوئی تھی۔ (ان پہاڑوں میں) شراب' سرکہ' شہد اور مختلف اقسام کے مائع (رقیق) اشیاء اور جامد (ٹھوس) اجناس کے لئے ذخیرے اور

حوض تراشے گئے تھے انسانی قوت و طاقت سے بڑھ کر عمارات کی تعمیر کے ضمن میں جنات و شیاطین کے بارے میں قصوں اور کتب تفاسیر میں جو کچھ مذکور رہے' اس کی نظیر ان انسانی تعمیرات میں دیکھنے میں آئیں۔ یہاں کے ذخیروں کو تاراج کرنے اور انہیں باہر نکالنے کے وقت ایک آدمی نے شہد کے حوض میں غوطہ لگایا اسے اس کی گہرائی کا پتہ نہ تھا' وہ اس حوض میں (حضرت) یونس کی طرح غسل کرتا تھا اور جو اللہ کی نعمت اسے میسر نہ آتی تو وہ غرق ہو جاتا اور مذموم و ناپسندیدہ ٹھہرتا۔ شاہرود سے ایک نہر کاٹ کر قلعہ کے نیچے تک لائی گئی ہے اور وہاں سے قلعہ کے نصف مدار پر ایک نہر پتھر میں کاٹ کر بنائی گئی ہے جس کے نشیب میں دریا جیسے (بڑے بڑے) تنگی حوض بنائے گئے ہیں کہ پانی خود سے ذخیرہ کرنے کی غرض سے وہاں جاتا اور وہاں سے برابر بہتا رہتا ہے۔ یہاں کے اکثر مائع (رقیق) اور جامد (ٹھوس) ذخیرے جنھیں (اسماعیلیوں نے) حسن صباح کے زمانے سے یہاں رکھا تھا اب تک کہ ایک سو ستر سال سے اوپر ہو چکے ہیں (۶ر رجب ۴۸۳ھ سے ذی القعدہ یا ذی الحجہ ۶۵۴ھ تک ایک سو اکتھر سال چار یا پانچ ماہ کی مدت) ان میں ذرا بھی (مزہ' رنگ اور بو میں) تغیر اور خرابی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ اسماعیلی اس بات کو حسن صباح کی برکت سمجھتے تھے۔ (اس قلعہ کے) جنگی آلات' اور ذخائر کی تفصیل اس سے زیادہ ہے کہ کسی تکلیف کے بغیر کتاب میں درج کی جا سکے (یعنی ان ذخیروں کا بیان ملال آمیز طوالت کے بغیر کتاب میں نہیں سما سکتا)۔ (بادشاہ ہولاکو نے) ایک امیر کو خواص و عوام امراء و غیر منظم سپاہیوں کی بہت بڑی جماعت کے ساتھ اس قلعہ کی تخریب پر مقرر کیا جب کدال سے انہیں برباد کرنا ممکن نہ ہوا تو (یہ لوگ) ان عمارتوں کے اوپر آگ لگا کر انہیں توڑتے تھے اس کام میں مدت دراز تک یہ لوگ مصروف رہے۔

ہولاکو کا لمسر میں قیام

بادشاہ (ہولاکو) نے لمسر میں جو اس خطہ کا موسم سرما گزارنے کا مقام (سرمائی مقام) تھا' قیام فرمایا اور یہاں کے شیاطین (بدمعاشوں' اسماعیلیوں) کو چند روز کی مہلت دی تاکہ وہ لوگ گمراہی ترک کر دیں' اور اس قوم کے سانپ اپنے بلوں سے باہر آ جائیں مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا۔ (نتیجہ کے طور پر بادشاہ نے) طائر بوقا کو منگولوں اور تاجیکوں کی ایک فوج کے ساتھ اس کے محاصرہ کے غرض سے وہاں چھوڑ کر ۱۶ر ذی الحجہ ۶۵۴ھ کو کامیابی و کامرانی کے ساتھ مراجعت فرمائی۔

خورشاہ کا قزوین میں قیام

رکن الدین کے اہل و عیال کو ملازمین اور سواریوں کے ساتھ قزوین میں سکونت (اختیار کرنے) کا حکم دیا۔ اور اس کی فوج کو منتشر کرکے امراء میں بانٹ دیا۔ خود رکن الدین بادشاہ کی خدمت میں اس کے لشکر گاہ (اردو) میں جو ہمدان کی حدود میں تھا آکر شامل ہو گیا۔ اس نے اپنے دو تین قابل اعتماد آدمیوں کو بادشاہ کے قاصدوں کے ہمراہ شام کے (اسماعیلی) قلعوں کی جانب وہاں کے کوتوالوں (قلعہ داروں) کو لانے کی غرض سے روانہ کیا۔ تاکہ وہ ان کو دربار میں حاضر کریں، ان کے خزانوں کو ضبط تحریر میں لائیں اور ان قلعوں کی بادشاہ کے نام پر حفاظت کریں اور جب بادشاہ کا آسماں جیسا بلند چتر ان حدود و دیار میں پہنچے تو ان کے بارے میں مصلحت کے مطابق فرمان صادر کیا جائے۔

خورشاہ کا ایک منگولی لڑکی سے معاشقہ

رکن الدین (اس دوران) بادشاہ (ہولاکو) کی نوازش و کرم کا سزاوار رہا۔ اس دوران میں وہ ایک گھٹیا منگول کی بیٹی پر عاشق ہو گیا۔ (بر یکی از بنات اراذل اتراک عاشق شد) اور مجنون کی طرح اپنے ملک و بادشاہی کے خطبہ کو اس کے ساتھ خطبۂ (نکاح) سے تبدیل کر لیا۔ جب بادشاہ کے حکم سے اس منگولی لڑکی کو اس کے سپرد کیا گیا تو وہ حد درجہ خوش ہوا اور ایک دن شراب نوشی کی محفل میں مطربوں (گویوں) سے یہ رباعی گانے کی فرمائش کی۔

شاہا بدرت بزینہار آمدہ ام
دز کردہ خویش شرمسار آمدہ ام
اقبال تو آورد مرا موی کشاں
ورنہ بچہ کار بچہ بار آمدہ ام

(اے بادشاہ میں تیرے در پر پناہ لینے آیا ہوں۔ اپنے کئے پر شرمندہ ہو کر آیا ہوں)
(تیرا اقبال مجھے بال پکڑ کر لایا ہے۔ ورنہ میں کس کام سے اور کس ساز و سامان سے آیا ہوں۔)

بختی اونٹوں کی فرمائش

رکن الدین دیوانگی کے دیگ میں زبختی اونٹوں کی ہوس کو پکاتا تھا (یعنی اپنی خام خیالی یا سودادی مزاج کے سبب زبختی اونٹوں کے حصول کی خواہش ہوئی۔ اور اس کے دماغ میں زبختی اونٹوں کا سودا سمایا) وہ ہمیشہ جان کاروں سے اس بارے میں پوچھ کچھ کرتا رہتا تھا۔

ایک دن بادشاہ (ہولاکو) نے اسے اس غرض سے سو اونٹنیوں کے دیئے جانے کا حکم دیا مگر اس نے اسے قبول نہ کیا اور کہا کہ میں کب ان کے بچے دینے (اور ان کے بڑے ہونے کا) انتظار کر سکتا ہوں اس نے تمیں نر اونٹوں کے دیئے جانے کی درخواست کی۔ اس ہوس کا مقصد یہ تھا کہ وہ اونٹوں کی لڑائی کا تماشہ دیکھنا چاہتا تھا۔

خورشاہ کی قراقورم روانگی

قصہ مختصر جب رکن الدین شادی کی مصروفیات اور عروسی کے معاملات سے فارغ ہوا تو اس نے بادشاہ سے یہ درخواست کی کہ اسے منکوقا آن کے دربار میں بھیج دیا جائے۔ یہ بات بادشاہ (ہولاکو) کی منشاء کے مطابق تھی چنانچہ وہ یکم ربیع الاول ۶۵۵ھ کو نو دس آدمیوں کے ہمراہ ایلچیوں کی مصاحبت میں (منکوقا آن کے) دربار میں (حاضری کی غرض سے) روانہ ہوا۔

خورشاہ کا انجام اور ملاحدہ کی بربادی

جب رکن الدین کو بادشاہ (ہولاکو) نے اس کی درخواست پر بادشاہ جہاں منکوقا آن کی خدمت میں بھیجا تو اس نے بادشاہ ہولاکو سے یہ عرض کیا کہ وہ جب (قلعہ) گردکوہ پہنچے گا تو وہاں کے بدبختوں (قلعہ کی مدافعت کرنے والے اسماعیلیوں) کو (پہاڑ کی) چوٹی سے نشیب میں لائے گا۔ (ان سے ہتھیار ڈلوا دے گا) رکن الدین روانہ ہوا تو بادشاہ نے منگولوں کی ایک جماعت کو اس کی حفاظت و خدمت کی غرض سے نامزد کیا۔ جب وہ گردکوہ کے دامن میں پہنچا تو اس نے (محصورین سے) ظاہر داری کے طور پر نیچے اتر آنے (اور اطاعت قبول کرنے) کو کہا اور خفیہ انہیں یہ کہلا بھیجا کہ نیچے نہ اترنا (اور منگولوں کی اطاعت نہ قبول کرنا) جب یہ لوگ (گردکوہ سے) روانہ ہوئے (تو اثنائے سفر میں) بخارا کے مقام پر (رکن الدین نے) اپنی عقل کے مطابق ایلچیوں سے جھگڑا کیا اور انہوں نے ایک دوسرے کو گھونسے مارے۔ قا آن کا یاسا (آئین) اور منکوقا آن کا فرمان یہ تھا کہ ان (اسماعیلیوں) میں سے یک بارگی (سب کو مار ڈالیں) حتیٰ کہ ان بچوں کو بھی جو ابھی گہوارہ میں ہیں زندہ نہ چھوڑیں۔ چنانچہ رکن الدین کے تمام (درباری، حوالی موالی) ہزاروں اور سینکڑوں (کی تعداد) میں چاق و چوبند، ہوشیار چوکس محافظوں و موکلوں کی تحویل میں تھے (سفر کے دوران) جو افعال و اقوال ان سے سرزد ہوئے ان کے سبب (قا آن کے یاسا کے نفاذ میں) عجلت کرنی پڑی۔ اور یہ بات اس گروہ کی خوں ریزی کا سبب بن گئی۔ چنانچہ فرمان جاری ہوا کہ تمام (منگولی)

لشکروں میں ایلچی بھیجے جائیں تاکہ ہر گروہ اس (اسماعیلی) جماعت کو جو اس کے سپرد کی گئی تھی، جان سے مار ڈالے۔

قراقای بیتکچی قزوین گیا جہاں منگولوں نے رکن الدین کے بیٹوں، بیٹیوں، بھائیوں، بہنوں اور ہر اس شخص کو جو اس خاندان اور قوم سے تھا فنا کی آگ میں جلا دیا (فنا کردیا) (بنین و بنات و اخوان و اخوات و ہر کس کہ از تخم او و قوم او بود بر آتش فنا نہادند) ان میں سے دو تین آدمیوں کو بلغان کے حوالہ کیا گیا تاکہ وہ انھیں اپنے باپ چغتائی کے قصاص میں، جسے فدائیوں نے خنجر مار کر ہلاک کردیا تھا، مار ڈالے۔ (پایان کار) ان کی نسل سے کوئی آدمی زندہ نہ رہا (و از نسل ایشاں ہیچ کس نماند) اوتا کو جینا کے پاس، جو خراسان (میں مقیم منگولی) لشکر کا سپہ سالار تھا اور قہستان کے امور کا انصرام اس کے سپرد تھا، (اس قسم کا) فرمان بھیجا گیا وہ بھی اس جماعت (اسماعیلیہ) میں سے ان لوگوں کو جو الحاد میں راسخ العقیدہ تھے، اکٹھا کرنے کے بہانے سے باہر لایا (ببہانہ حشر بیروں راند) اور (ان میں سے) بارہ ہزار آدمیوں کو جان سے مروا دیا۔ اس طرح جہاں بھی (اسماعیلی) تھے، ان سب کو نیست و نابود کردیا گیا (تمامت رانیست کردند)۔

جب رکن الدین (منگولوں کے پایہ تخت) قراقورم پہنچا تو بادشاہ عالم منکو قاآن نے فرمایا کہ اسے اتنی طویل مسافت تک لانا ایک طرح کی زیادتی ہے (ہمارے ماتحتوں کو) ہمارے قدیم یاسا (حکم) کا علم ہے (یعنی ہولاکو ہی کو چاہئے تھا کہ اسے قتل کروا دیتا ہمارے پاس بھیجنے کی کیا ضرورت تھی) چنانچہ اس نے رکن الدین کو (اپنے دربار میں حاضری اور نذر پیش کرنے کی) اجازت نہ دی۔ اور اس کے پاس یہ حکم بھیجا کہ "اسے ہماری اطاعت و فرماں برداری کا دعویٰ ہے پھر کیا بات ہے کہ کچھ قلعوں کو اس نے (اب تک) ہمارے حوالہ نہیں کیا اور ان پر ہمارا قبضہ نہیں کروایا اسے چاہئے کہ گردکوہ اور لمسر کے قلعوں کی جانب واپس جائے، ان قلعوں کو منہدم کرائے، تو دوسری بار اس کو حضوری کے شرف سے مشرف کیا جائے گا۔"

رکن الدین کو (قراقورم) سے واپس کردیا گیا۔ جب یہ لوگ یہ لوگ تنغات سالا (TOUNGAT) کے کنارے پہنچے تو رکن الدین کو اس بہانے سے کہ اسے انعام و اکرام دینے کی غرض سے شاہی قاصدوں نے ایک محفل جشن ترتیب دی ہے راستہ سے لوٹا دیا گیا ان کرتوتوں کا وبال جو اس کے آباؤ اجداد نے مخلوق خدا کے ساتھ کیا تھا اسے چکھا دیا گیا اور اسے اور اس کے متعلقین کو پاؤں سے کچلا اور تلوار کے گھاٹ اتار دیا چنانچہ اس کا اور اس کے خاندان (نسل) کا کوئی اثر باقی نہ رہا وہ اور اس کے عزیز و اقارب (لوگوں کی) زبانوں پر قصہ کہانی ہوگئے اور وہ دنیا میں داستان بن گئے۔ دنیا جو ان کی خباثت سے آلودہ ہوگئی تھی

پاک وصاف ہو گئی۔ (اس علاقے میں) آنے جانے والے بے خوف و ہراس اور محافظوں کی زحمت اٹھائے بغیر آجا رہے ہیں۔ اور بادشاہ جواں بخت (ہولاکو) کو دعا دیتے ہیں، جس نے ان (اسماعیلیوں) کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور ان میں سے کسی کا نام ونشان باقی نہ چھوڑا (داز کسے ازیشان اثر نگذاشت) سچ بات ہے کہ یہ کام (یعنی ملاحدہ کا استیصال) مسلمانوں کے زخموں کا مرہم تھا اور دین میں خلل اندازی کا اس سے تدارک ہو گیا۔ وہ لوگ جو اس زمانے کے بعد آئیں گے وہ یہ جانیں گے کہ (ملاحدہ کا) فتنہ کس حد تک (تباہ کن) تھا اور مخلوق دنیا کے دلوں میں کس درجہ (ان سے) تشویش تھی۔ گزشتہ بادشاہوں کے زمانے سے موجودہ دور کے بادشاہوں تک اگر کسی (حکمراں) کا ان (اسماعیلیوں) سے موافقت اور میل جول بھی رہا تو وہ خوف و ہراس (کے سبب) تھا۔ وہ ان (اسماعیلیوں) کی مخالفت کے باعث رات دن ان کے خنجرزن بد معاشوں کے ڈر سے زندان (قید خانے) جیسی تنگی میں رہتے تھے۔ یہ ایک پیانہ تھا کہ ختم ہوا اور ہوا تھی جو بند ہو گئی۔

یہ یاد رکھنے والوں کے لئے تذکرہ، عبرت ہے اور اللہ ظالموں کے ساتھ ایسا ہی سلوک کرتا ہے۔[۱۰۲]

حواشی

بر متن جہاں گشائی جلد سوم

۱۔ یہ فرقہ کیسان کی نسبت سے کیسانیہ کہلاتا ہے۔ کیسان حضرت علی کے غلام کا نام تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ کیسان مختار ثقفی کا لقب تھا۔ بہرکیف اس فرقہ کا بانی مختار ثقفی ہی ہے۔ کیسان حضرت علی کے بیٹے محمد بن حنفیہ کا شاگرد تھا اس نے ان سے علم تاویل باطن اور آفاق وانفس کی تعلیم پائی۔ اس فرقہ کے خاص خاص عقائد یہ ہیں۔

۱۔ اللہ سے احکام میں غلطی ہو سکتی ہے چنانچہ حکم سابق کو منسوخ کر کے وہ دوسرا حکم نافذ کرتا ہے۔ اسے "بداء" کہتے ہیں۔

۲۔ محمد بن حنفیہ امام اور علم باطن و اسرار تاویل کے ماہر ہیں۔

۳۔ ارکان شرعیہ کی ظاہری صورتوں میں کوئی حیثیت نہیں ان کی تاویل امام کرتا ہے۔

۴۔ یہ فرقہ تناسخ، حلول اور رجعت امام کا قائل ہے۔ (ابن قتیبہ، المعارف، مصر ۱۹۶۰ء ص ۱۲۲، اسفرائنی، التبصیر ۱۹۴۰ء ص ۱۸، شہرستانی، الملل والنحل مصر ۱۳۸۱ھ ۱: ۱۴۷)

۲۔ محمد بن حنفیہ حضرت علی کے بیٹے ہیں ۱۶ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور ۸۱ھ میں طائف میں وفات پائی۔ فرقہ کیسانیہ کے مطابق آپ زندہ ہیں اور عرب کے پہاڑ رضوی میں اقامت گزیں ہیں۔ آپ مہدی ہیں اور جلد رجعت فرمائیں گے (التبصیر ص ۱۸، ۱۹ و المختصر فی اخبار البشر مصر ۱۳۲۵ھ ج ۲: ۱۴)

۳۔ زید کی کنیت ابوالحسن تھی وہ امام حسینؓ کے پوتے اور امام زین العابدین کے بیٹے تھے۔ انہوں نے ۱۲۲ھ میں ہشام بن عبدالملک کے خلاف کوفہ میں خروج کیا، ان کے ساتھیوں نے انہیں دھوکہ دیا اور وہ مار دیئے گئے۔ ان کے نام سے شیعوں کے جس فرقے کو انتساب ہے وہ زیدیہ کہلاتا ہے۔ زیدیہ اصول و عقائد میں معتزلہ کے اور فروع و مسائل میں حنفیہ کے ہم مسلک ہیں۔ (الملل والنحل ۱: ۱۵۴۔۱۵۷)

۴۔ امام محمد الباقر شیعوں کے پانچویں امام ہیں۔ آپ صفر ۵۷ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے

اور یہیں ۱۱۳ھ اور ۱۱۸ھ کے مابین وفات پائی۔ آپ امام زین العابدین کے صاحبزادہ اور امام حسین کے پوتے ہیں۔ (طبقات ابن سعد' بیروت ۱۹۵۷ء ج ۵ ص ۲۳۸ و شہرستانی' الملل و النحل مصر ۱۹۶۱ء ج ۱ ص ۱۶۵) مورخ یعقوبی نے آپ کا سال وفات ۱۱۷ھ لکھا ہے۔ (تاریخ یعقوبی' دار صادر بیروت' ج ۲' ص ۳۲۰)

۵۔ عبداللہ بن معاویہ نے بنو امیہ کے آخری زمانے میں کوفہ میں ۱۲۷ھ میں بغاوت کی شکست کھا کر ایران چلا گیا اور فارس اصفہان و کرمان پر چندے قابض رہا پھر اموی افواج سے شکست کھاکر خراسان بھاگ گیا۔ جہاں ابو مسلم خراسانی نے اسے قید کردیا بعد ازاں ۱۳۰ھ میں قتل کردیا وہ شیعوں کے فرقہ جناحیہ کا بانی و امام ہے۔ (طبری ۷ : ۳۰۲ و بعد)

۶۔ امام جعفر الصادق فرقہ اثنا عشریہ کے چھٹیں امام ہیں۔ آپ امام محمد الباقر کے صاحبزادہ ہیں ۸۳ء میں مدینہ میں پیدا ہوئے اور یہیں ۱۴۸ میں وفات پائی۔ امام جعفر الصادق فقہ جعفریہ کے مدار علیہ و علوم اہل بیت کے امین و داعی ہیں۔ (الملل و النحل ۱ : ۱۶۶ و ابو الفداء' المختصر فی اخبار البشر' ط مصر ۱۳۲۵ھ ۲ : ۵)

۷۔ محمد الدیباج امام جعفر صادق کا بیٹا تھا۔ اس نے المامون کے دور میں ابو السرایا کی حمایت میں علم بغاوت بلند کیا۔ بعد ازاں اپنی امامت و خلافت کی بیعت لی۔ عباسی افواج سے شکست کھائی اور گرفتار کرکے المامون کی خدمت میں لایا گیا۔ المامون نے اسے معاف کردیا۔ اسنے جرجان میں انتقال کیا اور اس کی قبر وہیں ہے۔ (طبری ۸ : ۵۳۹' ۵۴۰)

۸۔ محمد بن زید بن محمد بن اسماعیل بن حسن بن زید بن حسن بن علی ابن ابی طالب اپنے بھائی داعی کبیر حسن بن زید کے بعد طبرستان کا حکمراں ہوا۔ اس نے سترہ سال سے زیادہ عرصہ تک یہاں حکومت کی پھر سامانیوں کے ہاتھوں شکست کھاکر مارا گیا۔ طبرستان پر زیدیہ کی حکومت ۲۵۰ھ سے ۳۱۶ھ تک رہی اور چار افراد نے حکومت کی جن میں یہ محمد بن زید دوسرا حکمراں تھا اس کے بعد حسن بن علی اطروش اور حسن بن قاسم داعی صغیر نے یہاں بساط حکومت بچھائی جسے اسفار نے الٹ دیا (تفصیل کے لئے دیکھئے تاریخ ایران از مرزا مقبول بدخشانی' جلد دوم' شائع کردہ مجلس ترقی ادب لاہور)

۹۔ بداء : بداء یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بات کا ارادہ کرلے پھر کسی مصلحت سے اس ارادہ پر نادم و پشیمان ہو کر اسے بدل دے اور اس کے خلاف کرے۔ غلاۃ شیعہ میں کیسانیہ' جو البقیہ' بدائیہ وغیرہ کا یہی عقیدہ ہے۔ مگر امامیہ "بداء" کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ بداء کے معنی ہیں مصلحت کے سبب احکامات میں تغیر و تبدل کرنا۔ یعنی اللہ نے ایک وقت میں کسی

مصلحت سے ایک حکم دیا اور دوسرے وقت کسی دوسری مصلحت کے تحت اس حکم کو بدل کر اسکے برعکس دوسرا حکم دیا۔ اسے نسخ تشریعی بھی کہتے ہیں۔ اس مفہوم میں بداء اللہ پر شیعوں کے نزدیک جائز ہے (حکیم نجم الغنی' مذاہب الاسلام' مطبوعہ رضا پبلیکیشن' لاہور ۱۳۹۸ھ' صفحہ ۴۰۹ و ۴۱۰)

۱۰۔ یہاں اصل کتاب میں بیاض ہے۔ محمد الدیباج بن امام جعفر صادق کے پیروں کا نام نوبختی' شہرستانی اور رازی نے شمطیہ لکھا ہے (نوبختی' فرق الشیعۃ ۹۸' مطبوعہ حیدریہ نجف' شہرستانی' الملل والنحل' ج ۱ ص ۱۶۷' رازی' عقائد مسلمین (اردو ترجمہ پروفیسر علی محسن صدیقی ص ۳۵ و ۴۴' مطبوعہ کراچی ۱۹۷۵ء)

۱۱۔ شہرستانی نے امام جعفر صادق کے بیٹے عبداللہ الافطح کے متبعین کو الافطحیہ کے نام سے منسوب کیا ہے۔ یہ اسماعیل کے حقیقی بھائی تھے۔ اپنے والد کی وفات کے بعد صرف ستر دن زندہ رہے۔ (شہرستانی' الملل والنحل ج ۱' ص ۲۷۴)

۱۲۔ امام علی الرضاء فرقہ اثنا عشریہ کے آٹھویں امام ہیں۔ ۱۴۸ھ میں مدینہ میں پیدا ہوئے اپنے والد امام موسیٰ الکاظم بن امام جعفر الصادق کی وفات کے بعد ۱۸۳ھ میں جانشین ہوئے۔ مامون عباسی ان کی بڑی عزت کرتا تھا اور انہیں مرو بلا کر اپنا ولی عہد کیا تھا۔ انہوں نے ۲۰۳ھ میں اچانک طوس کے قریب انتقال کیا۔ ان کا مزار طوس میں' جواب انہیں کے مقبرے کی نسبت سے المشہد کہلاتا ہے' مرجع انام ہے (ابو الغداء ۲ : ۲۳)

۱۳۔ اسماعیل بن امام جعفر صادق کے سال وفات میں اختلافات ہیں۔ بعض اسماعیلی روایات کے مطابق انہوں نے ۱۳۸ھ اور بعض دوسری اسماعیلی روایات کی رو سے ۱۴۵ھ میں انتقال کیا۔ مگر مصدق بیانات سے پتا چلتا ہے کہ انہوں نے ۱۳۳ھ میں وفات پائی۔ بہرکیف بہر روایت انہوں نے اپنے والد ماجد (امام جعفر صادق متوفی ۱۴۸ھ) کی حین حیات ہی عالم فانی کو الوداع کہا۔ کتب تاریخ و عقائد سے مزید تفصیلات کے لئے رجوع کیا جا سکتا ہے۔ نیز حواشی جہاں گشائی جلد سوم صفحات ۳۱۱ و مابعد میں مزید معلومات ملیں گی۔

۱۴۔ القرآن' سورۃ آل عمران' آیت ۳۴

۱۵۔ القرآن' سورۃ الزخرف' آیت ۲۸

۱۶۔ مستقر و مستودع کی اصطلاحات کی وضاحت اسماعیلیوں کے ہاں یوں ہے کہ "دور ستر میں مستقر امام خدا کے الہام سے حسب ضرورت اپنی جگہ پر اپنے نائبوں کو مقرر کرتا ہے' جو مستودع کہے جاتے ہیں اور جن میں مشہور آدم' نوح' موسیٰ اور عیسیٰ ہیں' اور (مستقر

امام) خود عوام کی نظروں سے پوشیدہ ہوجاتا ہے۔ جب مناسب سمجھتا ہے تو خود بھی کبھی کبھی ظاہر ہوتا ہے مگر اس کا ظہور کلی نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ بعض بعض مقامات پر ظاہر ہوتا ہے جس طرح حضرت ابراہیم کا ظہور شام میں ہوا۔ آپ اپنے زمانے کے مستقر امام بھی تھے یعنی ظاہری شریعت کے علاوہ علم باطن کے بھی مالک تھے۔ آپ کی ذریت میں مستقر اماموں کا سلسلہ عبدالمطلب تک پہنچا۔ ان کے دو فرزند ہوئے۔ ایک عبداللہ جنہیں عبدالمطلب نے ظاہری دعوت کا صدر بنایا اور دوسرے ابو طالب جنہیں دعوت باطنی کا رئیس مقرر کیا۔ عبداللہ کے قائم مقام حضرت محمد صلعم اور ابو طالب کے جانشین حضرت علی ہوئے۔ یعنی ہر بیٹے کو اپنے باپ کی وراثت ملی۔ اسی وجہ سے حضرت محمد شریعت ظاہری کے مالک اور حضرت علی دعوت باطنی کے صدر قرار پائے۔ حضرت علی کی نسل سے قیامت تک ائمہ قائم ہوں گے۔ آخری امام قائم القیامہ ہوگا جو دور کشف کا پہلا امام ہوگا۔ اس کے بعد پھر دور فترت اور اس کے بعد دور ستر واقع ہوگا۔" (فاطمین مصر ۲ : ۲۰۶و۲۰۷ بحوالہ اساس التاویل و الانوار اللطیفہ وغیرہ کتب قدیم (اسماعیلیان) اس بیان کی روشنی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے والد کی طرح مستودع یعنی شریعت ظاہری کے مالک ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنے والد کی طرح مستقر یعنی شریعت باطنی کے صدر ہوئے۔ اور چونکہ اصل مستقر ہوتا ہے جو مستودع کو مقرر کرتا ہے اسی لئے اصل حضرت علی ہوئے جنہوں نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مستودع مقرر کیا (نعوذ باللہ)' یہ بیان کہ حضرت حسین مستقر تھے اور حضرت حسن مستودع' قیاس چاہتا ہے کہ اس اساس پر مبنی ہے کہ حضرت حسین حضرت علی کے وارث ہوئے اور منصب مستقر پر فائز ہوئے جب کہ حضرت حسن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے وارث کے بطور مستودع کہلائے۔ یوں اسماعیلیوں کے ہاں حضرت علی و حسین کا مرتبہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت حسن سے بالترتیب ارفع و اعلیٰ ہوا۔

۱۷ اسماعیل نے ۱۳۳ھ یا ۱۳۸ھ یا ۱۴۵ھ میں وفات پائی۔ ان کے بھائی موسیٰ الکاظم ۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے وہ اپنے بڑے بھائی کی وفات کے وقت خورد سال تھے۔ اس کے برعکس محمد بن اسماعیل ۱۲۱ھ میں پیدا ہوئے وہ اپنے چچا موسیٰ الکاظم سے سات سال بڑے تھے۔ عمدۃ الطالب فی انساب آل ابی طالب کی روایت کے مطابق انہیں محمد بن اسماعیل نے اپنے چچا موسیٰ کاظم کے خلاف خلیفہ ہارون الرشید سے شکایت کی اور اسی وجہ سے اس نے موسیٰ الکاظم کو بغداد لے جا کر قید کر دیا جہاں ۱۸۳ھ میں بحالت قید انہوں نے انتقال کیا۔ بناء بریں

موسیٰ الکاظم کے معاصران کے بھائی اسماعیل نہیں بلکہ ان کے بھتیجے محمد بن اسماعیل ہیں۔ اسماعیلی روایات کے مطابق بھی محمد کے حجاب و مستودع موسیٰ الکاظم تھے (زاہد علی' تاریخ فاطمین مصر کراچی ۱۹۶۳ء ج ا س ۷۹

۱۸۔ القرآن' سورۃ الصافات' آیت ۱۰۷

۱۹۔ عبداللہ بن میمون القداح مضافات اہواز کا باشندہ تھا۔ اس نے الوہیت علی کا دعویٰ کیا۔ شام و عراق میں اپنی دعوت کو منظم کیا اور اطراف و جوانب میں اپنے داعی بھیجے۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا اس دعوت کا سربراہ ہوا اس کے بعد عبداللہ کا پوتا سعید بن حسین بن عبداللہ بن میمون القداح اس کا جانشین ہوا۔ اس کے داعیوں نے المغرب میں اس کی امامت کی دعوت عام کی اور بنو اغلب کی حکومت ختم کرکے ۲۹۷ھ میں اسے تخت نشین کردیا۔ اس نے فاطمی ہونے' امامت و مہدیت کے دعوئے کئے (التبصیر فی الدین' اسفرائنی ص ۸۸' ابن ندیم (ترجمہ اردو) لاہور ۱۹۶۹ء ص ۴۴۹ و ۴۵۰ ابو الفداء' ۲ : ۶۴ فاطمین مصر ا : ۷۶ و ۷۷' امام رازی' عقائد مسلمین و مشرکین (ترجمہ) کراچی ۱۹۷۵ء ص ۷۷)

۲۰۔ عبدان الکاتب' فرقہ قرامطہ کے بانی حمدان بن اشعث المعروف بہ قرمط کا برادر نسبتی دوست اور اسماعیل داعی تھا۔

متعدد اسماعیلی کتب اس کی جانب منسوب ہیں۔ ابو سعید جنابی اور ذکرویہ بن مہرویہ اسی کی تربیت سے گروہ قرامطہ میں شامل ہوئے تھے۔ (علی اکبر دہ خدا' لغت نامہ دہ خدا' مطبوعہ موسسہ خدا' تہران)

۲۱۔ ابو الخطاب محمد بن ابی زینب مقلاص اسدی اجدع غلاۃ شیعہ کے فرقہ خطابیہ کا بانی ہے۔ وہ ابتداء میں امام جعفر الصادق کے اصحاب میں تھا پھر ان کے حق میں غلو کیا اور انہیں الوہیت اور خود کو نبوت کے منصب پر فائز کردیا۔ اس لئے امام جعفر الصادق نے اس کے حق میں بد دعاء کی اور اپنے اصحاب کو اس سے دور رہنے کی تلقین فرمائی۔ عیسیٰ بن موسیٰ عباسی گورنر نے ۱۳۶ء اور ۱۳۸ کے مابین اسے اور اس کے ستر ساتھیوں کو کفر و الحاد کی پاداش میں قتل کرادیا۔ (التبصیر فی الدین ص ۷۰۔ ۷۳' المعارف' ص ۲۲۳' فرق الشیعہ' ص ۹۰' الملل والنحل' ا : ۱۷۹ و ۱۸۰' عقائد مسلمین (ترجمہ پروفیسر علی محسن صدیقی ص ۳۷)

۲۲۔ حلولی و اتحادی۔ مجوس و یہود میں یہ خیالات عام رہے ہیں کہ انسان کے جسم میں

اللہ حلول کرجاتا ہے اور یہ کہ انسان و خدا کا جسمانی و جوہری اتحاد ہوتا ہے۔ اسلام میں انہیں کے اثرات سے فرقہ ہائے مشبہ' حلولیہ و مجسمہ پیدا ہوئے جن کا یہ خیال تھا کہ اللہ بندوں کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ غلاۃ شیعہ میں یہ عقائد عام رہے ہیں مثلاً "اسماعیلیوں کا فرقہ دروزیہ جو الحاکم کو خدا مانتا ہے اور غلاۃ کا فرقہ نصیریہ جو حضرت علی کو الوہیت کی صفات سے متصف کرتا ہے۔ مختلف آئمہ کے بارے میں غلاۃ نے اتحاد و حلول کے عقائد پیش کیے ہیں میں نے اس مسئلہ پر امام رازی کی کتاب عقائد مسلمین و مشرکین کے اردو ترجمہ و حواشی میں تفصیل سے گفتگو کی ہے۔ نیز محمد بن موسیٰ نوبختی کی فرق الشیعہ اور شہرستانی کی الملل و النحل کا مطالعہ بھی مفید ہوگا۔

۲۳۔ المعتمد علی اللہ خلیفہ المتوکل علی اللہ کا بیٹا' ۲۲۹ھ میں پیدا ہوا' ۲۵۶ھ میں تخت نشین ہوا اور ساڑھے تیئس سال تک حکومت کرنے کے بعد ۱۹ رجب ۲۷۹ھ میں انتقال کیا۔ وہ برائے نام خلیفہ تھا۔ اصل اقتدار اس کے بھائی الموفق طلحہ کو حاصل تھا۔ ابن الاثیر ۶ : ۷۳)

۲۴۔ حمدان بن اشعث معروف بہ قرمط۔ فرقہ قرامطہ کا نام اس کے لقب سے ماخوذ ہے۔ یہ بھی اسماعیلی داعی تھا۔ اسی کے ذریعہ اس تحریک کو فروغ ہوا۔ ہرچند کہ اس کی تاریخ وفات کا علم نہیں مگر اتنا معلوم ہے کہ ۲۸۶ء سے اس کا ذکر کتب تاریخ میں نہیں ملتا' سو یا تو حمدان نے اس سال انتقال کیا یا پھر گمنامی کے پردے میں چلا گیا۔ (المختصر فی اخبار البشر ج ۲' ص ۵۵' ۷۴' ۹۸ و ۱۱۳' عقائد مسلمین (ترجمہ) ص ۷۹)

۲۵۔ جوینی کا بیان ہے کہ قرامطہ نے حجر اسود اپنے ہاں پچیس سال تک رکھا' حالانکہ مورخین نے عموماً "یہ مدت بائیس سال بتائی ہے قرامطہ ۱۴ ذی الحجہ ۳۱۷ھ کو خانہ کعبہ سے حجر اسود کو اکھاڑ کر لے گئے اور انہوں نے ۱۰ ذی الحجہ ۳۳۹ھ کو اسے واپس کردیا۔ یوں ان کے پاس یہ بائیس سال تک رہا۔ اس کی واپسی یوں ہوئی کہ کچھ دنوں تک قرامطہ نے اسے مسجد کوفہ میں رکھا' پھر خود ہی وہاں سے لے جاکر خانہ کعبہ میں نصب کردیا۔ جوینی کا یہ بیان کہ حجر اسود کو مسلمانوں نے کوفہ سے لے جاکر کعبہ میں نصب کیا' عام مورخین کے بیان کے خلاف ہے۔ (دیکھئے کامل ابن اثیر' البدایہ والنہایہ ابن کثیر' العبر ابن خلدون وغیرہ)

۲۶۔ ابو القاسم رستم بن حسین بن فرج بن حوشب بن زاذان النجار الکوفی الملقب بہ المنصور' یمن کا مشہور اسماعیلی داعی تھا۔ ۲۶۸ھ کے قریب یمن پہونچا اور اسماعیلی دعوت کی اشاعت میں مصروف ہوگیا۔ اسے وہاں خاصی کامیابی ہوئی اس نے صنعاء وغیرہ پر

قبضہ کر کے اپنا لقب المنصور رکھا اور اطراف و جوانب، مصر، سندھ اور المغرب میں اپنے داعی روانہ کئے۔ ابو عبداللہ شیعی نے اسی ابن حوشب سے اسماعیلی دعوت کا درس لیا اور یمن سے المغرب گیا۔ (فاطمین مصر، ج ا ص ۷۱)

۲۷۔ ابو عبداللہ حسین بن احمد بن محمد بن ذکریا معروف بہ ابی عبداللہ الشیعی الصوفی المحتسب، یہ کوفہ، رام ہرمزیا پھر صنعائے یمن سے تعلق رکھتا تھا المغرب یا قبیلہ کتامہ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ مغرب میں حکومت فاطمیہ کا موسس یہی ہے۔ شیعی وہاں ۲۸۰ھ میں پہنچا اور اپنی اعلیٰ صلاحیتوں سے تن تنہا سولہ سال کی مختصر مدت میں ایک شاندار حکومت قائم کر کے المہدی کے سپرد کردی۔ مگر اس کا انجام اچھا نہ ہوا وہ اپنے بھائی ابو العباس محمد کے ساتھ ذی الحجہ ۲۹۸ھ میں مہدی کے حکم سے رقادہ میں قتل کردیا گیا۔ (ابن اثیر، ج ۶، ص ۱۲۷ وبعد)

۲۸۔ یہاں جوینی سے سہو ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ شہر سجلماسہ کی تسخیر سے پہلے المہدی اپنے بیٹے کے ساتھ اس شہر میں وہاں کے اغلبی امیر الیسع بن مدرار کے حکم سے محبوس تھا۔ جب ۷ ذوالحجہ ۲۹۶ھ کو ابو عبداللہ شیعی نے اس شہر کو فتح کیا تو المہدی اور اس کے بیٹے کو قید سے رہائی دلائی۔ جوینی نے تمام واقعات کو الٹ کر رکھ دیا کہ ابو عبداللہ شیعی کو شہر سجلماسہ میں موجود اور المہدی کا استقبال کرتے ہوئے دکھایا ہے، جب کہ امر واقعہ یہ نہیں ہے۔ (دیکھئے فاطمین مصر، ج ا ص ۹۱ وبعد)

۲۹۔ یہاں جوینی سے تسامح ہوا ہے ۲۵۸ھ میں تو المہدی پیدا بھی نہ ہوا تھا شہر مہدیہ کی تعمیر چہ معنی وارد؟ (دیکھئے فاطمین مصر ا : ۱۰۲)

۳۰۔ المہدی کے حکم سے شہر مہدیہ ۳۰۰ھ یا ۳۰۳ھ میں بننا شروع ہوا اور ۳۰۸ھ میں بن کر مکمل ہوا۔ اس سال وہ رقادہ سے منتقل ہو کر المہدیہ آیا۔ (فاطمین مصر جلد اول اور دوسری کتب تاریخ دیکھئے)

۳۱۔ ابو عبداللہ شیعی کے بھائی کا نام ابن اثیر، دستور المنجمین کے اسماعیلی مصنف اور مقریزی نے ابو العباس محمد لکھا ہے۔ ابن خلکان نے اس کا نام ابو العباس احمد تحریر کیا ہے۔ جبکہ اکثر مورخین نے صرف ابو العباس کی کنیت کے ساتھ اس کا ذکر کیا ہے مگر کسی نے اس کا نام یوسف نہیں لکھا ہے۔ جوینی کا بیان اس ضمن میں منفرد ہے۔

۳۲۔ المہدی اور اس کے بیٹے القائم کو ابو عبداللہ شیعی کی فوجوں نے سجلماسہ کی قید سے ۷ ذوالحجہ ۲۹۶ھ کو نجات دلائی، اس لئے بعض مورخین اس کی حکومت کا آغاز ۲۹۶ھ

سے کرتے ہیں۔ مگر چونکہ وہ رقادہ میں ۲۱ ربیع الثانی ۲۹۷ھ کو پہنچا اور اس کی تخت نشینی کا اعلان اسی تاریخ کو ہوا اور اس نے امیر المومنین اور المہدی کے القاب اس موقع پر اختیار کئے اس لئے مورخین کی اکثریت نے اس کی حکومت کا سال آغاز ۲۹۷ھ کو قرار دیا ہے۔ (دیکھئے ابن خلدون کی تاریخ العبو (عربی) و ترجمہ اردو جلد پنجم شائع کردہ نفیس اکیڈمی کراچی و ابن اثیر ج ۶' ص ۱۲۷ و بعد)

۳۳۔ جوینی کا یہ بیان کہ بنو اغلب کی حکومت ۳۰۲ھ میں منقرض ہوئی درست نہیں ہے۔ ان کی حکومت کے خاتمہ کی تاریخ شب دو شنبہ ۲۶ جمادی الآخرہ ۲۹۶ھ ہے جبکہ ابو عبداللہ شیعی نے بنو اغلب کے آخری حکمران زیادۃ اللہ کو شکست دے کر رقادہ پر قبضہ کرلیا اور زیادۃ اللہ وہاں سے مصر کی جانب فرار ہوگیا۔

بنو اغلب نے المغوب پر ایک سو بارہ سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ اس خاندان کا پہلا حکمران ابراہیم بن اغلب تمیمی ہے جسے ۱۸۴ھ میں عباسی خلیفہ ہارون الرشید نے موروثی گورنری عطاء کی اور آخری حکمراں زیادۃ اللہ ہے جسے الشمعی نے ۲۹۶ھ میں شکست دے کر اس کے خاندان کے اقتدار کو ختم کردیا۔ (دیکھئے' ابن اثیر' ابن کثیر و ابن خلدون وغیرہ)

۳۴۔ یہ روایت موضوع اور اسماعیلیوں کی من گھڑت ہے۔

۳۵۔ دور ستر کے تین ائمہ میں سے صرف دو کے نام محمد اور احمد بتائے گئے ہیں' تیسرے کا نام نہ جوینی نے دیا ہے اور نہ اسماعیلیہ نزاریہ کی اہم کتاب دستور المنجمین میں مذکور ہے۔ یہ آخری کتاب حسن بن صباح کی زندگی میں لکھی گئی اور جوینی نے اپنی کتاب کی تیسری جلد میں اس سے کافی مدد لی ہے۔ ائمہ مستورین کے بارے میں اس کا بیان اس کتاب سے لفظ بلفظ نقل ہے۔ گمان غالب ہے کہ الموت کی تسخیر کے وقت جوینی کو جو کتابیں ملیں ان میں سرگزشت سیدنا کے علاوہ دستور المنجمین بھی رہی ہوگی۔ ائمہ مستورین میں سے تیسرے نام کا علم ابتدائی اسماعیلی داعیوں کو بھی نہ تھا کسی اسم سے عدم واقفیت مسمی کے عدم وجود کی دلیل نہیں ہے؟ (مزید معلومات کے لئے ڈاکٹر زاہد علی کی تاریخ فاطمین مصر جلد اول صفحہ ۳۰۷ و بعد اور تاریخ ابن خلدون (ترجمہ) جلد پنجم دیکھئے)

۳۶۔ یہ عبداللہ بن سالم بصری زیادہ معروف نہیں ہے' طبری کے ہاں اس کا صرف نام دوبار ملتا ہے' ہاں طبری کے ذیل نگار عریب بن سعید قرطبی نے اس کا اتا پتہ یوں دیا ہے کہ عبید اللہ المہدی' عبداللہ بن سالم کا بیٹا ہے۔ جو عسکر مکرم کا باشندہ اور سندان باہلی کی اولاد

میں تھا یہ والی عراقین زیاد کا افسر شرطہ اور مولیٰ تھا۔ سالم کو زندقہ کے الزام میں خلیفہ عباسی المہدی نے قتل کروادیا تھا۔ عبید اللہ (المہدی) کو اس کے اقتدار کے ابتدائی ایام میں "ابن البصری" کہتے تھے۔ (عریب بن سعید قرطبی، صلتہ تاریخ الطبری، مطبعہ الاستقامتہ قاہرہ ۱۹۳۹ء، ص ۳۶ و ۳۷)

۳۷۔ ابو العباس احمد القادر باللہ پچیسواں عباسی خلیفہ ۱۲ رمضان ۳۸۱ھ کو مسند خلافت پر متمکن ہوا اور ذی الحجہ ۴۲۲ھ میں وفات پائی۔

اس نے اکتالیس سال سے کچھ اوپر خلافت کی اور عمر بھی لانبی پائی کہ چھیاسی سال تک زندہ رہا۔ اس کا دور بدستور عباسی خلافت کے انحطاط اور ملوک الطوائف کے تغلب کی داستانوں کا مجموعہ ہے۔ (محمد الخضری، محاضرات التاریخ الامم الاسلامیہ (الدولتہ العباسیتہ، طبع مصر ۱۹۷۰ء صفحہ ۳۹۹ وبعد)

۳۸۔ ابو یزید مخلد بن کیداء سنی نہیں تھا، بلکہ باتفاق مورخین خوارج سے فرقہ اباضیہ کی شاخ نکاریہ سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ فرقہ اپنے عقائد میں بڑا متشدد تھا، اہل اسلام کی بلا استثناء تکفیر، ان کی جان و مال کی اباحت اور حکومت وقت کے خلاف خروج کا قائل تھا۔ اس نے اپنی تحریک کو تقویت پہنچانے کی غرض سے بربر قبائل میں یہ پروپیگنڈا کیا کہ خلافت کے قیام کے لئے اجماع ضروری ہے، نص و توقیف سے اس کا تعلق نہیں (تاریخ فاطمین مصر ۱ : ۱۳۹)

۳۹۔ جوینی کا یہ بیان کہ جوہر الصقلی مصر میں کافور اخشیدی کے دور حکومت میں آیا اور کافور نے مصر کی مسجد میں المعز فاطمی کے نام کا خطبہ پڑھا، عام روایات کے خلاف ہے۔ جوہر مصر میں ۱۸ شعبان ۳۵۸ھ کو داخل ہوا، جبکہ کافور اخشیدی ۳۵۵ھ، ۳۵۶ھ یا ۳۵۷ھ میں وفات پاچکا تھا۔ کافور کے دور اقتدار میں مصر میں بالعموم داخلی امن و امان اور خارجی استحکام رہا اس کے حین حیات المعز مصر میں داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ یہ اس کی موت تھی جس کے نتیجے میں مصر میں داخلی انتشار پھیلا اور المعز نے جوہر کے ذریعہ اس پر فوج کشی کرکے قبضہ کرلیا۔ مگر اسماعیلی بیانات کے مطابق کافور نے ان کی دعوت قبول کرلی تھی ان کی کتاب عیون الاخبار کی یہی روایت ہے، غالباً "جوینی نے اسی بناء پر کافور کو اسماعیلی کہا ہے۔

۴۰۔ ابو الحسن جوہر ایک رومی غلام تھا جسے المعز فاطمی نے تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کیا تھا۔ اس کی قائدانہ صلاحیتوں کی وجہ سے فوجوں کی کمان اس کو سونپی گئی اس نے المغرب کے بیشتر علاقوں کو فتح کیا۔ مصر کی تسخیر، قاہرہ کی تعمیر اور چار سال کے قریب مصر پر

اپنے آقا کی نیابت میں حکومت کرنا اس کے عظیم کارنامے ہیں۔ اس نے ۳۸۱ھ میں العزیز کے زمانے میں انتقال کیا۔ (فاطمین مصر ا : ۲۴۶ و ۲۴۷)

۴۱ـ فاطمی خلیفہ المعز کے سپہ سالار جوہر الصقلی نے مصر پر قبضہ کے بعد قاہرہ معزیہ کے نام سے ایک نیا دارالحکومت تعمیر کیا۔ فسطاط کے شمال میں جبل مقطم اور خلیج کے درمیان ۲۴ جمادی الاخرہ ۳۵۹ھ کو اس نئے شہر کی بنیاد رکھی گئی۔ یہاں دو محل قصر کبیر اور قصر صغیر کے نام سے تیار کرائے گئے ان دونوں کے درمیان ایک وسیع و عریض مربع میدان چھوڑا گیا جس میں دس ہزار فوجی اپنی مشقیں کر سکتے تھے۔ ان دونوں ایوانوں میں متعدد ایوانات اور عمارتیں بنائی گئیں۔ لشکر کے قیام کے لئے مختلف محلے تعمیر کئے گئے۔ شہر کے ارد گرد ایک فصیل قائم کی گئی جس میں متعدد دروازے تھے۔ اس شہر کی تعمیر کوئی ڈھائی سال کے عرصہ میں ۳۶۱ھ کے اواخر میں مکمل ہوئی۔ قاہرہ کا شہر مربع تھا اور حکومت کے کارندوں کے علاوہ یہاں کسی اور کو رہنے کی اجازت نہ تھی۔ فاطمین مصر ا : ۱۵۹ و ۱۶۲)

۴۲ـ ابو الفضل عبدالکریم الطائع للہ، چوبیسواں عباسی خلیفہ اپنے باپ المطیع کی دست برداری کے بعد ذی القعدہ ۳۶۳ھ میں اس کی بیعت ہوئی۔ چند ماہ کم اٹھارہ سال تک خلیفہ رہنے کے بعد رجب ۳۸۱ھ میں اسے خلافت کی ذمہ داریوں سے سبک دوش کر دیا گیا۔ اس کی خلافت محض نام کی تھی اور اصل اقتدار بنو بویہ کو حاصل تھا جو خلافت پر مستولی اور بلاد خلافت پر قابض تھے (محاضرات صفحہ ۳۹۳ و بعد)

۴۳ـ افتکین، معزالدولہ بویہی کا غلام تھا۔ عضد الدولہ کے دور حکومت میں ترک افواج کا قائد ہوا۔ اس زمانے میں عراق سے بھاگ کر شام پہونچا اور دمشق کے اعیان و اشراف سے مل کر وہاں کے فاطمی گورنر کو نکال کر شہر پر قبضہ کر لیا اور عباسی خلیفہ الطائع کے نام کا خطبہ جاری کر دیا۔ معز اس پر فوج کشی کی تیاری میں تھا کہ اس کا انتقال ہو گیا۔ اس سے دلیر ہو کر افتکین نے شام کے بہت بڑے علاقے پر قبضہ کر لیا۔ عزیز نے جوہر صقلی کی قیادت میں شام کی دوبارہ تسخیر کے لئے ایک بھاری لشکر روانہ کیا۔ حسن قرمطی بھی افتکین سے مل گیا۔ متعدد جنگوں کے بعد آخر میں فتح فاطمی سپہ سالار کو ہوئی۔ افتکین گرفتار ہوا۔ عزیز کے سامنے پیش کیا گیا اس نے اسے نہ صرف یہ کہ معاف کر دیا بلکہ اعزاز و اکرام کا سلوک کیا اس کو ۳۷۲ھ میں وزیر یعقوب ابن کلس نے زہر دیدیا۔ اس کی موت کا عزیز کو بڑا رنج ہوا (فاطمین مصر ا : ۱۹۴)

۴۴ـ یعقوب ابن کلس بغداد کا رہنے والا اور یہودی المذہب تھا۔ علوم و فنون کی

تحصیل کے بعد کافور اخشیدی کے عہد میں مصر آیا اور محکمہ مال میں ملازم ہوگیا وہ کافور کے تقرب کے حصول کی خاطر مسلمان ہوگیا اور وزارت و حجابت کے اعلیٰ عہدوں تک پہونچا۔ کافور کے انتقال کے بعد مصر میں اس کے مخالفین اس کے درپے آزار ہوگئے اور اس کو قید و بند کی تکلیفیں جھیلنی پڑیں۔ رہائی پانے کے بعد وہ بھاگ کر المہدیہ چلا گیا۔ جہاں اس نے اسماعیلی مذہب اختیار کرلیا۔ المعز نے اسے محکمہ مال کا افسر اعلیٰ مقرر کیا جہاں اس نے اپنی کارگزاری دکھائی۔ عزیز کے عہد میں وہ منصب وزارت پر فائز ہوا یہ پہلا شخص تھا جسے بنو فاطمہ کے دربار میں یہ منصف بلند عطاء کیا گیا۔ اس نے ۳۸۰ء میں وفات پائی۔ اپنے علم و فضل اور دفتری و مالی مہارت کے لئے اسے ہمیشہ یاد رکھا جائے گا بنو فاطمہ کی کوئی تاریخ اس کے ذکر کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتی۔ وہ مذہبی علوم کا بھی ماہر تھا اور فقہ و حدیث میں متعدد کتب کا مصنف ہے اس کے علمی خطبات کی سماعت کے لئے ہر شب جمعہ میں علماء و فضلاء جمع ہوتے تھے۔ (فاطمین مصرا : ۱۹۷ و ۱۹۸ و ۲ : ۱۱۱)

۴۵۔ عیسیٰ بن نسطورس مصر کا گورنر نہیں، بلکہ العزیز کا وزیر تھا اور اس کے آخری دور میں دو سال تک اس منصب پر فائز رہا۔ اسے قید و جرمانہ کی سزا کے بعد العزیز نے اپنی بیٹی کی سفارش پر بحال کردیا تھا۔ (فاطمین مصرا : ۲۰۰)

۴۶۔ اسماعیلی مورخ ڈاکٹر زاہد علی مرحوم نے بھی حاکم کے کے غلاموں کے ہاتھوں اہل فسطاط کی تباہی اور شہر کی بربادی کا حال ابن تغری بردی کی النجوم الزاہرہ جلد چہارم کے حوالہ سے اپنی کتاب میں یوں درج کیا ہے : "حاکم کی تلون مزاجی اور سختی سے مصری تنگ آکر اس سے نفرت کرنے لگے۔ اس کی اور اس کے بزرگوں کی مذمت کے کئی رقعے اس کے پاس بھیجے گئے ــــــ حاکم نے راز میں اپنے غلاموں کو فسطاط کو آگ لگانے اور باشندوں کو لوٹ لینے کا حکم دیا۔ کتامیوں اور ترکوں نے غلاموں کا مقابلہ کیا، کئی جھڑپیں ہوئیں، فسطاط کا تقریباً "تیسرا حصہ جل گیا جانی اور مالی بڑا نقصان ہوا۔" (فاطمین مصرا : ۲۴۹ و ۲۵۰)

۴۷۔ ابن دواس کا پورا نام، لقب و خطاب یوں ہے، سیف الدین ذوالمجدین حسین بن علی بن دواس الکتامی، الحاکم باللہ کے دور کے مشہور امراء میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ وہ قبیلہ کتامہ کا، جو مشہور بربری قبیلہ ہے اور جس کی قوت بازو نے بنو فاطمہ کو مسند اقتدار پر فائز کیا تھا، شیخ و معزز سردار تھا۔ اسے حاکم کے جانشین ظاہر کے دور میں حاکم کے قتل میں اس کی شرکت کے جرم میں مروا دیا گیا (فاطمین مصر، جلد ا، ص ۲۶۳ و بعد)

۴۸۔ ابو المنیع معتمد الدولہ قرواش اپنے باپ حسام الدولہ مقلد بن مسیب کے قتل

کے بعد ۳۹۱ھ میں موصل' انبار' مدائن و کوفہ وغیرہ کا امیر ہوا اور ایک طویل عرصہ تک حکومت کر کے ۴۴۲ھ میں راہی ملک عدم ہوا۔ (محاضرات ص ۴۰۱)

۴۹۔ ابو نصر بہاء الدولہ بویہی اپنے بھائی شرف الدولہ کی موت کے بعد ۳۷۹ھ میں امیر ہوا۔ اس نے آل بویہ کی کھوئی ہوئی عظمت کو بحال کرنے کی کوشش میں فارس وغیرہ پر قبضہ کیا۔ موصل کے بنو عقیل کے حکمراں مقلد کو اپنا مطیع فرمان اور باج گزار بنایا۔ ۳۹۱ھ میں قرواش بنو عقیل کا امیر ہوا اور آل بویہ کی مخالفت شروع کر دی۔ اسی عداوت میں ۴۰۱ھ میں اس نے عباسی خلیفہ القادر باللہ کا خطبہ موقوف کر کے فاطمی خلیفہ مصر الحاکم کے نام کا خطبہ جاری کر دیا مگر بہاء الدولہ نے عمید الجیوش کی قیادت میں اس پر فوج کشی کر دی۔ قرواش ڈر گیا جنگ کی نوبت نہ آئی۔ اس نے دوبارہ عباسی خطبہ جاری اور فاطمی خطبہ موقوف کر دیا۔ بہاء الدولہ نے چوبیس سال حکومت کی اور ۴۰۳ء میں انتقال کیا۔ (محاضرات ۴۰۱ و ۴۰۹)

۵۰۔ شریف المرتضیٰ امام موسیٰ الکاظم کے خانوادہ کا معزز فرد اور شریف الرضی کا بھائی ہے۔ وہ بھی آل ابی طالب کا نقیب الاشراف تھا۔ شیعی فقہ میں صاحب تصنیف ہے۔ علم کلام' ادب و شعر میں کمال رکھتا تھا۔ حضرت علی کے خطبات' حکم و امثال کو نہج البلاغہ کے نام سے اسی نے مرتب کیا ہے۔ ۴۳۶ء میں انتقال کیا۔ جرجی زیدان' آداب اللغۃ العربیہ' مصر ۱۹۵۸ء' ج ۲' ص ۳۳۳)

۵۱۔ شریف الرضی امام موسیٰ کاظم کی نسل سے ہے وہ ۳۵۹ میں بغداد میں پیدا ہوا اور ۴۰۶ء میں وفات پائی۔ اس کا باپ آل ابی طالب کا نقیب الاشراف تھا' رضی بھی اپنے باپ کے بعد اس منصب پر نامزد ہوا۔ وہ علوم قرآن' لغت و نحو کا عالم اور نہایت عمدہ شاعر تھا۔ (جرجی زیدان' آداب اللغۃ العربیہ' مصر ۱۹۵۸ء' ج ۲ : ۲۹۹)

۵۲۔ شیخ ابو حامد احمد بن ابی طاہر محمد بن احمد اسفرائنی کا شمار مشاہیر فقہائے شافعیہ میں ہوتا ہے۔ ۳۴۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۶ھ میں بغداد میں وفات پائی۔ ان کے تلامذہ نہایت کثرت سے تھے اور ان کے درس میں سات سو فقہاء شریک ہوتے تھے۔ (ابن کثیر' البدایہ و النہایہ' مطبوعہ لاہور ۱۴۰۳ھ' ج ۱۲' ص ۲' ۳)

۵۳۔ ابو الحسین احمد بن محمد بن احمد بن جعفر بن حمدان البغدادی القدوری مشہور حنفی فقیہ ہیں اور ان کی کتاب مختصر القدوری کا شمار فقہ حنفی کی بنیادی کتب میں ہوتا ہے اس کی متعدد شروح تحریر کی گئی ہیں۔ ۳۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۲۸ھ میں بغداد میں ان کا انتقال ہوا۔ (البدایہ والنہایہ ج ۱۲' ص ۴۰' نیز دیکھئے الفوائد البہیہ طبع کراچی)

۵۴۔ ابو محمد عبداللہ بن محمد بن عبداللہ الاسدی الاکفانی، حنفی فقیہ اور بغداد کے قاضی القضاۃ تھے۔ اہل علم کی مالی امداد کرتے تھے اور اس میں کافی مشہور تھے ۳۱۶ھ میں پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ' ج ۱۱' ص ۳۵۴)

۵۵۔ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ البیضاوی الشافعی۔ بغداد کے محلہ کرخ کے قاضی تھے۔ اسی (۸۰) سال کی عمر میں ۴۲۴ھ میں بغداد میں انتقال کیا۔ (محمد بن عبدالوہاب قزوینی تحشیہ پر صفحہ ۱۷۷ جہاں گشای جلد سوم)

۵۶۔ جوینی کا یہ بیان درست نہیں ہے۔ اس بات پر مورخین کا اتفاق ہے کہ مستنصر باللہ فاطمی کے ۴۸۷ھ میں انتقال کے بعد اس کے وزیر امیر الجیوش شاہنشاہ بن بدر جمالی معروف بہ افضل نے نزار کو ذاتی عداوت کی بناء پر ولایت عہد سے ہٹاکر اس کے چھوٹے بھائی احمد کو مستعلی باللہ کے لقب سے منصب خلافت پر فائز کردیا۔ نزار قاہرہ سے بھاگ کر اسکندریہ چلا گیا وہاں اس کے حامیوں نے اس کی بیعت خلافت کی اور اسے المصطفی لدین اللہ کا لقب دیا۔ امیر الجیوش نے اسکندریہ پر حملہ کرکے نزار کو شکست دیکر مار ڈالا۔

۵۷۔ یہ بات کہ نزار قاہرہ سے فرار کے وقت اپنے دو بیٹوں کو بھی اسکندریہ لے گیا تھا۔ کسی مستند تاریخ سے ثابت نہیں ہوتی۔ اسماعیلیوں کے قدیم ماخذ دستور المنجمین سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نزار کے دو بیٹے ابو عبداللہ حسین اور ابو علی حسن نامی تھے۔ ممکن ہے جوینی نے الموت کے قلعے سے جو کتابیں حاصل کی تھیں ان میں سے کسی قدیم اسماعیلی ماخذ میں یہ ذکر ہو کہ اسکندریہ میں نزار کے ساتھ اس کے دو بیٹے بھی تھے۔

۵۸۔ یہاں بھی جوینی سے تسامح ہوا ہے۔ آمر باحکام اللہ نے اپنے ابن عم الحافظ کو اپنا ولی عہد نامزد نہیں کیا تھا' بلکہ اس بناء پر کہ اس کے اچانک قتل کے وقت اس کا کوئی بیٹا نہ تھا اور اس کی ایک بیوی / باندی حاملہ تھی۔ عبدالمجید کو نیابتہً امام بنادیا گیا۔ جب آمر کے ہاں بیٹی پیدا ہوئی تو الحافظ کی نیابت مستقل امامت میں تبدیل ہوگئی۔ مگر اسماعیلیہ مستعلویہ کے نزدیک آمر دسواں اور دور ظہور کا آخری امام ہے۔ اس کے بعد چار اسماعیلی خلفاء (حافظ' ظافر' فائز اور عاضد) امام نہیں بلکہ نائب تھے۔ آمر کے ہاں اس کی ہلاکت کے بعد جو ولادت ہوئی وہ لڑکی نہیں بلکہ لڑکا تھا اور اس کا نام مستعلویہ کے ہاں ابو الطیب المیمون ہے' وہ غائب ہوگیا اور اس کے ساتھ ائمہ مستورین کا دور پھر شروع ہوگیا۔ (فاطمین مصر' ج ۲' ص ۲۳ و بعد)

۵۹۔ یہ شخص ابو الفضل عباس بن ابی الفتوح بن یحییٰ بن تمیم بن معز بن بادیس منہاجی

بربری ہے۔ اس کی تحریک پر اس کے بیٹے ابو نصر نے ظافر کو قتل کر دیا تھا اور اسی جرم کی پاداش میں باپ بیٹے ظافر کے حامیوں کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ (فاطمین مصر' ج ۲' ص ۴۱)

۶۰ ؎ شاور کے نام کو جہاں گشائی کے تمام نسخوں میں بلا استثناء "سابور" "شابور" لکھا گیا ہے اور اس کی اتباع میں بیشتر فارسی کتابوں میں اس وزیر کا نام "شاپور" ہی درج ہے۔ مگر تمام عربی مآخذ میں اس کا نام "شاور" (SHAWAR) لکھا ہے۔ اس شخص کا تعلق عرب کے قبیلہ بنو اسد سے تھا اور وطن کے لحاظ سے مصری تھا۔ اسے ۵۶۴ھ میں قتل کرا دیا گیا۔ (دیکھئے فاطمین مصر ج ۲' ص ۵۶ وبعد)

۶۱ ؎ سلطان نور الدین محمود بن عماد الدین زنگی بن آقسنقر ترکی النسل اور اتابکان موصل کے خانوادہ سے تعلق رکھتا تھا۔ ۵۱۱ھ میں پیدا ہوا۔ اٹھائیس سال حکومت کرنے کے بعد ۱۱ شوال ۵۶۹ھ کو دمشق میں انتقال کیا اور وہیں اپنے تعمیر کردہ مدرسہ میں مدفون ہوا۔ اس کے حدود ملک میں نہایت اضافہ ہوا اس کے نام کا خطبہ حرمین شریفین اور یمن' جزیرہ' شام اور مصر میں پڑھا گیا۔ حسن سیرت اور عدل میں اسے حد درجہ شہرت حاصل ہے۔ مورخ ابن الاثیر کا بیان ہے کہ خلفائے راشدین و عمر بن عبدالعزیز کے بعد حسن سیرت و عدل میں اس سے بہتر کوئی حکمراں نہیں گزرا۔ زہد' علم و عبادت میں بھی وہ بلند مقام پر فائز تھا۔ وہ اپنی ذاتی آمدنی سے اپنے اور اپنے متعلقین کے کھانے کپڑے اور دیگر مصارف کا انتظام کرتا تھا اور سرکاری خزانے کی رقم اپنے اور اپنی اولاد پر صرف نہ کرتا تھا۔ ایک بار اس کی بیوی نے مالی تنگی کی شکایت کی' سلطان نے کہا کہ میں مسلمانوں کے مال کا خزانچی ہوں اس میں خیانت کر کے تمہارے لئے دوزخ کی آگ میں نہ جلوں گا۔ اس کی راتیں عبادت الٰہی اور دن جہاد فی سبیل اللہ میں بسر ہوتے تھے۔ اس نے شام و مصر کے صلیبوں اور اسماعیلیوں سے کامیاب جہاد کئے۔ انہیں سخت نقصانات پہنچائے۔ اس کی سب سے بڑی تمنا تھی کہ بیت المقدس کو صلیبی جنگ آزماؤں سے واپس لے کر وہاں اسلام کی عمل داری قائم کرے' مگر یہ سعادت اس کے تربیت یافتہ و جانشین صلاح الدین کے لئے منقدر ہو چکی تھی' بہرکیف اس کی راہ ہموار اسی نے کی تھی۔ نور الدین عالم و فاضل انسان تھا اور فقہ حنفیہ پر عالمانہ نظر رکھتا تھا۔ اس نے ناجائز محاصل موقوف کئے۔ ممالک محروسہ میں مدارس' خانقاہیں' شفاخانے اور سرائیں بنوائیں اور ان کے اخراجات کے لئے اوقاف قائم کئے۔ (ابن الاثیر ۹ : ۱۳۴-۱۲۶)

۶۲۔ اسد الدین شیر کوہ شاذی کا بیٹا تھا۔ اس کا تعلق آذر بائی جان کے زواریہ کردوں سے تھا جو کردوں کا نہایت معزز قبیلہ ہے۔ شیر کوہ اور اس کا بھائی نجم الدین ایوب عراق آئے اور بغداد کے شحنہ مجاہد الدین بہروز کے ہاں ملازم ہوئے اس نے نجم الدین کو قلعہ تکریت کا محافظ (قلعہ دار) مقرر کیا۔ اس کا چھوٹا بھائی شیر کوہ اس کے ساتھ تکریت چلا گیا۔ جب شہید اتابک زنگی بن آقسنقر عراق آیا تو ان بھائیوں نے اس کی خدمت کی اور دجلہ پار اترنے میں کشتیوں وغیرہ سے اس کی مدد کی۔ کچھ عرصہ بعد شیر کوہ نے تکریت میں ایک آدمی سے جھگڑا کیا اور اسے قتل کردیا اس جرم کی پاداش میں دونوں بھائی تکریت سے نکال دیئے گئے۔ تو وہ شہید اتابک زنگی کے ہاں چلے گئے جہاں ان کی بڑی پذیرائی ہوئی اور قلعہ بعلبک کی تسخیر کے بعد اتابک زنگی نے ایوب کو اس کا قلعہ دار مقرر کیا۔ اتابک کی شہادت کے بعد شیر کوہ اس کے بیٹے نور الدین محمود کی ملازمت میں داخل ہوگیا۔ اپنی شجاعت و معاملہ فہمی سے ترقی کی منازل طے کرتا ہوا سلطان نور الدین محمود کے معتبر ترین امراء میں شمار کیا جانے لگا اور اس کا سپہ سالار ہوگیا۔ دمشق کی فتح سلطان نور الدین محمود کے لئے شیر کوہ اور نجم الدین ایوب کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ بعد میں نور الدین نے شیر کوہ کو مصر بھیجا جہاں اس نے امن و امان قائم کیا اور آخری فاطمی خلیفہ العاضد کا وزیر ہوگیا مگر زندگی نے زیادہ مہلت نہ دی اور دو ماہ پانچ دن کی وزارت کے بعد ۲۲ جمادی الاخرہ ۵۶۴ھ کو اس نے انتقال کیا۔ (ابن الاثیر ۹ : ۱۰۱ و ۱۰۲)

۶۳۔ سلطان صلاح الدین یوسف، نجم الدین ایوب بن شاذی کا بیٹا اور نسلاً "کرد تھا۔ وہ عراق کے مقام تکریت میں ۵۳۲ھ میں پیدا ہوا۔ اپنے باپ نجم الدین ایوب اور چچا اسد الدین شیر کوہ کے سایۂ عاطفت میں پلا بڑھا۔ سلطان نور الدین زنگی کے ارکان دولت میں محسوب ہوا اس کے حکم سے شیر کوہ کے ساتھ مصر گیا۔ ۵۶۴ھ میں شیر کوہ کی وفات کے بعد فاطمین مصر کا وزیر اور مصر میں نور الدین کا نائب ہوا۔ ۵۶۷ھ میں اسی نے مصر میں عباسیوں کے نام کا خطبہ پڑھوایا۔ ۵۶۹ھ میں نور الدین کی وفات کے بعد اس کے اقبال کا ستارہ بلند ہونے لگا اور مصر و شام و جزیرہ کے وسیع علاقوں پر اس کا قبضہ ہوگیا۔ اس نے شام پر قابض صلیبی جنگ آزماؤں سے ان لڑائیوں کا سلسلہ جاری رکھا جنہیں اس کے پیش رو نور الدین نے جاری کیا تھا۔ اس نے ان معرکوں میں نمایاں کامیابیاں حاصل کیں اور ۵۸۳ھ میں بیت المقدس تک ان سے چھین لیا۔ اب صلیبیوں کے قبضہ میں عکہ، عسقلان اور ایسے ہی بعض ساحلی مقامات رہ گئے تھے۔ اس نے ایک کامیاب فاتح اور لائق منتظم کی حیثیت سے

مصر، شام، جزیرہ و ملحقات پر حکومت کر کے صفر ۵۸۹ھ میں دمشق میں انتقال کیا اور وہیں سپرد خاک کیا گیا۔ وہ متواضع، پابند شریعت اور مجاہد فی سبیل اللہ تھا۔ بیت المال کو مسلمانوں کا خزانہ سمجھتا اور اپنے ذاتی اخراجات نج کی آمدنی سے پورے کرتا اس کی تجہیز و تکفین اس کی نجی رقم سے انجام پائی۔ اس نے ایک دینار اور چالیس درم ترکے میں چھوڑے (ابن الاثیر ۹ : ۲۲۵، ۲۲۶)

۶۴۔ بنو فاطمہ کی حکومت ۲۹۷ھ میں المغوب میں قائم ہوئی۔ عہد عروج میں جزائر بحر روم، صقلیہ، المغوب الاقصیٰ، المغوب الاوسط، المغوب الادنیٰ، مصر، شام، حجاز و یمن تک ان کا اقتدار وسیع ہوا وہ بیک وقت اسپین کے اموی، بغداد کے عباسی اور یورپ کے عیسائیوں سے برسرپیکار رہے اور بحر و بر میں یکساں انہیں برتری حاصل رہی۔ یہ دور العزیز کے ساتھ ختم ہوگیا۔ ۳۸۶ھ میں الحاکم کی تخت نشینی سے مذہبی عدم رواداری، امراء و وزراء کا استبداد اور خلفاء کی بے تدبیری سے حکومت کے کام خراب ہونے لگے۔ فوج کے ترک، بربر اور حبشی آپس میں دست بگریبان ہوگئے اور عام باشندوں پر عرصہ حیات تنگ کردیا۔ فاطمیوں کی مذہبی سیادت پر بھی زد پڑی الحاکم کے دور میں فرقہ دروز پیدا ہوا جو حاکم کی الوہیت کا قائل تھا۔ المستنصر کے بعد نزاری و مستعلوی فرقے پیدا ہوئے اور فاطمیوں کی مذہبی یک جہتی کا شیرازہ منتشر ہوگیا۔ الآمر انہیں نزاریوں کے ہاتھوں قتل ہوا۔ دسویں فاطمی خلیفہ الآمر کے بعد مزید مذہبی اختلافات پیدا ہوئے اور بعد کے چار خلفاء امامت کے منصب سے عاری اور صرف نائبین امام کے بطور اقتدار پر قابض رہے۔ پھر المستعلی کے زمانے میں صلیبی جنگ آزماؤں نے خلافت فاطمیہ کو مزید کمزور کیا اور قاہرہ پر وہ بار بار چڑھ آئے۔ ان حالات میں کہ مصر صلیبی جنگ آزماؤں کے لئے لقمہ تر ہوگیا تھا سلطان نور الدین محمود نے اپنے سپہ سالار اسد الدین شیرکوہ اور اس کے برادر زادہ صلاح الدین یوسف کو ۵۶۴ھ میں مصر روانہ کیا اور ۵۶۷ھ میں اس کے حکم سے صلاح الدین یوسف نے عاضد کی موت کے ساتھ اس خاندان کی حکومت کی بساط الٹ دی بنو فاطمہ علماء کے سرپرست اور علم کے مربی تھے وہ تہذیب و تمدن کے فروغ میں عباسیوں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ اس لحاظ سے ان کا دور حکومت اسلام کی تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔

۶۵۔ ہلاکو خاں منگول حکمران تولوی خان کا چوتھا بیٹا تھا اور یہ تولوی خان چنگیز خان کا پسر چہارم تھا۔ ۶۱۵ھ میں پیدا ہوا ۶۵۰ھ میں منکو قاآن نے اسے بلاد غربیہ یعنی ایران، خراسان، عراق، شام، مصر، روم و آرمینیہ کی حکومت عطا کی کہ ان میں سے جو علاقے ہنوز فتح نہیں

ہوتے ہیں انہیں فتح کرے اور جو مفتوح ہو چکے تھے ان کا نظم و نسق درست کرے۔ اس نے مراغہ کو اپنا مرکز بنایا وہ ۶۵۴ھ میں ملاحدہ کا قلع قمع کر کے بغداد کی جانب متوجہ ہوا اور ۶۵۶ھ میں اسے تباہ کر کے خلافت عباسیہ کا نام و نشان مٹا دیا۔ مگر اسے شام کے محاذ پر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا اور ۶۵۸ھ میں عین جالوت کی جنگ میں مصر و شام کے سلطان قطز اور اس کے سپہ سالار بیبرس نے منگولوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹ کے رکھ دیا۔ مارے جانے والے ہزاروں منگولوں میں ان کا سپہ سالار کیت بوقا نویان بھی تھا۔ ہولاکو اسلام دشمنی اور انسانیت بیزاری میں سر آمد روزگار تھا۔ اس کی ماں اور اس کی بیوی دوقوز خاتون کہ اسے اپنے باپ سے منگولی روایات کے مطابق ملی تھی اور قوم کرایت سے تعلق رکھتی تھی، عیسائی تھیں۔ اس کی وجہ سے منگولوں کے علاقوں میں عیسائیت کو بڑا فروغ ہوا اور بیشمار گرجا تعمیر ہوئے۔ ہلاکو ۴۸ سال کی عمر میں ۶۶۳ھ میں مراغہ میں ہلاک ہوا اور کوہ شاہو کے دامن میں دفن ہوا۔ (جہاں گشائی جوینی جلد سوم، جامع التواریخ رشید الدین جلد سوم مطبوعہ باکو (روس) ۱۹۵۷ء)

۱۶۶۔ اصفہان میں واقع قلعہ شاہ وز کا قلعہ دار تھا۔ ۵۰۰ھ میں سلطان محمد بن ملک شاہ سلجوقی نے شاہ وز پر قبضہ کے بعد اسے قتل کرا دیا۔ وہ ادیب، خطاط اور انشاء پرداز تھا۔ (البدایہ والنہایہ ۱۲ : ۱۶۶)

۱۶۷۔ امیر الجیوش بدر جمالی آرمینیہ کا باشندہ اور والی دمشق جمال الدین کا غلام تھا کہ اسی کی نسبت سے جمالی کہلایا۔ اس نے شام کی لڑائیوں میں بڑا نام پایا اور کئی موقعوں پر دمشق کا نائب امیر بھی رہا۔ بدر نے فاطمی خلیفہ المستنصر کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر شام کے ساحلی مقام عکہ پر قبضہ کر لیا اور خود مختار حکومت کا ڈول ڈالا۔ جب مصر کے حالات خراب ہوئے اور ترک امراء کی سرکشی کے باعث سلطنت کے کام خراب ہو گئے تو المستنصر کی خفیہ دعوت پر بدر جمالی عکہ کے بحری راستہ سے مصر آیا۔ اس نے اپنی حربی و انتظامی صلاحیتوں سے جلد حالات پر قابو پا لیا اور ۴۶۶ھ سے ۴۸۷ھ تک مصر پر وزارت کے عنوان سے خود مختارانہ حکومت کی۔ المستنصر کا بیٹا احمد (المستعلی) بدر جمالی کا داماد تھا، اس لئے اس نے اس کی ولایت عہد اور امامت کے لئے جوڑ توڑ کیا۔ نزار اور اس کے بھائی عبداللہ کو میدان سے ہٹا کر احمد کو ولی عہد اور المستنصر کی وفات کے بعد المستعلی کے لقب سے امام و خلیفہ بنا دیا۔ اس سلسلہ میں حسن صباح سے بدر جمالی کے تعلقات خراب ہو گئے کیونکہ حسن نزار کی امامت کی دعوت دیتا تھا۔ بدر الجمالی نے ہی حسن کو مصر سے جلا

وطن کردیا تھا۔ اسماعیلی حکومت کی بحالی و نشاۃ ثانیہ میں بدر جمالی کا مقام نہایت بلند ہے اسے دعوت اسماعیلیہ میں باب الابواب' داعی الدعاۃ اور قاضی القضاۃ کے مناصب حاصل تھے۔ اس نے ۴۸۷ھ میں انتقال کیا۔ (فاطمین مصر : ۳۴۳ وبعد بحوالہ کتاب الاشارہ الی من نال الوزارہ' ابن خلدون' مقریزی' ابن اثیر' ابن خلکان' عیون الاخبار)

۶۸۔ فریم (ف ر ر ی م) مشرقی مازندران کا ایک کوہستانی شہر تھا۔ فریم اس شہر کا بھی نام تھا اور اس کوہستان کا بھی جہاں وہ واقع تھا۔ (یاقوت حموی' معجم البلدان' مطبوعہ دار الکتاب العربی' بیروت س ن' ج ۴' ص ۲۴۰)

۶۹۔ شہریار کوہ وہ کوہستانی سلسلہ ہے جس میں فریم کا شہر بھی واقع تھا۔ (بحوالہ بالا)

۷۰۔ چناشک ایک مقام کا نام ہے جو استر آباد کے توابع میں ہے اور کوہسار کے نواح میں واقع ہے۔ (معجم البلدان' ج ۲' ص ۱۶۷)

۷۱۔ ابو علی حسن بن علی' نظام الملک' اتابک و رضی امیر المومنین' طوس کا دہقان زادہ تھا اور وہیں ۴۰۸ھ میں پیدا ہوا۔ اس نے علوم متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہونے کے بعد والی بلخ کی ملازمت کی۔ پھر چغری بیگ داؤد کے ہاں ملازم ہوا اور ترقی کرکے الپ ارسلان سلجوقی اور اس کے بیٹے ملک شاہ سلجوقی کا وزیر ہوا۔ وہ اس منصب پر کم و بیش تیس سال تک فائز رہا۔ اپنی علم دوستی' علماء پروری' انشاء پردازی و تدبر و انتظام سلطنت میں مہارت کے لئے اسے امتیاز خاص حاصل ہے۔ اس نے نظامیہ نام کی درجنوں درسگاہیں قائم کیں اور ان کے مصارف کے لئے اوقاف برپا کئے۔ اس کی کتاب سیاست نامہ فارسی زبان کی نثر کا اعلیٰ نمونہ اور اصول حکومت کا اہم ضابطہ ہے۔ نظام الملک کو ابو طاہر باطنی نے رمضان ۴۸۵ھ میں شہید کردیا۔ (البدایہ والنہایہ' ج ۱۲' ص ۱۴۰' مزید تفصیل کے لئے عبد الرزاق کانپوری کی کتاب نظام الملک طوسی دیکھئے)

۷۲۔ ابو مسلم رازی' مشہور سلجوقی وزیر نظام الملک کا داماد تھا۔ وہ ملک شاہ کی جانب سے ری کا گورنر تھا۔ حسن صباح کے باپ پر نیز دوسرے بد مذہب افراد پر کڑی نظر رکھتا تھا۔ نہایت ستودہ صفات تھا۔ حبیب السیر کے مطابق ۴۸۸ھ میں خداداد رازی باطنی کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا۔ (لغت نامہ' دہ خدا' بذیل مادہ ابو مسلم رازی)

۷۳۔ الہ آموت۔ قزوین کے توابع میں ایک کوہستانی مقام ہے جو اس شہر کے شمال مشرق میں واقع ہے۔ اس کے ناحیہ (ضلع) میں اندج رود' الموت بن اور بالا رود شامل ہیں۔ جوینی کے بیان کے مطابق یہ نام آلہ بمعنی عقاب اور آموت بمعنی آشیانہ سے مرکب ہے

اور اس کے معنی ہیں آشیانۂ عقاب۔ مگر ابن الاثیر کا بیان ہے کہ یہ لفظ دیلمی زبان کا ہے اور آلہ کے معنی عقاب کے ضرور ہیں لیکن آموت کے معنی تعلیم کے ہیں۔ سو آلہ آموت معنی ہیں تعلیم عقاب دیلمی زبان کا آموت فارسی زبان کا آموخت ہے اور یہی آخری توجیہہ درست معلوم ہوتی ہے۔

رودبار بھی قزوین کے توابع میں سے ہے جو الموت کے مغرب اور عمارلو کے مشرق میں ہے۔

طالقان بھی قزوین کے اطراف میں ایک صحت افزا کوہستانی مقام ہے۔ (معجم البلدان، ج ۳، ص ۷۷، ج ۴، ص ۶)

۷۴۔ تیسرا سلجوقی حکمران ملک شاہ، الپ ارسلان کا بیٹا تھا۔ جمادی الاولیٰ ۴۴۷ھ میں پیدا ہوا، ربیع الاول ۴۶۵ھ میں تخت نشین ہوا اور السلطان العادل، جلال الدولہ ابوالفتح، یمین امیرالمومنین کے القاب سے ملقب و موسوم کیا گیا۔ اس کے عہد سلطنت میں سلجوقی حدود حکومت وسیع ہوئیں ماوراء النہر سے یمن تک اور حدود چین سے اقصائے شام تک اس کی عمل داری قائم ہوئی۔ بیس سال عدل و انصاف کے ساتھ حکمرانی کرکے ۱۵ شوال ۴۸۵ھ کو ملک شاہ نے انتقال کیا۔ اسے اصفہان کے مدرسۂ اعظم میں دفن کیا گیا۔ اس کے ساتھ سلاجقہ بزرگ کی عظمت و شوکت بھی پیوند زمین ہو گئی۔ (عبدالرزاق کان پوری نظام الملک طوسی، کراچی ۱۹۶۳ء صفحہ ۵۳۸ھ وبعد)

۷۵۔ "درہ" طبس مسینان سے پندرہ فرسنگ جنوب میں اور بیرجند سے بیس فرسنگ جنوب مشرق میں بیرجند و سیستان کی شاہ راہ پر واقع ایک قریہ ہے۔ اس کے ویران قلعہ کے نشانات آج بھی موجود ہیں۔ اسی طرح مومن آباد ایک کوہستانی ناحیہ (ضلع) ہے جو بیرجند کے مشرق اور طبس مسینان کے مغرب میں واقع ہے۔ (معجم البلدان، ج ۲، ص ۴۵۳ و ج ۴، ص ۲۰، و ج ۱، ص ۵۲۴)

۷۶۔ سحنہ، صحنہ یا صہنہ، کرمان شاہ کے توابع کا ایک قریہ ہے۔ یہ فرقہ نصیری یا علی الہیان کا مرکز ہے۔ سلجوقی وزیر نظام الملک کو اسی مقام پر فدائی نے شہید کیا تھا۔ (معجم البلدان، ج ۳، ص ۱۹۵)

۷۷۔ برکیارق ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا تھا۔ بارہ سال سے کچھ اوپر سلطنت کرکے پچیس سال کی عمر میں ۲ ربیع الاخر ۴۹۸ھ کو سل کے مرض میں انتقال کیا اسے اس کے آبائی قبرستان میں اصفہان کے مقام پر سپرد خاک کیا گیا۔ برکیاروق نے بڑے مصائب جھیلے، کئی بار

تخت سے محروم ہوا، جان کے لالے پڑے، پھر جب اقتدار بحال اور غلبہ حاصل ہوا تو موت نے آدبوچا۔ وہ حلیم، کریم، صابر، عاقل، نرم مزاج اور عفو و درگزر کرنے والا تھا۔ (ابن الاثیر ۸ : ۲۲۳و۲۲۴)

۷۸۔ محمد، ملک شاہ سلجوقی کا بیٹا تھا۔ وہ ۴۷۴ھ میں پیدا ہوا اور ۳۷ سال کی عمر میں ۲۴ ذی الحجہ ۵۱۱ھ کو انتقال کیا۔ اس نے ذی الحجہ ۴۹۲ھ میں اپنے بھائی برکیاروق کے خلاف دعویٰ سلطنت کیا ۴۹۸ھ میں برکیاروق کی وفات تک کئی بار اس کی حکومت کا نقشہ جما، الٹا، اقتدار ملا اور زوال سے ہم کنار ہوا۔ برکیاروق کی وفات کے بعد سے ساڑھے بارہ سال تک اس کی حکومت مضبوط و منظم رہی۔ (ابن اثیر ۸ : ۲۷۷، ابن خلدون (ترجمہ اردو) ۷ : ۱۴۴، طبع کراچی ۱۹۶۹ء)

۷۹۔ مشہور سلجوقی امیر انوشتگین کا لقب امیر شیر گیر تھا۔ محمد شاہ بن ملک شاہ کے عہد میں شاہزادہ طغرل کا اتابک (اتالیق) تھا۔ محمد شاہ کے بعد کچھ عرصہ قید رہا، پھر اقتدار بحال ہوا سلطان محمود بن محمد شاہ کے دربار میں امیر حاجب کے اعلیٰ منصب پر فائز ہوا۔ جمادی الاخرہ ۵۲۵ھ کو سلطان محمود بن محمد کے حکم سے اسے قتل کردیا گیا (ابن الاثیر ۸ : ۳۳۳ و ابن خلدون (ترجمہ اردو) ۷ : ۱۶۲و۱۷۸)

۸۰۔ سلطان سنجر بن ملک شاہ بن الپ ارسلان سلجوقی رجب ۴۷۹ھ میں مقام سنجر (الجزیرہ) میں ایک ام ولد کے بطن سے پیدا ہوا اور ربیع الاول ۵۵۲ھ میں وفات پائی اور اپنے تعمیر کردہ مقبرہ میں مرو میں سپرد خاک کیا گیا۔ وہ اپنے بھائی برکیاروق کے زمانے میں ۴۹۸ھ تک خراسان کا والی رہا۔ دوسرے بھائی محمد کے دور حکومت میں ولی عہد سلطنت رہا۔ ۵۱۱ھ میں محمد کی وفات پر سلاجقہ بزرگ کی حکومت کا وارث ہوا۔ تمام سلاطین نے اس کی اطاعت کی۔ ممالک اسلامیہ کے منبروں پر اس کے نام کا خطبہ بیس سال تک "ملک" کے خطاب سے اور چالیس سال تک "سلطان" کے لقب سے پڑھا جاتا رہا۔ آخری زمانے میں اسے زوال کا منہ دیکھنا پڑا اور ترکان غز کی قید میں تین سال تک رہا۔ رجب ۵۵۱ھ میں رہائی کے بعد پھر مملکت سلجوقیہ کا وارث ہوا (ابن خلدون ۷ : ۲۲۳ و ۲۲۴ و ابن الاثیر ۹ : ۵۵)

۸۱۔ انتیسواں عباسی خلیفہ ابو منصور الفضل الملقب بہ المسترشد باللہ اپنے والد المستظہر کے انتقال کے بعد ۱۶ ربیع الاخر ۵۱۳ھ کو خلیفہ ہوا اور ۱۷ ذی القعدہ ۵۲۹ھ کو سلطان مسعود سلجوقی کی قید میں مراغہ میں ایک اسماعیلی کے ہاتھ سے جام شہادت نوش کیا۔

جب اس کی اسیری اور شہادت کی اطلاع بغداد پہونچی تو کہرام مچ گیا' لوگ گھروں سے نکل آئے حتی کہ خواتین بھی گھروں سے ننگے سر بازاروں میں نکل آئیں اور بڑا واویلا مچایا۔ مسترشد فاضل و ادیب تھا۔ اس کے ساتھ ہی بہادر وجاہت انسان بھی تھا۔ اس نے اپنے خاندان کی عظمت کو بحال کرنے کی کوشش کی اور اسی میں جان دی (محاضرات ج ۳' ص ۴۴۵ وبعد)

۸۲۔ سلطان مسعود' سلطان محمد کا بیٹا اور ملک شاہ سلجوقی کا پوتا تھا۔ ذی القعدہ ۵۰۲ھ میں پیدا ہوا۔ بائیس سال تک حکومت کر کے یکم رجب ۵۴۷ھ کو انتقال کیا۔ وہ اپنے خاندان کا آخری باعظمت حکمراں تھا۔ اس کی وفات کے بعد اس کے خاندان کا زوال شروع ہو گیا۔ (ابن خلدون ۷ : ۲۰۹ و ابن الاثیر ۹ : ۳۱)

۸۳۔ الراشد باللہ اپنے باپ المسترشد باللہ کے ۵۲۹ء میں قتل کے بعد ۲۷ ذی القعدہ ۵۲۹ کو منصب خلافت پر فائز ہوا۔ سلجوقی سلطان مسعود سے اس کے اختلافات بڑھے اس نے سلجوقی امیر برتقش اور شحنہ کو بزور شہر بغداد سے نکال باہر کیا مگر جب مسعود بنفس نفیس عراق کی جانب بڑھا تو الراشد موصل چلا گیا۔ اس نے سلاجقہ کے امراء و عمائد کا زور توڑنا چاہا لیکن اسے کامیابی نہ ہوئی اور سلطان مسعود نے اس کے چچا المقتفی کو خلیفہ بنا دیا مگر الراشد اپنی کوششوں میں لگا رہا اور ۲۵ رمضان ۵۳۲ھ کو اصفہان کے باہر شہرستان میں اسے باطنیوں نے شہید کر دیا۔ وہ بارعب' نہایت قوی اور بہادر تھا (ابن الاثیر ۸ : ۳۶۲)

۸۴۔ جوینی کے بیان کی تائید اسماعیلیوں سے متعلق تمام مآخذ سے ہوتی ہے۔ نیز خود نزاری علماء کا بھی یہی بیان ہے۔ ایک نزاری فاضل علی محمد جان محمد چنارا مصنف "نور مبین (حبل اللہ المتین)" مطبوعہ بمبئی لکھتے ہیں۔

"حضرت امام حسن علی ذکرہ السلام متوفی ۵۶۱ھ نے اپنی سلطنت کے تمام ملکوں کے اسماعیلیوں کو جمع کیا اور امامت و سلطنت کے تخت پر جلوہ افروز ہو کر عام مجمع کے سامنے فرمایا کہ قائم القیامہ میرے ذریعے ہے۔ میں امام زماں ہوں اور امر و نہی صرف شریعت کے رسم و رواج ہیں اور ان کی تکلیف کو میں اہل دنیا سے بالکل اٹھا لیتا ہوں۔ چونکہ یہ زمانہ قیامت کا ہے اسی دن الموت کے اسماعیلیوں نے بڑا جشن منایا اور یہ دن تاریخ میں "عید القیام" کے طور پر مشہور ہوا ہے۔ پھر حضرت امام نے قیامت کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا۔ "آج میں تم کو تمام شریعت کی تکلیفوں سے نجات دیتا ہوں۔ آج تمہارے لئے رحمت کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ میں نے تم سب کو اس دنیا میں شریعت اور قیامت

کے اسرار سے مطلع کیا۔ ہم زمانے کے امام ہیں۔ یہ لڑائی کا موقع ہے۔ ایسے وقت میں تمہیں خیال کرنے کی کوئی جگہ نہیں۔ اگر اختلاف ہی میں مشغول رہو گے تو قتل ہو جاؤ گے۔ شریعت وہ قواعد اور لڑائی وہ اعمال ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی قربت اعمال ہی سے ہوگی۔" اس تقریر کے بعد حضرت امام تخت سے نیچے آئے اور تمام حاضرین کو مبارک باد دیتے ہوئے فرمایا کہ آج یوم عید ہے۔ اس لئے افطار کرو اور خوشی مناؤ۔ چنانچہ وہ مبارک دن اسماعیلیوں نے نہایت دھوم دھام اور خوشی اور مسرت سے گزارا۔ اس روز کو عید القیام کے نام سے نامزد کر کے ہر سال اس دن خوشیاں مناتے رہے۔" (حوالہ نمبر ۸۶)

۸۵۔ صحیح البخاری مطبوعہ اصح المطابع کراچی ۱۹۶۱ء جلد دوم صفحہ ۶۲۶ یہ حدیث ابن شہاب زہری نے ام المومنین حضرت عائشہؓ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "بچہ اس کا ہے جس کے بستر (یعنی عورت جس کے نکاح میں ہے' باندی جس کی ملکیت میں ہے) پر پیدا ہوا اور زانی کے لئے پتھر ہے۔"

۸۶۔ اسرار شریعت و قیامت کیا ہیں' چنارا صاحب اس کی توضیح یوں کرتے ہیں :

"حضرت امام حسن علی ذکرہ السلام نے ان لوگوں کو تاویلی علم سکھایا اور بتایا کہ دنیا قدیم ہے۔ زمانہ جاودانی ہے۔ قیامت صرف روحانی ہے۔ بہشت و دوزخ معنوی (باطنی) ہیں۔ ہر ایک شخص کی قیامت اس کی موت ہے۔ باطن میں خلقت کو خدائے تعالیٰ کی خدمت میں رہنا چاہئے اور ظاہر میں صوابی طور پر زندگی بسر کرنی چاہئے جس کے لئے شریعت کے اعمال کی ساری پابندی اور بندشیں مخلوق سے اٹھائی جاتی ہیں۔" (نور مبین ص ۳۹۹ بحوالہ فاطمین مصر' ۲ : ۱۷۶۔۱۷۷)

۸۷۔ الناصرلدین اللہ اپنے باپ المستضی' بامراللہ کے بعد ذوالقعدہ ۵۷۵ھ میں تخت نشین ہوا اور رمضان ۶۲۲ھ میں سینتالیس سال تک حکومت کر کے ستر سال کی عمر میں انتقال کیا۔ وہ ظالم و جابر حکمران تھا اس کے دور اقتدار میں عراق اجڑ گیا لوگ گھر بار چھوڑ کر دوسرے علاقوں میں بھاگ گئے' الناصر نے ان کے املاک و اموال پر قبضہ کر لیا۔ وہ متضاد کام بھی کرتا تھا مثلاً اس نے مہمان خانے بنائے پھر انہیں ختم کر دیا اور نئے نئے محاصل اہل بغداد پر عائد کئے۔ اس نے نظام فتوت (مردانگی) کو فروغ دیا اور خود بھی فتیان جیسے لباس پہنے اس پر یہ الزام بھی ہے جو درست ہے کہ اس نے تاتاریوں کو بلاد اسلامیہ پر حملے کی دعوت دی تھی اور خوارزم شاہ سے ذاتی عداوت کے باعث دنیائے اسلام کو برباد و تباہ کرنے کی غرض سے چنگیز خاں کو مسلمانوں پر چڑھا لایا (ابن الاثیر ۹ : ۳۶۰ و ۳۶۱)

۸۸۔ سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ اپنے باپ سلطان تکش کی وفات کے بعد ۲۰ شوال ۵۹۶ھ کو تخت نشین ہوا۔ اس کی حکومت کوہ یورال سے لے کر خلیج فارس تک اور دریائے سندھ سے لیکر دریائے فرات تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے کئی چھوٹی چھوٹی حکومتوں کو ختم کیا قراختائیوں کو بھی زیر کیا جس سے ایران ترکستان کا ہمسایہ بن گیا۔ اسے چنگیز خاں کی خوف ناک یلغاروں کا سامنا کرنا پڑا جس سے اس کی حکومت پارہ پارہ ہو گئی اور جان بچانے کے لئے وہ ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف بھاگتا رہا اور منگول اس کے پیچھے یوں یلغاریں کرتے رہے جیسے جنگلی جانوروں کے شکار کے لئے شکاری انہیں کھدیڑ کھدیڑ کر اپنی زد پر لاتے ہیں اس کی ماں، بیگمات، بیٹیاں اور چھوٹے بچے منگولوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے اور ذلت و رسوائی کی زندگیاں گزار کر دنیا سے رخصت ہوئے۔ سلطان علاء الدین محمد کی بے تدبیری، خودسری، بے عقلی اور تکبر و غرور کے باعث مسلمانوں کو تباہی و بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ ماوراء النہر، خراسان، سجستان، ایران اور زابلستان کے تمام قابل ذکر شہر برباد ہو گئے اور تہذیب و تمدن کے یہ تمام مراکز تباہ ہو گئے۔ ستر لاکھ سے زیادہ مسلمان قتل ہوئے۔ سلطان نے نہایت کسمپرسی کے عالم میں مازندران کے قریب جزیرہ آبسکوں میں ۶۱۷ھ میں جان دی۔ اسے وہیں دفن کردیا گیا۔ بعد میں اس کی ہڈیاں اس کے بیٹے جلال الدین منبکونی کے حکم سے قلعہ اردھین میں، جو دماوند و مازندران کے درمیان تین دن کی مسافت پر ہے، لاکر دفن کی گئیں اور مقبرہ تعمیر کیا گیا۔ مگر سلطان جلال الدین منکبرنی کی شہادت کے بعد منگول ان ہڈیوں کو نکال کر خاقان اوکتائی قاآن کے پاس لے گئے جس نے انہیں جلوادیا۔ اس کی زندگی عروج و زوال، عزت و ذلت، اختیار و مجبوری کی عبرت ناک داستان ہے (جوینی، جہاں گشائی جلد دوم از ص ۷۴-۱۱۷) (ابن خلدون (ترجمہ) ۷ : ۳۲۲ و ابن الاثیر ۹ : ۳۳۳ وبعد)

۸۹۔ سبیل سے مراد حاجیوں کا قافلہ ہے جسے علم، امیر حاج اور تمام لوازمات و ضروریات سے آراستہ کردیا جائے اور ساری چیزیں (از قبیل سواری، طعام و مشروب) بلاعوض اور فی سبیل اللہ دی جائیں۔ نسوی نے سیرت جلال الدین منکبرنی میں اس موقع پر یہ لکھا ہے: "و انضاف الی ذلک استہانتھم (ای اھل بغداد) بالسبیل الذی کان للسلطان فی طریق مکۃ حرسہا اللہ تعالی حتی بلغہ تقدیمھم سبیل صاحب الاسما عیلیۃ جلال الدین الحسن علی سبیلہ"

اور یہ (عداوت) اس بات سے اور بڑھ گئی کہ اہل بغداد نے اس سلطانی سبیل کی، جو

مکہ معظمہ کے راستہ میں روانہ کی گئی تھی' توہین کی۔ یہاں تک کہ اسے (سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کو) یہ خبر ملی کہ ان لوگوں نے اسماعیلی حکمراں جلال الدین حسن کی سبیل کو بھی اس کی سبیل سے آگے کردیا ہے۔

ابن اثیر نے اسی موقع پر ۶۱۴ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھا ہے "وکان سبیلہ اذا ورد بغداد یقدم غیرہ علیہ ولعل فی عسکرہ مائتہ مثل الذی یقدم سبیلہ علیہ"

(اہل بغداد نے اپنا وتیرہ بنالیا تھا کہ) جب (سلطان کی) سبیل بغداد پہونچتی تو دوسری سبیل کو اس کے آگے کردیتے تھے اور غالباً" اس کے لشکر میں ایسی سو سبیلیں تھیں جنہیں (سلطان کی) سبیل کے آگے کردیا گیا تھا۔(۹ : ۳۱۳)

"سبیل" آذوقہ و ضروریات حجاج کے معنوں میں مستعمل تھا اس پر ابن خلکان کی اس عبارت سے استدلال کیا گیا ہے۔ "وکان یقیمہ فی کل سنتہ سبیلا للحاج و یسیر معہ جمیع ماتدعو حاجتہ المسافر الیہ فی الطریق" وہ ہر سال حاجیوں کے لئے سبیل برپا کرتا تھا اور اس کے ہمراہ وہ تمام اشیاء روانہ کرتا تھا جن کی راستے میں مسافر کو ضرورت پڑتی ہے۔ (مزید مطالعہ کی غرض سے نسوی کی سیرت جلال الدین خوارزم شاہ اور جوینی کی جہاں گشای جلد دوم بذیل حالات علاء الدین محمد خوارزم شاہ سے رجوع کیجئے)

۹۰۔ مظفر الدین ازبک بن محمد پہلوان جہاں بن شمس الدین ایلدکز اتابکان آذربائی جان کا آخری فرماں روا ہے۔ وہ عیش پرست' شرابی اور امور مملکت سے غافل تھا۔ جلال الدین منکبرنی نے ۶۲۲ھ میں آذربائی جان پر حملہ کرکے ازبک کو فرار ہونے پر مجبور کردیا اور وہ گنجعہ چلا گیا' جلال الدین نے تبریز پر قبضہ کے بعد گنجعہ بھی فتح کرلیا تو مظفر الدین وہاں سے بھی بھاگا اور اس کے بعد اس کا کہیں پتہ نہ چلا۔ (ابن اثیر' ج ۹' ص ۳۵۵ و بعد' محاضرات ج ۳' ص ۴۵۸)

۹۱۔ ناصر الدین منکلی' اتابکان آذربائی جان کے ممالیک میں سے تھا۔ ۶۰۸ھ میں بلاد جبل کے حکمراں ایتغمش کے خلاف بغاوت کی اور اسے قتل کرکے عراق عجم کا حکمران بن بیٹھا۔ اس سے ملوک اطراف اور عباسی خلیفہ الناصر ناراض تھے اس لئے ان کی متحدہ افواج نے منکلی پر ۶۱۱ھ یا ۶۱۲ھ میں حملہ کیا اسے شکست دیکر قتل کردیا اور اس کے علاقوں کو آپس میں بانٹ لیا۔ (ابن اثیر' ج ۹' ص ۳۰۵۔ ۳۱۴)

۹۲۔ مظفر الدین وجہ السبع کا نام سنقر تھا۔ وہ عباسی خلیفہ الناصر لدین اللہ کا مملوک اور اہم عہدہ دار تھا۔ مظفر الدین ۶۰۳ھ میں بھاگ کر شام چلا گیا وہاں سے ۶۰۸ھ میں واپس آیا'

۶۱۲ھ میں منکلی کے خلاف افواج بغداد کا سپہ سالار رہا‘ ۲۲-۶۱۹ میں خوزستان کا گورنر مقرر ہوا اس نے ۶۲۲ھ میں جلال الدین منکوبرنی سے شوشتر کا کامیاب دفاع کیا۔ (ابن اثیر‘ ج ۹‘ ص ۳۰۹ و ۳۵۵)

۹۳۔ مظفر الدین کوک بوری (کوک بمعنی (بھورا) اور بوری یا برو بمعنی گرگ‘ (بھیڑیا) گرگ کبود‘ بھورا بھیڑیا الملک المعظم ابو سعید مظفر الدین کوکبوری بن زین الدین علی کوچک کا تعلق ترکمانوں کے گروہ سے تھا وہ اربل و شہرزور کا گورنر تھا۔ نوجوانی میں اتابکان موصل کی جانب سے جزیرہ کے مقام حران کا گورنر بنا ۵۷۸ھ میں سلطان صلاح الدین ایوبی کی ملازمت میں داخل ہوا اور اس کے مقربان خاص میں محسوب ہوا۔ اس تاریخ سے ۵۸۶ھ تک سلطان کے ساتھ صلیبی محاربات میں جان فشانی دکھائی خصوصاً" ۵۸۳ھ میں جنگ حطین میں اس نے حیرت انگیز بہادری کا مظاہرہ کیا اور بیت المقدس کے استرداد میں اس کی سرفروشی کا بڑا دخل تھا۔ اس کے کارہائے نمایاں کے باعث ۵۸۱ھ میں سلطان نے اپنی بہن ربیعہ خاتون کا اس سے نکاح کر دیا۔ اسے ۵۸۶ھ میں سلطان نے اربل و شہرزور کا گورنر مقرر کیا ۴۴ سال تک اس منصب پر فائز رہ کر۔ ۲۸ رمضان ۶۳۰ھ میں اکاسی سال کی عمر میں اس نے انتقال کیا چونکہ لاولد تھا اس لئے اس کی وصیت کے مطابق اس کے علاقے عباسی خلیفہ المستنصر باللہ کو لوٹا دیئے گئے مظفر الدین نے ۶۱۷ھ اور اس کے بعد کے سالوں میں اپنی بساط کے مطابق چنگیزی حملوں کو روکا اور ۶۲۲ھ میں سلطان جلال الدین منکبرنی سے بھی تاتاریوں کے خلاف اتحاد کیا۔

مظفر الدین کوکبوری ایک نیک دل حکمراں تھا اس نے فقراء‘ مساکین‘ بیواؤں‘ لاوارث بچوں‘ یتیموں‘ اندھوں‘ اپاہجوں اور مسافروں کی دیکھ بھال کے لئے متعدد ادارے قائم کئے۔ مدارس‘ خانقاہیں اور رباطیں بنوائیں‘ شفاخانے قائم کئے۔ وہ بنفس نفیس مریضوں کی تیمار داری اور ان کی مالی امداد کرتا تھا۔ اس کا معمول تھا کہ ہر سال ساحلی علاقوں میں اپنے کارندے بھیج کر مسلمان قیدیوں کو عیسائی صلیبیوں کی قید سے رہائی دلواتا تھا اسی طرح وہ مکہ و مدینہ میں حجاج کی خبر گیری بھی کرتا تھا۔ مختصر یہ کہ وہ اس آخری زمانے میں اپنی جرات ایمانی‘ حمایت اسلام‘ مسلمانوں کی غم خواری اور بندگان خدا کی دل جوئی کے لئے مشہور تھا۔ وہ سلطان صلاح الدین ایوبی کے سلسلہ ذہبیہ کی آخری کڑی تھا۔ اللہ اسے کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ (البدایہ والنہایہ‘ ج ۱۳‘ ص ۱۳۶ و ۱۳۷)

۹۴۔ سیف الدین ایغلمش یا اغلمش‘ اتابکان آذربائی جان کے ترک ممالیک میں

سے تھا۔ منکلی کی شکست کے بعد ۶۱۱ھ یا ۶۱۲ھ میں اسے عراق عجم کی حکومت عطاء کی گئی۔ وہ سلطان علاء الدین محمد خوارزم شاہ کے وابستگان دولت میں تھا اور اپنے علاقے میں اس کے نام کا خطبہ پڑھتا تھا۔ اسے ۶۱۴ھ کے اوائل میں خلیفہ ناصرلدین اللہ عباسی کی تحریک پر قتل کردیا گیا اور یہی قتل عباسیوں اور خوارم شاہیوں کے مابین بنائے مخاصمت بنا (ابن اثیر' ج ۹' ص ۳۰۵۔ ۳۱۴)

۹۵۔ القرآن' سورہ الفاطر' آیت ۴۳

۹۶۔ القرآن' سورہ آل عمران' آیت ۲۷

۹۷۔ فخر الدولہ ابو الحسن علی' رکن الدویہ دیلمی بویہی کا بیٹا تھا۔ اس نے چودہ سال کے قریب بلاد فارس وغیرہ پر حکومت کی اور ۱۰ شعبان ۳۸۷ھ کو چھیالیس سال کی عمر میں انتقال کیا۔ فخر الدولہ بہادر اور لائق حکمراں تھا وہ حد درجہ بخیل تھا اس نے بے شمار دولت چھوڑی مگر کفن تک مانگے کا میسر آیا۔ اس کے بعد اس کا چار سالہ بیٹا اس کا جانشین ہوا (ابن الاثیر' ۷ : ۱۸۵)

۹۸۔ ابو علی سلامی بیہقی نیشاپوری نے ۳۰۰ھ میں انتقال کیا۔ ثعلبی اپنی کتاب یتیمتہ الدہر (جلد ۴' ص ۲۹) میں لکھتا ہے۔ "وہ ابوبکر محمد بن مظفر بن محتاج اور اس کے بیٹے ابو علی احمد کے کاتبوں (منشیوں) میں محسوب ہوتا ہے' وہ متعدد کتابوں کا مصنف ہے انہیں کتابوں میں "تاریخ اخبار ولاۃ خراسان" بھی ہے۔ ابن خلکان اور دیگر مصنفین نے اس کتاب کے اقتباسات نقل کئے ہیں (لغت نامہ دہ خدا' بذیل مادہ سلامی)

۹۹۔ ساباط بہ تصریح صراح (۱ : ۵۱۶) پوشش رہ گزر' بہ تصریح المنجد (۳۲۶) سقیفتہ بین دارین تحتہا طریق اور حسب تحقیق مجموعتہ لغات عربی (۱ : ۴۵۵) چھتہ کو کہتے ہیں۔ میں نے اس کا ترجمہ زمین دوز راستہ کیا ہے۔

۱۰۰۔ القرآن' سورہ الشعراء' آیت ۱۴۹

۱۰۱۔ تنغات (TOUNGAT) منگولوں کے پایہ تخت قراقرم اور بیش بالوغ کے درمیان ایک پہاڑ کا نام ہے (جوینی' جہاں گشای' ج ۳' ص ۹۳)

۱۰۲۔ کتاب کے اختتام پر جو عبارت درج ہے اس کا ترجمہ یہ ہے : "مسرت اور کامرانی کے ساتھ جوینی کی کتاب تاریخ جہاں کشائی ہفتہ' ۴ ذی الحجہ ۶۸۹ھ کو بندہ ضعیف رشید الخوافی کے ہاتھ (کتابت) سے تمام ہوئی۔ اللہ کے دوست پر درود اور اس کے رسول محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام ہو۔"

ضمیمہ اول

"نسخہ فتح نامہ الموت (ملخص)"

تحریر کردہ علاء الدین عطاء ملک صاحب دیوان الجوینی

اللہ تعالیٰ کی یہ سنت ہے کہ دنیا میں وقفہ وقفہ سے ایسے نامور حکمرانوں کو مسند اقتدار پر متمکن کرتا ہے جو پہنائے زمین کو اپنی کشور کشای اور فیروزمندی سے اپنے تصرف میں لاتے ہیں۔ اس لئے جب تقدیر الٰہی سے خان خاناں، فرماں وہ زمین و نعان منکوقاان کی بدولت دنیا میں عدل و انصاف کی عمل داری ہوئی، تو اسے فتح مبین حاصل ہوئی یہ کامرانی بادشاہ خجستہ فروشاہ دادگستر ہولاکو کے ذریعہ میسر آئی۔ چنانچہ اس سلطنت کا نمک خوار عطاء ملک بن محمد جوینی مستوفی چاہتا ہے کہ اس کامیابی کی بشارت دنیا کے نزدیک و دور کی اقالیم تک پہونچادے۔ سو وہ اس کی تفصیل کا ایک اجمال جو چہرہ احوال پر باقی رہے یہاں بیان کرتا ہے۔

"بادشاہ ہولاکو نے رکن الدین کے پاس بار بار قاصد بھیجے جو اسے طوعاً و کرہاً اطاعت پر مائل کرتے تھے مگر وہ ہر بار ایسا جواب دیتا تھا جو سچائی کے ہدف سے دور ہوتا تھا۔ اس لئے بادشاہ ہولاکو پر یہ بات منکشف ہوگئی کہ رکن الدین کے قلعوں کو بزور فتح کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔ اور وہ میمون وز کو جو رکن الدین کا مستقر ہے مسخر کرلے۔ سو اس نے ۶۵۴ھ کے نصف شوال میں اس قلعہ پر حملہ کا حکم دیا اور خود بھی ایک انبوہ کثیر کے ساتھ پیش قومی کی اور طالقان کے راستہ نشیب میں اترنے والے سیلاب اور بلندی پر لپکنے والے شعلہ کی طرح اور سرعت میں پانی پر چلنے والی ہوا کے مانند روانہ ہوا۔ (چوں سیل انحدار و زبانہ آتش در انصعاد و بر آب چوں باد روانہ شد) یلغار کے دوران ایک پہاڑی مینڈھا دکھائی دیا اسے سپاہیوں نے تیر سے شکار کیا۔ یہ گویا تسخیر قلعہ و اسیری رکن الدین کی فال نیک تھی۔ شاہی لشکر نے اسماعیلیوں کے قلعوں میں سے آکہ نشین، منصوریہ اور بعض دوسرے قلعوں

کا محاصرہ کرلیا۔ پھر ہزار رچم کے دشوار گزار اور پر پیچ راستے سے گزر کر دوسرے دن شاہی لاؤ لشکر قلعہ (میمون دز) کے دامن میں پہونچ گیا اسپیدار کی سمت سے جو یمین (سیدھے ہاتھ) ہے بوقا تیمور اور کوکا ایلکای لشکر گراں کے ساتھ بڑھے اور الموت کی جانب سے جو یسار (الٹے ہاتھ) پر ہے بادشاہ زادہ بلغای اور توقار نے پیش قدمی کی اور ان کے عقب سے کدبوقا آہنی پہاڑ جیسے گروہ کے ساتھ مستعد قتال ہوئے۔ اس طور سے ایک دن میں قلعہ مذکور اور شہرستان الحاد پر اس قدر بڑے لشکر نے ہجوم کیا۔

اس پہاڑ پر جس کی چوٹی پر ایک پانی کا چشمہ تھا اور اس کی کمر یعنی درمیان میں دو تین اور آبشار تھے رکن الدین کے باپ علاء الدین نے بارہ سال کے صلاح و مشورہ کے بعد میمون دز نامی قلعہ کی بنیاد رکھی تھی اور اس کی دیواروں اور فصیلوں کو پتھر اور گچ (چونے کے گارے) سے بنایا تھا۔ اس کے ایک فرسنگ پرے ایک نہر سے قلعہ میں پانی لانے کا انتظام کیا گیا تھا۔ یہاں اتنی سخت سردی تھی کہ ابتدائے خریف سے یہاں بہار تک جانور بھی نہیں رہ سکتے تھے۔ اس لئے آدمی کے رہنے کا تو سوال ہی نہ تھا اور یہ کہ وہ یہاں قیام کر کے اس کا محاصرہ کرتے لیکن جب بادشاہ ہولاکو کی فوجوں نے اس قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور اہل قلعہ نے اس انبوہ گراں اور سیل بے کراں کو دیکھا تو وہ جہاں تک نگاہ دوڑاتے آدمی اور علم دکھائی دیتے تھے اور رات کے وقت آگ کی کثرت سے زمین کو ستاروں سے بھرا ہوا آسمان سمجھتے تھے۔

ہولاکو نے اس مقام سے رکن الدین کے پاس اطاعت گزاری کا پیغام روانہ کیا اور اسے ہلاکت سے بچنے کا یہ طریقہ بتایا کہ وہ قلعہ سے نکل کر لشکر شاہی میں آجائے اور یوں ساحل نجات کی جانب جلد سے جلد آجائے۔ اہل قلعہ کے ہاں سے جواب آیا کہ رکن الدین غائب ہے اور ہم اس کی اجازت و حکم کے بغیر یہاں سے باہر نہیں آسکتے۔

بہر کیف دوسرے تیسرے دن قلعہ پر منجنیقوں سے سنگ باری کا آغاز کیا گیا اور قلعہ کے گرد درختوں کو کاٹ کاٹ کر راستے صاف کرنے کا کام شروع کیا گیا سنگ بار آلات مختلف چوٹیوں پر پہونچائے جانے لگے۔ اگلے دن بادشاہ نے اگلی بلند چوٹی پر اپنا پڑاؤ کیا۔ اس دوران اہل قلعہ بھی نہایت پامردی سے مدافعت کرتے رہے اور ادھر سے بھی ان پر جوابی حملے ہوتے رہے یہ سلسلہ چوتھے دن تک جاری رہا۔ فوج منگولی کی ان کمانوں سے جنہیں اساتذہ ختائی (چینی ہنرمندوں) نے بنایا تھا اور جن کی مار ڈھائی ہزار قدم تک تھی ملاحدہ کو حد درجہ نقصان پہونچا مگر ان کی سنگ باری سے جو پتوں کی طرح جھڑ جھڑ کر گر رہے تھے منگول

سپاہ میں ایک شخص کے علاوہ کوئی زخمی نہ ہوا۔

اس صورت حال سے گھبرا کر رکن الدین نے صلح کی کوشش شروع کی اور ہولاکو کی خدمت میں اظہار اطاعت کی نیت سے قاصد روانہ کئے اور کہا کہ آج کل میں قلعہ سے باہر آکر بارگاہ شاہی کی مٹی کو سرمہ، چشم بناؤں گا یعنی آپ کی اطاعت قبول کرلوں گا (امروز یا فرد بیروں آیم و خاک بارگاہ را توتیائی چشم سازم) رکن الدین کے اس پیغام کی وجہ سے لڑائی روک دی گئی دوسرے دن اس کی آمد کا انتظار رہا اس کا قاصد آیا اور تحریری اماں نامہ طلب کیا جو اس کے پاس بھیج دیا گیا اور جسے لوگوں کے مجمع میں پڑھ کر سنایا گیا۔ اگلے دن رکن الدین نے (آہنگ نزول کرد) قلعہ سے اتر کر آنے کا ارادہ کیا غالی فدائیوں کے ایک گروہ نے اسے ایسا کرنے سے روک دیا' اس لئے رکن الدین نے ہولاکو سے بار دیگر اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔ ہولاکو نے جواب میں کہلا بھیجا کہ رکن الدین کے حق میں یہی مناسب ہے کہ وہ وہیں رہ کر اپنی حفاظت کرے۔ اس دوران منگولوں نے قلعہ شکن اور سنگ بار آلات کو بہ آسانی مناسب مقامات پر نصب کردیا تھا اسی لئے از سر نو جنگ چھیڑ دینے کا حکم دیا گیا سنگ باری سے ملاحدہ کی منجنیق ٹوٹ گئی' ان میں خوف و ہراس پھیل گیا اور وہ محفوظ مقامات میں پناہ لینے پر مجبور ہوگئے۔ اگلے دن بھی یہی صورت حال رہی۔

آخر رکن الدین نے عفو تقصیر کے لئے پھر ایلچی روانہ کئے اور اپنے بیٹے اور اکثر ارکان دولت کو قلعہ کے نیچے ہولاکو کے ہاں بھیج دیا (اکثر اعیان و ارکان را با پسر خود بیروں فرستاد) دوسرے دن کہ سلخ شوال (۶۵۴ھ) تھا وہ خود بھی لشکر منگولی میں حاضر ہوگیا ہولاکو نے اسے خوش آمدید کیا اور اس کی وحشت کو انسیت سے بدل دیا (استیحاش و استنفار رکن الدین را باستیناس و استبشار و مبدل گردانید)

اس کے اگلے دن (رکن الدین کے) سارے بھائی' بیٹے' زنان خانہ' متعلقان و ساکنان قلعہ (برادران' و فرزندان و خانگیاں و متعلقان و ساکنان قلعہ را باہاموں آورد) کو میداں میں لایا گیا اس کے ساتھ لشکری اور ان کے سارے ساز و سامان بھی باہر لائے گئے پھر منگولوں کا لشکر قلعہ میں داخل ہوا اور وہاں کی تعمیرات و مکانات کو ڈھا کر ان پر جھاڑو پھیر دی (بجاروب خاک آں را برفتند) اس دوران فدائیوں کے غلاۃ کی ایک جماعت نے قصر کی چوٹی پر جو قبہ تھا اس پر چڑھ کر جنگ شروع کردی۔ تین دن رات یہ لوگ منگولوں سے نبرد آزما رہے آخر لڑ کر سب کے سب جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔

رکن الدین نے میمون دز کے اندوختوں میں سے بادشاہ اور ارکان دولت کو تحفے دیے

اور دوسرے قلعوں میں ایل خاں (منگولی) ایلچیوں کے ہمراہ اپنے آدمی بھیج کر انہیں منگولوں کے حوالہ کردیا۔ بادشاہ نے وہاں سے کامیاب و کامران واپسی کا سفر شروع کیا۔

الموت کے کوتوال کے پاس بھی اطاعت گزاری کی غرض سے ایلچی گئے مگر اس نے ایسا کرنے سے تذبذب کیا سو بادشاہ زادہ بلغای کو اس کے محاصرہ کا حکم ہوا مجبوراً" وہاں کے لوگوں نے رکن الدین کے ذریعہ امان طلب کی اور ذوالقعدہ کے اواخر میں یہ لوگ مطیع ہوگئے اور تین رات دن کے بعد منگولی فوجوں نے قلعہ میں گھس کر اسے برباد کردیا۔

(محلات و خانہ ہارا بر آب آتش انداختند و بجاروب ہدم خاک آں را برباد داوند دبا اصل تساوی کردند)

اسی ہفتہ قہستان کے قلعوں کا محتشم شمس الدین مطیعانہ آیا اور رکن الدین کے معتمدوں کے ہمراہ قلعوں کی حوالگی کے لئے روانہ ہوگیا۔ اس کا آغاز گرد کوہ سے ہوا اور قہستان کے تمام قلعے جن کی تعداد پچاس کے قریب تھی انہیں مسمار کردیا گیا۔ دیلمان، اشکور، طارم اور خرکام کی طرف سے بھی کوتوالوں نے آ آکر اظہار بندگی کیا اور اپنے اپنے قلعوں کو مسمار کردیا۔

ہولاکو نے یکم ذی الحجہ سال مذکور کو "اردو" کا قصد کیا اور مال غنیمت کو لشکر کے بڑے چھوٹے افسروں پر تقسیم کردیا رکن کے بارے میں حکم ہوا کہ اسے تمام قرابت داروں یعنی بیٹے، بیٹیوں کے ہمراہ قزدین بھیج دیا جائے۔ مختصر یہ کہ ہولاکو اس ماہ کے آخر میں ناصر و منصور "اردو" پہنچ گیا۔

حسن صباح کے باغی گروہ کا اور اباحت کی قائل سرکش جماعت کا رودبار الموت کے الحاد خانہ میں ایک پتھر بھی بنیاد پر باقی نہ رہا۔

ان کے محتشم بے حشمت اور ان کے کیا (سردار) بے عزت و بے حرمت ہوگئے۔ یہ لوگ خلائق کے درمیان یہود کی طرح ذلیل ہوئے اور ان پر ذلت و خواری مسلط کردی گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ذلت و رسوائی ان لوگوں کا مقدر رہے، یہ وہ لوگ ہیں جو ملعون ہیں (البقرہ، آیت ۶۱) اور شاہان روم و فرنگ جو ان ملاحدہ کو خراج ادا کرنے میں شرم محسوس نہ کرتے تھے اور ان سے لرزہ براندام رہتے تھے اطمینان کی نیند سوئے اور اہل اسلام جو ان کی حشر سامانیوں سے خائف رہتے تھے امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔

ضمیمہ دوم

"استیصال ملاحدہ"

از کتاب جامع التواریخ جلد دوم

تحریر کردہ

وزیر رشید الدین فضل اللہ   المتوفی ۷۱۸ھ

(تاتاری حکمران چنگیز خاں نے ۶۲۴ھ میں انتقال کیا۔ اس کی ہلاکت کے بعد اس کا تیسرا بیٹا اوکتای قاآن عظیم منگول جرگہ کے فیصلے کے مطابق ۶۲۶ھ میں باقاعدہ تخت خانی پر متمکن ہوا۔ اس کی موت کے بعد اس کا بیٹا گیوک قاآن ۶۴۴ھ میں اس کا جانشین ہوا۔ گیوک کی تخت نشینی پر منگولی شہزادوں، فوجی افسروں اور قبائلی سرداروں میں اختلافات پیدا ہوئے، جو اس کی ۶۴۸ھ میں موت تک برقرار رہے۔ اس کے بعد چنگیز کے چوتھے بیٹے تولی کا بیٹا منکو قاآن مسند نشین خانی ہوا۔ اسے بھی ابتداء میں بڑی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا مگر منگولی عظیم جرگہ (قوریلتائی بزرگ) کی توثیق کے بعد اسے داخلی انتشار سے نجات ملی۔ اس کے بعد اس نے مشرقی و مغربی چنگیزی مقبوضات کے انتظام اور مزید فتوحات کے انصرام کی جانب اپنی توجہ مبذول کی۔ ۲ اس نے مشہور فوجی قائد بانجو نویان کو لشکر گراں کے ساتھ مغربی مقبوضات (ترکستان، ماوراء النہر، سجستان، خراسان، ایران وغیرہ) کی حفاظت پر مامور کیا۔ بانجو نے ایران پہونچنے کے بعد منکو قاآن کی خدمت میں قراقورم و کلوان میں ملاحدہ (باطنی، اسماعیلی) اور عباسی خلیفہ (المستعصم باللہ) کی شکایتیں لکھ کر بھیجنی شروع کر دیں۔ اسی زمانہ میں قاضی القضاۃ شمس الدین قزوینی، ملاحدہ کی چیرہ دستیوں کی شکایت لے کر منکو قاآن کے دربار میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بادشاہ کو قزوین اور اس کے قرب و جوار میں باطنیوں کی خوں ریزی، قتل و غارت گری اور دہشت گردی کی تفصیل بیان کی اور اپنی قباء کے نیچے زیر جامہ کے بطور زرہ دکھائی اور بتایا کہ اس نواح کے فضلاء، امراء و علماء کی

عزت و آبرو اور جان و مال بالکل محفوظ نہیں ہیں۔

ان اسباب کی بناء پر منکو قا آن نے اپنے چوتھے بھائی ہولاکو بن تولی کو بلاد غربی (ایران، عراق، شام، مصر، روم و ارمن) کی تسخیر پر مامور کیا۔ اور اسے حکم دیا کہ "دریائے جیحوں کے پرے سے لیکر بلاد مصر کے انتہائی سرے تک کے تمام مقامات کو اپنا مطیع فرمان بنا اور جو گردن کشی و تکبر اختیار کرے اسے زن و فرزند اور عزیز و قریب سمیت ذلیل و خوار اور پامال کردے (آنکہ گردن کشی و سرافرازی نماید، اورا بازن و فرزند و خویش و پیوند در دشت پائمال قہر و ازلال گزارد) قہستان و خراسان سے آغاز کر کے قلعوں کو تباہ کرتا ہوا، عراق پہنچے اور لر (ایران کی ایک قوم) و کرد (ایران و عراق میں آباد ایک قوم) کو اپنے راستے سے ہٹادے۔ اگر خلیفہ بغداد تیرے حضور آنے اور اطاعت قبول کرنے میں پہل کرے، تو اس سے کسی قسم کی چھیڑ چھاڑ نہ کر اور اسے کسی طرح کی تکلیف نہ پہونچا، لیکن اگر وہ تکبر اختیار کرے اور دل و زبان کو ایک نہ رکھے (یعنی جو زبان پر ہو وہی بات اس کے دل میں بھی نہ ہو) تو اسے بھی دوسرے (سرکشوں) سے ملحق کردے (یعنی فنا کردے)" (اگر خلیفہ بغداد بخدمت وطاعت مبادرت نماید اورا بہیچ وجہ تعرض مرساں و اگر تکبر کند و دل و زبان را یکے ندارد، اورا بدیگراں ملحق گرداں)

اس حکم کے بموجب بادشاہ زادہ، ہولاکو ذوالحجہ ۶۵۰ھ میں اپنی فوج کے ساتھ نئی مہم پر روانہ ہوا۔ وہ سمرقند پہونچ کر خیمہ زن ہوا اور قرب و جوار کے امراء کو خطوط لکھے کہ "ہم ملاحدہ کے استیصال کے لئے جارہے ہیں تم ہماری مدد کو آؤ، تمہارے مقبوضات سے کوئی تعرض نہ کیا جائے گا، ورنہ تمہارا بھی وہی حشر کیا جائے گا جو ملاحدہ کا ہونا ہے۔" بہت سے امراء خوف سے ہولاکو کی فوج میں اپنے سپاہیوں کے ساتھ شامل ہوگئے۔

اس فوج گراں کو لے کر غرہ (ابتدائی تاریخوں میں) ذوالحجہ ۶۵۳ھ میں ہولاکو نے دریائے جیحوں پار کیا اور شکار کھیلتا ہوا آگے روانہ ہوا۔ اثنائے سفر میں سخت برف باری شروع ہوگئی جس کی وجہ سے بادشاہ کو اپنا سفر موخر کرنا پڑا۔ اس طوفان برف و ژالہ باری کے سبب بہت سے چوپائے ہلاک ہوگئے اور موسم سرما کے اختتام تک اسے اسی نواح میں قیام کرنا پڑا۔

مگر ہولاکو کی قراقورم سے روانگی سے پہلے منکو قا آن نے اس کے مقدمتہ الجیش کے بطور ایک منگول سردار کیتبو قانویان کو جمادی الاخرہ ۶۵۰ھ میں ملاحدہ کے قلعوں پر تاخت و تاراج کی غرض سے روانہ کردیا تھا، تاکہ اصل فوج کے حملوں سے پہلے ہی دشمن کی فوجی

قوت پراگندہ اور اس کا ملکی نظام برباد ہو جائے۔ اوائل محرم ۶۵۱ء میں اس مقدمتہ الجیش نے دریائے جیحوں پار کر لیا تھا اور قہستان کے صوبے میں ہر طرف لوٹ مار اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کر کے بعض مقامات پر قبضہ بھی کر لیا تھا' بعد ازاں کیتبو قانویان پانچ ہزار سواروں کی ہمراہی میں اسماعیلیوں کے قلعہ گرد کوہ پہونچ گیا اور ربیع الاول ۶۵۱ء میں اس کا محاصرہ کر لیا۔ مگر اسماعیلی جاں بازوں نے اپنی پامردی سے منگولوں کے محاصرہ کو بار بار توڑا اور دشمن پر کاری ضربیں لگائیں۔ گو محاصرہ' جاری رہا مگر محاصرہ کرنے والی فوج کو کوئی خاص کام یابی نہ ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ہولاکو کے دوسرے سردار اپنی اپنی افواج کے ساتھ اردگرد کے قلعوں اور قصبوں پر تاخت کرتے رہے۔ محاصرہ کے دوران ایک بار اسماعیلی سرفروشوں نے ۹ شوال ۶۵۱ء کو رات کے وقت قلعہ سے نکل کر محاصر تاتاری افواج پر بڑی بے جگری سے شب خون مارا اور ایک سو سے زیادہ منگولوں کو کاٹ کے رکھ دیا۔ لیکن محاصرہ کی شدت میں کوئی کمی نہ آئی اور تاتاریوں کی مختلف ٹکریاں قلعہ گرد کوہ کی نواحی بستیوں اور قریبی قلعوں پر حملہ آور ہوتی رہیں۔

سال مذکور (۶۵۱ء) کے ماہ جمادی الاولیٰ کی دسویں تاریخ کو منگولوں۔۳ (تاتاریوں) نے "تون" اور "ترشیز" پر قبضہ کر لیا۔ اسی طرح شعبان کی ابتدائی تاریخوں میں "وزمہرن" پر اور رمضان کی ستائیس تاریخ کو "وزکمالی" پر انہوں نے قبضہ کر لیا۔

گرد کوہ کے محصور ملاحدہ نے اپنے بادشاہ علاء الدین محمد کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ قلعہ میں وبا پھوٹ پڑی ہے اور اکثر جنگ آزما لقمہ اجل بن گئے ہیں اور قلعہ ہاتھ سے نکلا ہی چاہتا ہے۔ اس پیغام کے جواب میں علاء الدین محمد نے اپنے دو امیروں مبارز الدین علی تورانی اور شجاع الدین حسن استر آبادی کو ایک سو دس بہادروں کے ساتھ گرد کوہ کے محصورین کی کمک پر روانہ کیا۔ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ دو من چنا اور تین من نمک کر دیا۔۔۴ یہ سامان اس لئے بھیجا گیا کہ قلعہ میں نمک کا کال تھا اور چنا وباء کے دفعیہ کا بہترین علاج تھا۔ یہ ایک سو دس جاں باز منگول محاصرین پر اس بے جگری سے حملہ آور ہوئے کہ ان کا گھیرا توڑ کر قلعہ گرد کوہ میں بسلامت داخل ہو گئے۔ ان میں سے کسی کو کسی قسم کی کوئی گزند نہ پہونچی۔ صرف ایک شخص پھسل کر خندق میں جا گرا تھا۔ اسے بھی اس کے ساتھی اپنے کاندھوں پر اٹھا کر قلعہ میں لے گئے۔ اس بروقت کمک سے گرد کوہ کے اسماعیلی محصورین کی بڑی ہمت افزائی ہوئی اور وہ پہلے سے بھی زیادہ سرگرمی سے اپنے قلعہ کے دفاع میں مصروف ہو گئے۔

(اسماعیلیوں کی بدقسمتی کہئے کہ) اسی دوران شب چہار شنبہ سلخ (آخری تاریخوں میں) ذی قعدہ ۶۵۳ھ کو اسماعیلیوں کے بادشاہ علاء الدین محمد کو اس کے بیٹے خورشاہ کی سازش سے حسن ماژندرانی نے کہ علاء الدین کا حاجب تھا' شیرکوہ کے مقام پر تبرزین کا زخم لگا کر مار ڈالا۔ خورشاہ نے باپ کی جگہ لیتے ہی ایک فدائی کے ذریعہ حسن ماژندرانی کو اپنے باپ کے قتل کے جرم میں مروا ڈالا اور اس کے زن و فرزند کو میدان میں لے جا کر جلوا دیا۔
اسی اثناء میں بروز یک شنبہ ۲۶ ذوالحجہ کو تین دن کی لڑائی کے بعد دزشال پر منگولوں کا قبضہ ہو گیا۔ بعد ازاں ہولا کو نے ملک شمس الدین کرت کو قلعہ سر تخت کے اسماعیلی حاکم (محتشم) ناصرالدین کے پاس خط دیکر روانہ کیا۔ وہ بڑا جہاں دیدہ اور معمر شخص تھا' حالات کو بھانپ کر منگولوں کی اطاعت قبول کر لی' اپنے اہل و عیال کے ہمراہ لشکر شاہی میں آیا اور ہولا کو کی خدمت میں تحفے پیش کئے۔ ہولا کو نے اس سے اہل قلعہ کے بارے میں پوچھا۔ اس نے جواب دیا کہ وہ خورشاہ کی رعایا ہیں اور اس کے حکم کے بغیر ہتھیار نہیں ڈال سکتے۔ بہر کیف محتشم ناصرالدین عنایات شاہی کا سزاوار ٹھہرا اور اسے بعد میں شہرتون کی حکومت عطا کی گئی۔

ماہ صفر ۶۵۴ھ میں ہولا کو وہاں سے چل کر زادہ اور خواف آیا۔ یہاں وہ بیمار پڑ گیا اس لئے اس نے کوکا ایلکای اور کیتبو قانویان کو دوسرے امراء لشکر کے ہمراہ ملاحدہ کی بقیہ ولایات کی تسخیر کے لئے روانہ کیا۔ قہستان کے حدود میں وہاں کے بدمعاشوں نے کسی قدر مزاحمت کی' لیکن ایک ہفتہ میں ان سبھوں کو مار بھگایا گیا اور ان کے فوجی مورچوں کو برباد کر دیا گیا۔

۷ ربیع الآخر کو یہ لشکر شہرتوں پہونچا۔ منجنیق نصب کر کے حصار پر حملہ کا آغاز کیا گیا۔ ۱۹ تاریخ کو شہرستان پر قبضہ ہوا اور وہاں کے اہل حرفہ (کاریگروں) کے سوا ساری آبادی کو تلوار کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ یہ منگولی لشکر اس کامیابی کے بعد مظفر و منصور شاہی لشکر سے آ ملا اور شاہی افواج کے ہمراہ طوس کی جانب روانہ ہوا۔ چند روز طوس میں آرام اور سامان خورد و نوش کی فراہمی کے بعد یہ لشکر ملاحدہ کے قلعوں کی تسخیر مزید کی غرض سے آگے بڑھا۔
طوس سے ۲۹ جمادی الآخرہ کو روانہ ہو کر ۱۰ شعبان ۶۵۴ھ کو شاہی لشکر خرقان اور بسطام پہونچا۔ یہاں سے ہرات کے شحنہ مرکیتائی ایلکتش کے ہمراہ خورشاہ کے پاس قاصد بھیجے گئے۔ اور اسے (خورشاہ کو) ڈرایا گیا' سختی کی گئی' دھمکی دی گئی اور سخت تنبیہہ کی گئی (و تخویف و تعنیف تہدید و وعید فرمود) تاکہ وہ منگولوں کی اطاعت قبول کر کے اپنے بقیہ

قلعے ان کے حوالے کر دے)

اسی زمانے میں مولانائے سعید خواجہ نصیر الدین طوسی جو دنیا کے کامل ترین اور عاقل ترین فرد تھے (کہ اکمل و اعقل عالم بود) اور نامی گرامی اطباء کی ایک جماعت مثلاً رئیس الدولہ' موفق الدولہ اور ان کے بیٹے وغیرہ جو مجبوراً" ملاحدہ کے ہاں مقیم تھے اور خورشاہ کی بدطینتی و مظالم کے عینی شاہد تھے اور ملاحدہ کی ملازمت سے رنجیدہ و متنفر اور ہولاکو کی جانب مائل تھے (و میل ایشاں بہوا خواہی ہولاکو بود) ان لوگوں کے مشورہ سے خورشاہ نے اظہار اطاعت و بندگی کی غرض سے اپنے چھوٹے بھائی شہنشاہ' خواجہ اصیل الدین زوزنی اور دوسرے عمائد سلطنت کے ہمراہ ایک سفارت بادشاہ ہولاکو کی خدمت میں روانہ کی۔ اس کے جواب میں ہولاکو نے بھی خورشاہ کے پاس ایک سفارت بھیجی کہ "وہ اپنے قلعوں کو مسمار کر کے بہ نفس نفیس اس کی خدمت میں حاضر ہو۔" اس کے جواب میں خورشاہ نے یہ عرض کیا کہ "میرے باپ نے بادشاہ کی مخالفت کی تھی مگر میں تو اس کا تابع فرمان ہوں" اس کے بعد اس نے اپنے چند قلعے مثلاً میمون دز' آلہ اموت اور لمسر کے کنگرے گروا دیئے' ان کے پھاٹک اکھڑوا دیئے اور ان کی فصیلیں منہدم کروا دیں اور یہ درخواست کی کہ بادشاہ کی خدمت میں حاضری کے لئے ایک سال کی مہلت عطا کی جائے۔ مگر ہولاکو نے اس عرض داشت کو درخور اعتناء نہ سمجھا اور ۱۰ شعبان ۶۵۴ھ کو بسطام سے چل کھڑا ہوا۔ ملاحدہ کے قلعوں پر ایک ساتھ یلغار کی غرض سے عراق اور دوسرے علاقوں کی افواج کو لشکر شاہی (اردو) میں پہونچنے کا حکم صادر کیا۔ اس کے ساتھ خورشاہ کو دربار میں حاضر ہونے کا ایک بار پھر فرمان بھیجا۔

خورشاہ نے جواب میں اپنے وزیر کے قباد کو سفراء کے ہمراہ بھیجا۔ وہ قلعوں کو مسمار کرنے پر آمادہ ہو گیا اور حاضری کے لئے ایک سال کی مہلت طلب کی اور عرض کیا کہ "الہ اموت" و لمسر کے قلعے جو ہمارے قدیم مسکن ہیں بربادی و مسماری سے مستثنیٰ کئے جائیں۔ بقیہ قلعے حوالے کر دیئے جائیں گے۔" اس کے ساتھ ہی اس نے گرد کوہ اور قہستان کے محتشم کو حکم دیا کہ وہ منگولوں کا مطیع فرمان ہو جائے اور ان کے احکام پر عمل کرے۔

ملاحدہ کی یہ تمام سفارتیں ناکام واپس گئیں۔ ہولاکو نے ان کی کسی درخواست کو منظور نہ کیا اور پیش قدمی جاری رکھی۔ لار اور دماوند پہونچ کر گرد کوہ کے مقدم کو حاضر خدمت کرنے کی غرض سے اس نے شمس الدین گیلکی کو گرد کوہ بھیج دیا۔ خود قسران کا رخ کیا۔ راستے میں شاہ دز پڑتا تھا۔ اس کا محاصرہ کر لیا گیا اور دو دنوں میں یہ قلعہ فتح ہو گیا۔

اس اثناء میں اظہار اطاعت کی غرض سے خور شاہ نے ۱۷ رمضان ۶۵۴ھ کو ہولاکو کی خدمت میں ایک اور سفارت بھیجی۔ اس میں اس کا ہفت سالہ بیٹا اور تین سو افراد شامل تھے۔ یہ سفارت جب ہولاکو کے پاس پہونچی تو وہ عباس آبادری میں خیمہ زن تھا۔ خورشاہ نے قلعوں کو مسمار کرنے کی مزید یقین دہانی کرائی۔ ہولاکو نے اس سفارت کو یہ کہہ کر لوٹا دیا کہ بچہ ابھی خورد سال ہے۔ اگر خورشاہ کی آمد میں تاخیر ہے تو وہ اپنے کسی بھائی کو ہمارے حضور میں بھیجے تاکہ شہنشاہ جو ایک عرصہ سے ہمارے پاس مقیم ہے واپس جا سکے۔

اس لئے خورشاہ نے اپنے بھائی شیران شاہ کو تین سو آدمیوں کے ہمراہ ۵ شوال کو ہولاکو کی خدمت میں بھیجا۔ یہ لوگ ۹ شوال کو اس پیغام کے ساتھ واپس کر دیئے گئے کہ "ہم نے خورشاہ کو معاف کیا' وہ ہمارے خوف سے بے خوف اور ایمن رہے۔"

اس کے بعد ہولاکو نے اپنے سرداروں کو حکم دیا کہ ہر جانب سے اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ خورشاہ کو گھیر لیں۔ جب یہ سردار اس کے قریب پہونچ گئے تو اس نے یہ پیغام بھیجا کہ "جب ہم نے تمہاری اطاعت قبول کر لی اور قلعوں کو منہدم کرنے میں مشغول ہیں، تو تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو؟" ان سرداروں نے جواب دیا کہ "آپ سے ہماری دوستی ہو چکی ہے' اس لئے ہم اپنے جانوروں کے چارے کی تلاش میں یہاں تک آگئے ہیں۔"

ہولاکو بھی ۱۰ شوال ۶۵۴ھ کو بیش کلہ سے براہ طالقان چل پڑا اور ملاحدہ کے قلعوں کی تسخیر کی غرض سے اپنے سرداروں سے آملا۔ اگر اس رات بارش نہ ہو جاتی تو خورشاہ گرفتار ہو چکا ہوتا۔

۱۸ شوال کو میمون وز کے سامنے شمالی سمت میں ہولاکو کے خیمے نصب کر دیئے گئے۔ دوسرے روز اس قلعہ کو اس کے فوجیوں نے ہر سمت سے گھیر لیا۔ اس نے ہر طرف سے قلعہ میں داخل ہونے اور وہاں سے نکلنے کے راستوں کا معائنہ کیا۔ چونکہ استحکام کی وجہ سے قلعہ کی تسخیر مشکل تھی' اس لئے اس نے اپنے امراء سے مشورہ کیا۔ بعض امراء نے موسم سرما کی تباہ کاری اور قلعہ کے ناقابل تسخیر ہونے کے باعث' محاصرہ اٹھا لینے اور اگلے سال چڑھائی کرنے کی رائے دی لیکن اس کی اور اس کے بعض سرداروں کی رائے تھی کہ محاصرہ جاری رہنا چاہئے۔ چنانچہ اسی دوسری رائے پر عمل کیا گیا اور محاصرہ جاری رکھا گیا۔ بعد ازاں اس نے خورشاہ کو تہدید آمیز خط روانہ کیا۔ اس پر خورشاہ نے اپنے مشیروں سے مشورہ کیا اور چونکہ اس میں مقابلے کی طاقت نہ تھی اس لئے ہولاکو کی خدمت میں اپنے بھائی ایران شاہ اور بیٹے ترکیا کو خواجہ نصیرالدین طوسی' خواجہ اصیل الدین زوزنی اور اعیان

و اشراف کی ایک جماعت کے ساتھ جمعہ ۲۷ شوال کو تحفہ تحائف کے ساتھ روانہ کیا۔ ان سب لوگوں کو منگولی سپاہ نے الگ الگ نیچے اتارا اور آنے کا سبب دریافت کیا۔

بعد ازاں یکم ذوالقعدہ ۶۵۴ھ کو خورشاہ اپنے امراء کے مشورہ سے خواجہ نصیر الدین طوسی، خواجہ اصیل الدین زوزنی، وزیر موید الدین، رئیس الدولہ و موفق الدولہ کے بیٹوں کے ساتھ قلعہ سے نکل کر ہولاکو کے پاس آگیا۔ اس نے اپنی دو سو سال کی حکومت اور سرداری کو خیرباد کہا اور ہولاکو کی قدم بوسی کا شرف حاصل کیا۔ یوں ملاحدہ کی حکومت دو صد سالہ ختم ہو گئی۔ خواجہ نصیر الدین طوسی نے اس کی تاریخ ان اشعار سے نکالی ہے ؎

سال عرب چوں شش صد و پنجاہ و چار شد
یکشنبہ اول مہ ذی القعدہ، بامداد
خورشاہ، بادشاہ سماعیلیاں، زتخت،
برخاست، و پیش تخت ہلاکو بایستاد

ہولاکو نے جب خورشاہ کو دیکھا تو اسے کم سن اور ناتجربہ کار جان کر اس کی دل جوئی کی اور اس پر نوازش و عنایت کی۔

اب ملاحدہ کے قلعوں کے انہدام کی غرض سے صدر الدین کو ہولاکو نے روانہ کیا۔ ان قلعوں کی تعداد سو کے لگ بھگ تھی۔ یہ قلعے قہستان، رودبار اور قومش کے علاقوں میں واقع اور سامان جنگ و اسباب معاش سے مالا مال تھے اور دو سو سال سے ملاحدہ کے قبضے میں تھے۔ چنانچہ صدر الدین نے قلعوں کو مسمار کرا دیا، ساز و سامان ضبط کر لیا اور ان کے کوتوالوں کو نکال باہر کیا۔ صرف دو قلعے گردکوہ اور لمسر باقی رکھے گئے کہ ان میں خورشاہ کے اہل و عیال و خاندان کے افراد قیام پذیر تھے۔ ان قلعوں کے مکیں یا تو وباء کا شکار ہو گئے یا قتل کئے گئے یا وہاں سے بھاگ گئے۔ گردکوہ میں اسماعیلیوں نے کافی مزاحمت کی اور ۶۶۳ھ میں ہولاکو کی ہلاکت کے بعد اباقا آن کے عہد میں اس پر منگولوں کا قبضہ ہوا۔

الغرض خورشاہ اپنے تمام متعلقین کے ساتھ قلعہ میمون دز سے نکل آیا۔ اس کے ساتھ اس کے موروثی خزانے، دفینے اور ساز و سامان تھے جو ہر چند کہ اپنی صدیوں کی شہرت سے کم تر تھے مگر پھر بھی بکثرت تھے۔ اس نے یہ سب ہولاکو کی نذر کئے۔ اس کامیابی کے بعد ہولاکو الموت آیا۔ رکن الدین کی معرفت قلعہ کے محافظین کو ہتھیار ڈالنے کا پیغام دیا، مگر وہ نہ مانے اور کئی دن تک مدافعت کرتے رہے۔ آخر روز شنبہ ۲۶ ذوالقعدہ ۶۵۴ھ کو ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے اور قلعہ دشمن کے حوالے کر دیا۔ منگول سپاہ نے قلعہ کے دروازے

اکھاڑ پھینکے اور اہل قلعہ کو وہاں سے مال و اسباب کے ساتھ نکل جانے کے لئے تین دن کی مہلت دی۔ چوتھے دن منگولوں نے قلعہ میں گھس کر قتل و غارت کا بازار گرم کردیا۔ ہولاکو قلعہ میں گیا' اس کی بلندی اور استحکام دیکھ کر حیران رہ گیا۔

اس کے بعد ہولاکو نے یہاں سے کوچ کا حکم دیا۔ لمسو کے نواح میں چند یوم قیام کے بعد طائر بوقا کو قلعہ کے محاصرے کے لئے چھوڑ کر ۶ ذوالحجہ ۶۵۴ھ کو وہاں سے مراجعت کی۔ اثناء سفر میں خواجہ نصیر الدین طوسی' اور رئیس الدولہ و موفق الدولہ کے فرزندوں کو جو بڑے حاذق طبیب تھے اور ہمدان کے رہنے والے تھے' انعام و اکرام سے سرفراز کیا اور حکم ہوا کہ اپنے اہل و عیال کے ساتھ شاہی رکاب میں رہیں' یہ لوگ اور ان کی اولاد اب تک نہایت اعزاز و احترام کے ساتھ عنایات خسروی کے سزاوار ہیں۔ (یعنی ملاحدہ کی بربادی اور الموت کی تباہی سے لیکر مولف کتاب رشید الدین فضل اللہ کے زمانہ تک کہ اولجایتو سلطان کا عہد ہے' ارباب اقتدار و اصحاب جاہ و حشم ہیں)

روز پنج شنبہ دہم محرم ۶۵۵ھ کو ہولاکو نے خورشاہ کو خلعت فاخرہ عطاء کی اور دیگر عنایات کا مستوجب قرار دیا۔ اس کی عزت افزائی کی خاطر ایک منگولی لڑکی سے اس کا نکاح کردیا۔ (ایسا جاسوسی کی نیت سے تو نہیں کیا گیا تھا؟) اور اس کو اپنے اہل خاندان کے ساتھ قزوین میں رہائش پذیر ہونے کا حکم دیا۔ ہولاکو نے اس بناء پر کہ خورشاہ کو امان دی تھی اور نیز اس مصلحت سے کہ اس کی مساعی سے شام میں ملاحدہ کے قلعے مسخر ہو جائیں گے' ورنہ اس کی فتح میں سالہا سال لگ جائیں گے' اس کی آسائش کا بڑا خیال رکھا اور اسے نہایت اعزاز و اکرام کے ساتھ رکھا۔ پھر منکوقاآن کی خدمت میں روانہ کردیا۔ اس کے بعد روایات میں سخت اختلاف ہے' مگر جو بات کہ تحقیق سے ثابت ہے' وہ یہ ہے کہ خورشاہ کا سفر قراقرم جاری ہی تھا کہ منکوقاآن کا ہولاکو کے پاس فرمان پہونچا کہ خورشاہ کو ہمارے دربار میں کیوں بھیجا جا رہا ہے اور سواری اور آدمیوں کو بے فائدہ کیوں تھکایا جا رہا ہے؟ اس لئے اس کے حکم کے بموجب اثنائے سفر میں خورشاہ کا کام تمام کردیا گیا۔ اور خورشاہ کے متعلقین کیا مرد' کیا عورت حتیٰ کہ شیر خوار بچوں تک کو جو گہواروں میں تھے' ابہرو قزوین کے درمیان قتل کردیا گیا (و متعلقاں اوراازن و مرد تاکودک ور گہوارہ تمامت را درمیان ابہرو قزوین بقتل آوردند) یوں خورشاہ اور اس کے خاندان کا نام و نشان مٹ گیا (چنانکہ ازایشاں اثرے نماند)

ان حدود (خراسان و ایران) میں اسماعیلیوں نے ۱۷۷ (ایکسو ستتر) سال ۷۷ ہھ سے

۵۔ ۶۵۴ھ تک حکومت کی۔ ۷۷ ۲ھ کا عدد بحساب جمل لفظ "الموت" سے برآمد ہوتا ہے۔

۶۔ یہ حکومت یکم ذوالقعدہ ۶۵۴ھ کو منگولوں کے ہاتھوں ختم ہوگئی۔ ان کے حکمرانوں کے نام یہ ہیں :

۱۔ حسن بن علی بن محمد صباح الحمیری داعی
۲۔ کیا بزرگ امید داعی
۳۔ محمد بن بزرگ امید
۴۔ حسن بن محمد بن بزرگ امید
۵۔ جلال الدین حسن بن محمد
۶۔ علاء الدین محمد بن حسن بن محمد۔
۷۔ رکن الدین خورشاہ بن علاء الدین محمد ۔۷

حواشی

۱۔ ابو الفضل رشید الدین فضل اللہ بن ابو الخیر، ہمدان کا رہنے والا تھا۔ اس کا باپ مذہباً" یہودی اور پیشے کے لحاظ سے عطار تھا۔ رشید الدین نے اسلام قبول کیا اور اپنے عہد کے علماء و فضلاء سے علوم متداولہ کی تحصیل کی۔ فن طب سے اسے خاندانی شغف تھا چنانچہ اس میں بڑی مہارت پیدا کی اور منگول حکمران غازان خاں کے ہاں بحیثیت طبیب ملازم ہوا۔ اپنی اعلیٰ علمی و انتظامی صلاحیتوں کے باعث ترقی کرکے وزیر ہوا اور بے شرکت غیرے حکومت کا مہتمم و منصرم ہوگیا۔ غازان اور خربندہ کے زمانے میں اسے بڑا اثر و رسوخ حاصل ہوا اس کے ساتھ اس کے دشمنوں کی تعداد میں بھی اضافہ ہوا۔ آخر میں سلطان اولجایتو محمد خدا بندہ (خربندہ) کے انتقال کے بعد خواجہ کے دشمنوں کو موقع ہاتھ آگیا۔ انہوں نے نئے سلطان ابو سعید کو یہ باور کرادیا کہ خواجہ نے اس کے باپ کو زہر دے کر مار ڈالا ہے یا یہ کہ اس کا غلط علاج کیا جس سے اس کی موت واقع ہوگئی۔ اس جرم میں خواجہ رشید الدین اور اس کا بیٹا عزالدین ۱۷ جمادی الاولی ۷۱۸ھ کو قتل کردیئے گئے اور ان کی لاشیں تبریز بھیج دی گئیں۔ اس وقت اس کی عمر ستر سال سے زیادہ تھی۔ خواجہ نہایت ذی علم، سخی، معارف پرور اور مسلمانوں کا مربی و خیر خواہ تھا۔ اس نے طب، تاریخ اور تفسیر میں متعدد تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ قرآن کی تفسیر نہایت مبسوط ہے اور تاریخ جامع التاریخ یا تاریخ غازان

خانی اپنے عہد کی نہایت مستند تاریخ ہے۔ (عباس العزادی العراقی 'العراق بین احتلالین' جلد اول' صفحہ ۱۵۱ھ۔۷ ۴۵ 'مطبوعہ بغداد ۱۹۳۵ء

۲۔ العراق بین احتلالین' جلد اول' صفحہ ۱۴۵ و بعد

۳۔ میں نے ترجمہ میں کہیں "تاتاری" اور کہیں "منگولی" افواج کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ اس عہد کے معاصر مورخین نے ان دونوں الفاظ کو مرادف و ہم معنی سمجھا ہے اور چنگیز خانی افواج کے لئے دونوں ہی الفاظ (تاتاری و منگولی) استعمال کئے ہیں بلکہ بعض نے تو "ترکوں" اور ان دونوں میں کوئی تفریق نہیں کی ہے۔ (مزید تفصیل کی غرض سے العزادی کی ضخیم تاریخ العراق بین احتلالین کا مطالعہ مفید ہوگا۔)

۴۔ من : ہندی میں چالیس سیر کا ایک پیمانہ 'فارسی میں دو رطل یا ایک سیر کا پیمانہ اور یہاں یہی مراد ہے۔ (غیاث اللغات)

۵۔ یہاں رشید الدین سے سہو ہوا ہے۔ اسماعیلیوں کی حکومت کا آغاز ایک روایت کی رو سے ۴۷۳ھ اور دوسری روایت کے مطابق ۴۷۷ھ سے ہوا تھا۔ مگر قلعہ "الہ اموت" ۶ رجب ۴۸۳ھ کو ان کے قبضے میں آیا تھا۔ اس کا ذکر جوینی نے بالتصریح کیا ہے۔ ملاحظہ ہو۔ تاریخ جہاں گشائی' جلد سوم' صفحہ ۱۹۴ مطبوعہ بریل لائیڈن ۱۹۳۷ھ۔ مادہ تاریخ ہے آ + ل + ہ + ا + م + و + ت = ۱ + ۳۰ + ۵ + ۱ + ۴۰ + ۶ + ۴۰۰ (یعنی 'آلہ اموت' = ۴۸۳ھ) صحیح لفظ "آلہ اموت" یعنی "آشیانہ عقاب" یا "تربیت گاہ عقاب" ہے۔ اسماعیلیوں کی حکومت کا آغاز ۴۷۳ھ سے ہوا۔ مولف جامع التواریخ کا بیان کہ ان کی حکومت کی ابتداء ۴۷۷ھ سے ہوئی' منفرد بیان ہے' دیکھئے تاریخ العراق بین احتلالین' جلد اول' صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۳)

۶۔ رشید الدین کا یہ بیان کہ اسماعیلیوں کے حکمرانوں کی تعداد سات تھی' درست نہیں ہے ان کے حکام کی تعداد آٹھ ہے۔ تفصیل درج ذیل ہے۔

۱۔ حسن بن علی بن محمد الصباح (از ۴۷۳ھ تا ۵۱۸ھ)

۲۔ کیا بزرگ امید (از ۵۱۸ھ تا ۵۳۲ھ)

۳۔ محمد بن کیا بزرگ امید (از ۵۳۲ھ تا ۵۵۷ھ)

۴۔ حسن بن محمد (از ۵۵۷ھ تا ۵۶۱ھ)

۵۔ محمد بن حسن (از ۵۶۱ھ تا ۶۰۷ھ)

۶۔ جلال الدین حسن بن محمد (از ۶۰۷ھ تا ۶۱۸ھ)

۷۔ علاء الدین محمد بن جلال الدین حسن (از ۶۱۸ھ تا ۶۵۳ھ)

۸۔ رکن الدین خور شاہ بن علاء الدین محمد (از ۶۵۳ھ تا ۶۵۴ھ)

جامع التواریخ میں چھٹیں حکمراں جلال الدین حسن کا نام مذکور نہیں ہے۔ غالباً" اس کی وجہ یہ ہے کہ جلال الدین حسن نے اسماعیلی عقائد سے توبہ کرلی تھی اور اسلام قبول کرلیا تھا، اس لئے رشید الدین نے اسے ملاحدہ میں شمار کرنا مناسب نہیں سمجھا ہوگا۔ (دیکھئے جہاں کشائی جلد سوم بر موقع اور تاریخ العراق بین احتلالین جلد اول صفحہ ۱۵۲ و ۱۵۳)

جامع التواریخ المجلد الثانی (دوسری جلد) کے صفحہ ۲۰ تا صفحہ ۳۸ کے فارسی متن کا ترجمہ اس ایڈیشن سے کیا گیا ہے جسے ۱۹۵۷ء میں باکو آذربائی جان کی نشر فرہنگستان علوم جمہوری شوروی سوویتی" نے شائع کیا ہے۔

ضمیمہ سوم

"جنگ بغداد کی کیفیت"

تحریر کردہ

(مرحوم افضل العالم استاد البشر نصیر الحق والدین محمد بن محمد طوسی رحمہ اللہ ۔ا)

جس زمانے میں بادشاہ جہاں' اصل امن و امان ہولاکو ۔۲ نے ملاحدہ ۔۳ کے استیصال کی نیت سے ان کے علاقے میں داخل ہونے کا ارادہ کیا' خلیفہ (بغداد) کے پاس ایلچی بھیجا کہ تمہارا کہنا یہ ہے کہ تم ہمارے مطیع فرمان ہو' اس لئے اس اطاعت و ماتحتی کی علامت یہ ہے کہ جب ہم سرکش ملاحدہ پر فوج کشی کریں' تو اپنا لشکر بھیج کر ہمیں کمک پہنچاؤ۔ خلیفہ (المستعصم باللہ) نے اپنے وزیروں اور نائبوں سے مشورہ کیا کہ قرین مصلحت یہ ہوگا کہ تھوڑے سے سپاہی بھیج دیئے جائیں۔ اس پر امراء اور سرداران لشکر نے کہا کہ ہولاکو یہ چاہتا ہے کہ اس بہانے سے بغداد اور خلیفہ کا ملک سپاہ سے خالی ہو جائے تاکہ جب اس کا جی چاہے کسی مزاحمت کے بغیر اس ملک پر قبضہ کر لے اس مشورہ کی وجہ سے خلیفہ نے لشکر کی روانگی ملتوی کر دی ۔۴

جب بادشاہ (ہولاکو)' ملاحدہ (کے ملک (کی تسخیر سے) فارغ ہو کر ہمدان روانہ ہوا تو اس نے خلیفہ سے سخت باز پرس کی کہ تم نے فوج کیوں نہ بھیجی۔ خلیفہ اس سے سخت خائف ہوا اور اپنے وزیر ۔۵ سے اس سلسلہ میں مشورہ کیا۔ وزیر نے یہ صلاح دی کہ زر نقد' جواہرات' مرصعات' زرکار پارچہ جات' نفیس ملبوسات' عمدہ سواریاں' اسپان بلند' سادہ رو غلام' خوبرو باندیاں' خچر ۔۶ اور اونٹ پر مشتمل کثیر ساز و سامان ترتیب دے کر ہولاکو کی خدمت میں بطور نذر پیش کر کے' لشکر نہ بھیجنے کی معذرت کرنی چاہئے۔ یہ مشورہ خلیفہ کو پسند آیا اور اس نے تحریر تیار کرنے اور ان اشیاء کی ترتیب دہی کا حکم صادر کیا۔ اس نے اپنے

خاص امراء میں سے دو تین آدمیوں کو نامزد کیا کہ ہولاکو کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ تحائف پیش کر کے عذر خواہی کریں۔

دوات دار کوچک ۷ (صغیر) اور دوسرے اکابر دربار نے اب یہ کہا کہ وزیر نے یہ رائے اس لئے دی ہے کہ ہولاکو سے اپنے معاملات درست کرے اور ہمیں لشکریوں اور اکابر کو ترکوں ۸ (منگولوں) کے حوالے کردے تاکہ وہ ہم سب کو جان سے مار ڈالیں۔ اس لئے ہم خود اس پر نظر رکھیں گے کہ جب مال و اسباب لے کر یہ لوگ شہر (بغداد) سے باہر جائیں، تو قاصدوں کو پکڑلیں اور اموال و تحائف کو ہولاکو کی خدمت میں اپنے آدمیوں کے ذریعہ روانہ کریں، یوں ہم اپنا کام بنالیں اور اپنے مخالف (وزیر) کے حالی امراء کو بلاء و عذاب میں مبتلا کردیں۔ جب خلیفہ کو اس بات کا پتا چلا تو اس نے مال و اسباب کی ترسیل اور قاصدوں کی روانگی ملتوی کردی اور اس کے بجائے نہایت معمولی تھوڑا سا تحفہ بھیج دیا۔ (جب یہ حقیر تحفہ منگولی دربار میں پہونچا تو) ہولاکو کو اس پر سخت غصہ آیا اور حکم صادر کیا کہ خلیفہ خود (ہماری خدمت میں) حاضر ہو۔ اور اگر خود نہ آسکے تو تین آدمیوں۔ وزیر، دوات دار کوچک اور سلیمان شاہ ۹ میں سے کسی ایک کو بھیجے۔ خلیفہ نے اس میں سے کسی بات پر عمل نہ کیا اور معذرت کرلی۔ اس سے بادشاہ (ہولاکو) کا غصہ اور بڑھ گیا اور اس نے بغداد کی جانب پیش قدمی و لشکر کشی کا فیصلہ کرلیا۔ اس دوران کئی بار سفراء آئے گئے (چند کرت در تنگی بیامد و برفت ۱۰) اور ایک بار محی الدین ۱۱ کے صاحب زادہ ابن الجوزی کو قاصد بنا کر ہولاکو کی خدمت میں بھیجا گیا۔ لیکن ان باتوں سے کوئی فائدہ نہ ہوا۔

بادشاہ (ہولاکو) نے ہمدان کے علاقے سے شوال ۶۵۵ھ میں پیش قدمی شروع کی۔ فوج کے میمنہ پر سوغونجاق نویان ۱۲ (نوین) (دس ہزار سپاہ کا کمان دار) اور بایجو نویان (نوین) ۱۳ شہرزور اور دقوق کے کوہستانی راستہ سے اربل جانے والی شاہراہ پر مقدمتہ الجیش کے بطور روانہ ہوئے اور میسرہ پر کیتبو قانویاں ۱۴ (نوین) اور ایکیا نویان ۱۵ (نوین) کریت اور بیات کے راستہ سے آگے روانہ ہوئے۔ قلب فوج میں خود بادشاہ (ہولاکو) موجود تھا۔ اس نے کرمان شاہان و حلوان کی راہ سے کوچ کیا۔ بغداد سے دواتدار کوچک (صغیر) فوج کے ساتھ آگے بڑھا اور یعقوبہ ۱۶ و باجسرئی ۱۷ کے درمیان نہر دیالی ۱۸ کے کنارہ پڑاؤ کیا۔

بادشاہ (ہولاکو) نے بایجو کو حکم دیا تھا کہ دریائے دجلہ سے پار اتر کر مغربی سمت سے بغداد میں داخل ہو۔ بادشاہ نے حلوان پہونچ کر سازو سامان وہیں چھوڑ دیا۔ (بنہ آنجا رہا کرد)) اور وہاں سے سواروں کے ساتھ جریدہ روانہ ہوا۔ اس اثناء میں منگولوں کے یزک

(ہراول) نے خلیفہ کے ایک امیر) ایک حلبی کو گرفتار کر کے (ہولاکو کے) سامنے پیش کیا۔ اس نے سچ سچ بات بتانے کا اقرار کیا اس لئے اسے امان دے کر اہراول دستے میں شامل کر لیا گیا (وہ منگولوں کی فوج کا رہنما بن گیا اور لشکر کے آگے آگے رہ نمائی کرتا ہوا چلا ۔۱۹) خوارزم شاہیوں کی نسل کا ایک شاہ زادہ (جوق سلطان) بھی منگولوں کے یزک (ہراول دستہ) میں موجود تھا۔ اس نے خلیفہ کے لشکریوں کو خط لکھا کہ ہم اور تم ایک ہی جنس سے ہیں، میں نے منگولوں کی اطاعت قبول کر کے ان کی ماتحتی اختیار کر لی ہے یہ لوگ میرے ساتھ اچھا سلوک کرتے ہیں۔ تم لوگ بھی اپنی جان پر رحم کھاؤ، ان کے مطیع ہو جاؤ تاکہ (ان کے مظالم سے) نجات پا جاؤ۔" اس نے یہ خط قراسنقور ۔۲۰ (نامی بغدادی امیر) کے نام لکھا تھا۔ وہاں سے اس کا جواب آیا کہ "ہولاکو کیا مال ہے (ہولاکو را چہ محل باشد) کہ بنو عباس کے ساتھ جنگ کی نیت سے پیش قدمی کرے کیونکہ اس دولت (حکومت و خلافت) نے اس جیسے بہتیرے دیکھے ہیں۔ اگر وہ صلح کا خواہاں ہوتا تو یہاں تک دھاوے مارتا نہ آتا اور خلیفہ کی مملکت کو تہس نہس نہ کرتا۔ اب بھی اگر وہ ہمدان لوٹ جائے اور عذر خواہی کرے تو میں دوات دار کوچک (صغیر) سے سفارش کر سکتا ہوں کہ وہ خلیفہ کو صلح پر راضی کر دے۔" جب یہ خط بادشاہ ہولاکو کے پاس پہونچا تو وہ ہنسا اور کہا کہ "اللہ ہی کا حکم ہے اور جو اس کی مرضی ہوگی وہی ہوگا۔"

جب سوغونجاق اور بایجو نے دریائے دجلہ پار کر لیا تو اہل بغداد کو ان کا پتہ چلا۔ انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ لشکر ہلاکو بادشاہ کا ہے جو اصل راستے سے ہٹ کر اس طرف مڑ گیا ہے۔ چنانچہ دوات دار نے یعقوبہ سے لشکر کا پڑاؤ اٹھالیا دجلہ پار کر کے بغداد آیا اور وہاں سے دجلہ کو مغربی سمت میں کاٹ کر انبار پہونچ گیا۔ جہاں اس کا مقابلہ سوغونجاق سے ہوا جو منگولوں کی فوج کا مقدمہ تھا۔ دوات دار نے سوغونجاق کے لشکر کو شکست دیکر بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ جب یہ بھگوڑے منگول بایجو نوین کی فوج کے قریب پہونچے تو اس نے پلٹ کر دوات دار پر حملہ کیا اسے شکست دیدی اور بہت بڑی تعداد میں لوگوں کو جان سے مار ڈالا۔ یہ شکست خوردہ سپاہ بغداد لوٹ آئی۔ (اسی دوران) بادشاہ ہولاکو نہر دیالی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ وہاں بغدادیوں نے کوئی کشتی نہ چھوڑی تھی سو اس نے پانی میں گھوڑے ڈال دیئے اور بغداد کے دروازے پر آ کر رکا۔ یہاں سے اس نے بوقا تیمور کو بغداد کی مغربی سمت کی جانب روانہ کیا۔ بادشاہ نے منتصف (۱۵) محرم ٦۵٦ھ کو بغداد کے دروازے پر پڑاؤ کیا۔ اس نے حکم دیا کہ بغداد کے گرداگرد دیوار تعمیر کریں جسے ان کی اصطلاح میں چپر کہتے ہیں۔ ۔۲۱ ایک رات

دن میں اس جانب (جانب شرقی) سے بادشاہ (ہولاکو) کے لشکر نے اور بوقا تیمور، سوغونجاق وبایجو نوین نے مغربی جانب سے ایک بلند دیوار تعمیر کردی اور شہر کی جانب سے اندرونی دیوار میں ایک بڑی خندق بنا کر انہوں نے اس میں منجنیق (قلعہ شکن سنگی آلات و اتواپ) نصب کیں اور جنگ کا ڈول ڈالا۔

خلیفہ نے صاحب دیوان (فخر الدین ۔۲۲ ابو طالب احمد بن دامغانی) اور ابن ۔۲۳ درنوس (نجم الدین الخاص عبد الغنی) کو تھوڑا سا تحفہ دے کر ہولاکو کے پاس روانہ کیا کیونکہ اسے اس کے امراء نے یہ پٹی پڑھائی تھی کہ اگر بڑا تحفہ بھیجا گیا تو منگول کہیں گے کہ یہ لوگ نہایت خوف زدہ ہیں اس لئے تھوڑے سے تحفہ پر ہی اکتفا کرنا چاہیے۔ (جب یہ سفارت پہنچی تو) بادشاہ نے فرمایا کہ دوات دار (صغیر) اور سلیمان شاہ کیوں نہ آئے؟ خلیفہ نے جواب بھیجا کہ بادشاہ نے فرمایا تھا کہ وزیر، دوات دار یا سلیمان شاہ میں سے کوئی ایک باہر آکر اس کی خدمت میں باریاب ہو، سو میں نے اپنا وعدہ پورا کردیا اور وزیر کو۔۲۴ جو ان میں سب سے بڑا تھا بادشاہ کے ہاں بھیج دیا اب بادشاہ کو بھی چاہیے کہ اپنی بات پر قائم رہے اور ان دونوں (دوات دار اور سلیمان شاہ) کو طلب نہ کرے۔ بادشاہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ یہ بات تو میں نے اس وقت کہی تھی جب میں ہمدان میں تھا اب میں بغداد کے دروازے پر مقیم ہوں اور یہ سارے واقعات گزر چکے ہیں میں صرف ایک پر کیسے قناعت کروں، ان تینوں کو روانہ کرنا ضروری ہے۔

مختصر یہ کہ جب لڑائی کا سلسلہ شروع ہوگیا تو بادشاہ (ہولاکو) خود شہر کی مشرقی سمت میں برج عجم ۔۲۵ کے مقابل پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا، کیت بوقا کا لشکر اس جگہ قوس (تیر کمان) سے جنگ کرتا تھا (و لشکر کیت بوقا آنجا بقوس جنگ می کروند) بلغای و ستای شہر کے دائیں جانب تھے۔ بوقا تیمور نے مغربی سمت میں اس جگہ سے جہاں باغ بقل ہے، اور سوغونجاق و بایجو نوین نے اس جانب سے جہاں بیمارستان عضدی ۔۲۶ ہے جنگ کا آغاز کیا۔ ۲۲ محرم ۶۵۶ھ سے چھ رات دن سخت لڑائی ہوئی (اس موقع پر بادشاہ ہولاکو) کے حکم سے یہ فرمان لکھ کر کہ "سادات" دانشمندوں اور نصاریٰ کے علماء و عوام، مشائخ اور ان لوگوں کو جو ہمارے ساتھ جنگ نہ کریں ہماری جانب سے امان دی جاتی ہے۔" تیروں میں لپیٹ کر شہر میں چھ سمتوں سے پھنکوایا گیا۔ مختصر یہ کہ ان لوگوں سے رات دن گھمسان کی لڑائی ہوئی۔ یہاں تک کہ ۲۸ محرم کو پو پھٹتے ہی (منگولوں کا) لشکر (شہر پناہ کی) دیوار تک جا پہنچا۔ سب سے پہلے منگولوں نے برج عجم پر ہلہ بولا اور اس جانب سے شہر پناہ پر چڑھ گئے انہوں نے مدافعین کو پیچھے دھکیلتے ہوئے نماز پیشین

(نماز ظہر) تک اس فصیل کو بغدادیوں سے چھین لیا (یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ) محاصرہ کے دوران بغداد کی مشرقی و مغربی (سمتوں میں) دیوار تعمیر کرتے وقت بادشاہ (ہولاکو) نے حکم دیا تھا کہ بغداد کے نشیبی و بالائی حصوں کی کشتیوں کو پکڑ کر تمام پلوں کو بند کر دیا جائے اور منجنیق و نفط (آتش زنی) کے آلات سے مسلح دیدبان ان پر مقرر کر دیئے جائیں۔ جب لڑائی کا زور بڑھا تھا تو دوات دار نے یہ چاہا تھا کہ کشتی میں بیٹھ کر نشیبی جانب بھاگ جائے منگولوں کو اس بات کا پتہ چل گیا تھا (ایں سخن **بمغولان** رسیدہ بود) انہوں نے منجنیق اور تیر چلائے تھے، جس سے دوات دار بھاگ کر واپس بغداد چلا گیا تھا۔ منگولوں نے اس کی تین کشتیاں چھین لی تھیں، ان میں سوار آدمیوں کو مار ڈالا تھا اور ان کے ہتھیار (ہولاکو) کی خدمت میں پیش کئے تھے۔ (اس دارو گیر میں) علویوں کا نقیب بھی مارا گیا تھا۔ جب (منگولوں نے) فصیل پر قبضہ کر لیا تو بادشاہ (ہولاکو) نے حکم دیا کہ اہل شہر اس کو مسمار کریں۔ (اس کے بعد) قاصدوں کی آمد و رفت شروع ہوئی بادشاہ نے حکم دیا کہ دوات دار اور سلیمان شاہ شہر سے باہر آئیں، خلیفہ چاہے تو باہر آئے اور اگر نہ چاہے تو نہ آئے۔ خلیفہ نے اپنے منجھلے ۲۷ بیٹے کو دوات دار اور سلیمان شاہ کے ہمراہ باہر (ہولاکو کی خدمت میں) بھیجا۔ (ہولاکو کے حکم سے) دوات دار واپس بغداد گیا اور (ہولاکو نے) سلیمان شاہ سے کہا کہ (بغداد کے) بہت سارے سپاہی ہمارے ساتھ آملے ہیں تم شہر میں واپس جا کر اپنے آدمیوں کو باہر لاؤ (جب یہ سب شہر سے نکل کر ہولاکو کے **معسکر** میں آگئے تو) دوسرے دن ان کا کام تمام کر دیا گیا (اس دوران) شہر کے باشندوں نے شرف الدین مراغی[۲۸] اور شہاب الدین زنگانی ۲۹ کو ہولاکو کی خدمت میں بھیج کر امان چاہی۔ اس کے بعد جب خلیفہ نے یہ دیکھا کہ بات بگڑ گئی اور کچھ بھی باقی نہ رہا تو (ہولاکو سے) شہر سے باہر آنے کی اجازت مانگی۔ وہ ۴ صفر ۶۵۶ھ کو اپنے بیٹے اور خواص ائمہ و سادات و مشائخ کے ہمراہ شہر سے باہر آیا اور بادشاہ (ہولاکو) سے ملاقات کی۔ اسے منگولوں نے کلواذی ۳۰ کے دروازے (کے قریب) ٹھہرایا۔ اس کے بعد (ہولاکو) کے حکم سے شہر کو لوٹا گیا۔ بادشاہ (ہولاکو) خلیفہ کے مطالعہ خانہ میں گیا ہر سمت گھوم پھر کر اس کا معائنہ کیا پھر (اس کے حکم سے) خلیفہ کو حاضر کیا گیا خلیفہ نے نذرانے پیش کئے جو کچھ لایا گیا بادشاہ نے اسی وقت اپنے خواص، امراء، لشکریوں اور حاضرین میں تقسیم کر دیا۔ اور سونے سے بھرا ہوا ایک طباق خلیفہ کے سامنے رکھا کہ اسے کھاؤ۔ خلیفہ نے کہا اسے کیسے کھایا جا سکتا ہے اس پر ہولاکو بولا کہ پھر تو نے اسے کیوں حفاظت سے رکھ چھوڑا تھا۔ اسے لشکریوں کو کیوں نہ دیدیا اور جو یہ لوہے کے دروازے ہیں ان کے پیکان کیوں نہ بنوائے

اور دریائے جیحوں کے کنارے آکر (میرا راستہ کیوں نہ روکا) تاکہ میں اس کے پار نہ اتر سکتا؟" خلیفہ نے اس کے جواب میں کہا کہ خدا کی تقدیر (حکم) یہی تھی۔ ہولاکو نے کہا کہ جو کچھ تجھ پر گزرے گی وہ بھی تقدیر خدا (خدا کا حکم) ہی ہوگی۔ رات کے وقت (ہولاکو) یہاں سے واپس (اپنے معسکر میں بیرون شہر) چلا گیا اور خلیفہ کو حکم دیا کہ وہ عورتیں جو اس کے اور اس کے بیٹوں کے ساتھ وابستہ ہیں (پیوستہ اند) انہیں (اس کے معسکر) میں لایا جائے۔ لوگ (منگول) خلیفہ کے محل سرا میں گھس گئے (وہاں) سات سو عورتیں اور تیرہ سو خدام تھے۔ (انہیں پکڑ لیا گیا)) اور ان کے علاوہ دوسروں کو متفرق و منتشر کر دیا گیا جب منگول شہر کو ایک ہفتہ تک جی بھر کر لوٹ چکے تو (باقی ماندہ) شہریوں کو امان دے دی گئی۔ ۳۰

۳۱۔ ۱۴ صفر (۶۵۶ھ) کو بادشاہ (ہولاکو) نے شہر کے دروازے سے کوچ کیا اور خلیفہ کو بلوا بھیجا (منگول خلیفہ کو بغداد کے قریب ایک گاؤں ۳۲ میں ہولاکو کے پاس لائے) بعد ازاں اس کے منجھلے بیٹے کو پانچ چھ خدام کے ساتھ وہاں لائے۔ اسی دن اسی (گاؤں) میں (خلیفہ کا) اس کے منجھلے بیٹے کے ساتھ کام تمام کر دیا گیا۔ دوسرے دن اس کے بڑے بیٹے اور اس کے ساتھ کے لوگوں کا کلواذی کے دروازے پر خاتمہ کر دیا گیا۔ ۳۳ اور (حرم سرائے خلیفہ کی) عورتوں اور خادموں کو آپس میں بانٹ لیا گیا۔

بادشاہ (ہولاکو) نے اس جگہ سے دوسرے دن کوچ کیا اور وزیر، صاحب دیوان اور ابن درنوس کو بغداد واپس روانہ کر دیا گیا۔ اس نے وزیر کو منصب وزارت پر، صاحب دیوان کو اس کے عہدہ صاحب دیوانی پر اور ابن درنوس کو ادزان ۳۴ کی سربراہی پر اور استو ۳۵ بہادر کو شہر کی کوتوالی (شحنگی) پر مامور کیا۔ اس نے روانگی کے وقت یہ حکم دیا کہ بغداد کو (پھر سے) آباد کریں، کشتوں کی لاشوں اور مردہ چوپایوں کے ڈھانچوں کو اٹھا کر پھنکوائیں اور بازاروں کو بسائیں۔ یہاں سے بادشاہ کامیاب و فتح مند ۳۶ سیاہ کوہ کے مقام پر آکر خیمہ زن ہوا (بادشاہ بمبار کی مظفر و منصور با سیاہ کوہ آمد) اور بوقا تیمور کو حلہ و واسط کا گورنر نامزد کیا۔ حلہ والے پہلے ہی ہولاکو کے مطیع ہو چکے تھے۔ ۳۷ جب بوقا تیمور وہاں پہنچا تو ان کی جانچ کی۔ پھر وہاں سے واسط ۳۸ آیا یہاں ایک ہفتہ تک قتل و غارت گری کرتا رہا۔ پھر وہ (واسط سے) لوٹ کر ششتر آیا۔ وہ اہل شہر کی اطاعت پذیری کے خیال سے شرف الدین ابن الجوزی کو اپنے ہمراہ لے گیا مگر ششتر کے باشندوں نے اطاعت قبول نہ کی اور منگولوں سے ان کا مقابلہ ہوا) اور (یہاں کے) فوجی اور ترکوں میں سے کچھ تو بھاگ گئے، کچھ مارے گئے اور جو زندہ بچے وہ منگولوں کے مطیع ہو گئے۔ ۳۹ کوفہ و بصرہ پر چڑھائی کی غرض سے کوئی لشکر نہ گیا کیونکہ بے لڑے بھڑے وہاں کے لوگ (منگولوں کے مطیع ہو گئے تھے۔ ۴۰ و ۴۱

"حواشی"

۱۔ اس ذیل کے عنوانات مختلف مخطوطات میں مختلف ہیں، میں نے نسخہ کتابخانہ ملی پیرس و نسخہ انڈیا آفس لندن کے عنوان کو سرنامہ قرار دیا ہے کہ وہ بایں عنوان ہے "کیفیت واقعہ بغداد از نسخہ مرحوم افضل العالم استاد البشر نصیر الحق والدین محمد بن محمد الطوسی رحمہ اللہ" مگر نسخہ ملکیتی آقائی محمد بن عبدالوہاب قزوینی میں اس ذیل کا عنوان یوں ہے "کیفیت فتح بغداد و واقعہ مستعصم خلیفہ و قتل و نہب آنجا منقول از نسخہ مرحوم سعید مفخر الحکماء استاد البشر خواجہ نصیر الملت والحق والدین محمد بن محمد الطوسی علیہ الرحمتہ" یہ عنوان نمکھی بن مسعود بن محمد بن مسعود کی تاریخ میں جس کا قلمی نسخہ کتابخانہ ملی پیرس میں موجود ہے یوں ہے "در ذکر توجہ ہلاکو خان و وقائع کہ بر خلیفہ مستعصم و اتباع او و اہل بغداد واقع گشت منقول از ترجمہ جہان گشای منقولہ از نسخہ ملک الحکماء خواجہ نصیر الدین محمد بن محمد الطوسی نور قبرہ"

۲۔ ہلاکو خان منگول حکمران تولوی خان کا چوتھا بیٹا تھا اور یہ تولوی خان چنگیز خان کا پسر چہارم تھا۔ ۶۱۵ھ میں پیدا ہوا۔ ۶۵۰ھ میں ان کے بھائی منگو قا آن نے اسے بلاد غربیہ یعنی ایران، عراق، شام، مصر، روم و آرمینیہ کی حکومت عطا کی اور اس خطے کے غیر مفتوح علاقوں کی تسخیر کا کام اس کے سپرد کیا، اس نے مراغہ کو اپنا مستقر بنایا، ملاحدہ واسماعیلیہ کے قلعوں کو فتح کر کے ۶۵۴ھ میں ان کے امام رکن الدین خور شاہ کو زیر کیا مگر امان دینے کے باوجود منگو قا آن کے حکم سے خور شاہ کو مع اہل خاندان قتل کر دیا گیا۔ ۶۵۶ھ میں یہی حال بغداد کا ہوا اور دارالسلام کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی۔ اس کے بعد ہلاکو خان کی سپاہ نے حلب و شام کے میدان مارے لیکن مصر میں پیش قدمی کے دوران مملوک سلطان قطز نے فلسطین میں عین جالوت کے مقام پر ۶۵۸ھ میں اس کے سپہ سالار کیت بوقا کو عبرتناک شکست دے کر مار ڈالا، ہزاروں منگول مارے گئے اور شام کے علاقے ان کے تصرف سے نکل گئے۔ اس زمانے میں ہلاکو کی اپنے عمزاد برکائی خان سے کہ رئیس دشت قبچاق تھا پرخاش ہوئی اور وہ داخلی تنازعات میں الجھ گیا۔ ہلاکو کی بیوی دوقوز خاتون قوم کرایت سے تعلق رکھتی تھی اور مذہباً عیسائی تھی، اس کے اثر سے ہلاکو کے زمانے میں عیسائیوں کو بڑا عروج ہوا۔ تمام ممالک مفتوحہ میں نئے گرجا تعمیر کئے گئے اور چونکہ یہ خاتون ہلاکو کو اس کے باپ تولوی خان سے ملی تھی اس لئے اور بھی مقتدر تھی منگو قا آن نے ہلاکو کو اس سے ہر معاملہ میں مشورہ

لینے کی تاکید کی تھی، حکومت کے امور میں اس کا بڑا عمل دخل تھا، ہلاکو ۴۸ سال کی عمر میں مراغہ کے قریب ۶۶۳ھ میں ہلاک ہوگیا اور کوہ شاہو کے قریب دفن کیا گیا (مزید مطالعہ کے لئے جہاں کشای، جامع التواریخ اور وصاف وغیرہ کتب سے رجوع کریں۔

۳۔ ملاحدہ سے اسماعیلیہ مشرق یا حسن بن صباح کے پیرو مراد ہیں۔ مشرق میں ان کی حکومت ۴۷۷ھ میں کہ لفظ الموت کے اعداد بھی یہی ہیں، شروع ہوئی اور ۶۵۴ھ میں ہلاکو کے ہاتھوں ان کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوگیا۔ ان کے حکمرانوں کی تعداد سات ہے جو الموت کے مرکز سے دنیائے اسلام میں ۱۷۷ سال تک قتل، غارت گری و انتشار کے بانی مبانی تھے۔ ملاحدہ پر ہلاکو کے حملوں اور ان کی تباہی میں خواجہ نصیر الدین طوسی کا بھی ہاتھ ہے کہ وہ شروع شروع انہیں کے دربار سے وابستہ تھے اور بعد میں ہلاکو کی ناک کے بال بن گئے تھے۔ انہوں نے ملاحدہ کی تاراجی پر جو قطعہ تاریخ کہا تھا اسے جامع التواریخ سے نقل کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا فرماتے ہیں۔

سال عرب چو ششصد و پنجاه و چار شد
یکشنبه اول مه ذی القعده بامداد
خور شاه پادشاه اسماعیلیان زتخت
برخاست و پیش تخت هلاکو بایستاد

(مزید مطالعہ کی غرض سے جہاں گشای جوینی جلد سوم، جامع التواریخ رشید الدین جلد سوم، تاریخ وصاف اور قدیم مآخذ سے رجوع کریں۔)

۴۔ خواجہ کے اس بیان کی تائید جامع التواریخ سے نہیں ہوتی کہ ہلاکو نے ملاحدہ پر حملے کے وقت خلیفہ سے مدد طلب کی تھی۔ البتہ ملاحدہ کی بربادی کے بعد ہمدان سے طویل مراسلت کا سلسلہ فریقین میں ضرور شروع ہوا اور اپنے خطوط میں ہلاکو نے وزیر، دواتدار اور سلیمان شاہ کی حاضری کا اس غرض سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ خلیفہ تک اس کی بات صحیح صحیح پہنچادیں اور خلیفہ اس کا مطیع ہوجائے، خواجہ کے بیانات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اصل بحث ان تین امراء میں سے کسی ایک کے ہمدان بھیجنے سے متعلق تھی، حالانکہ اصل مسئلہ خلیفہ کی اطاعت، بغداد کی فصیلوں کا انہدام اور سپاہ کا علیحدہ کردینا تھا۔ (مزید تفصیل کے لئے جامع التواریخ جلد سوم صفحات ۳۹ بعد کا مطالعہ مفید ہوگا۔ خواجہ کی اختصار پسندی نے بعض واقعات میں الجھاؤ پیدا کردیا ہے۔)

۵۔ موید الدین ابو طالب محمد بن احمد علقمی ادب، کتابت و مراسلہ نگاری میں ممتاز تھا،

کتابوں کا شوقین تھا اور اس کا نجی کتب خانہ دس ہزار کتابوں پر مشتمل تھا' وہ علماء کی سرپرستی کے لئے بھی شہرت رکھتا تھا اور ابن ابی الحدید سے نہج البلاغتہ کی ضخیم شرح اسی نے لکھوائی تھی۔ آخری عباسی خلیفہ المستعصم باللہ نے اپنے باپ کے وزیر نصیرالدین احمد کے انتقال کے بعد اسے وزارت کے منصب پر فائز کیا اور وہ انتزاع خلافت عباسیہ تک اس عہدہ پر بنا رہا۔ خلیفہ کی شہادت اور اس کے خاندان کی تباہی کے بعد بھی ابن العلقمی ۲ جمادی الاخرہ ۶۵۶ھ یعنی سقوط خلافت کے چار ماہ بعد اپنی موت تک منگولوں کی جانب سے بغداد کا وزیر رہا' اس کی موت کے بعد یہ منصب اس کے بیٹے شرف الدین ابو القاسم کو عطاء کیا گیا۔ بغداد پر ہلاکو کے قبضے کے بعد جب شہر میں آگ اور خون کا کھیل کھیلا جا رہا تھا' ابن العلقمی پر عباسی عہد کے مورخین غداری کا الزام لگاتے ہیں کہ وہ درپردہ ہلاکو سے ملا ہوا تھا اور خلیفہ کی باتوں سے اسے آگاہ کرتا رہتا تھا۔ اس نے بغداد کی سپاہ کو منتشر کرایا تھا۔ اپنے غلط مشوروں سے خلیفہ کو تاریکی میں رکھا اور بغداد پر ہلاکو کو آسانی سے قابض کرا دیا' اس کے بعد اس نے اہل بغداد کے قتل عام میں حصہ لیا اور خلیفہ کو بھی مروانے میں اس کا مشورہ شامل تھا۔ ابن خلدون نے تو یہاں تک لکھا ہے کہ خلیفہ کی لاش پر بھی ابن العلقمی کو ترس نہ آیا اور اس نے اسے اپنے پاؤں سے روند کر دشمنی کی آگ بجھائی۔ ابن الطقطقی نے الفخری میں ابن العلقمی کے خلاف اس الزام کا ذکر کیا ہے' مگر اس کی صحت سے اس بناء پر انکار کیا ہے کہ اگر وہ غدار ہوتا تو ہلاکو جیسا شخص اس پر اعتماد کر کے اس کے درجات بلند نہ کرتا۔ ابن الطقطقی کی یہ دلیل عجیب ہے کہ جو بات الزام کے ثبوت میں پیش کی جا رہی ہے اسی سے وہ الزام کی تردید کرنی چاہتا ہے۔ یہ اعتماد جو ابن العلقمی پر ہلاکو کو تھا وہ اس کی وفاداری و خلافت کے خلاف سازش کا ثمرہ ہی تو تھا' منگولوں کے مورخ رشید الدین کو اس امر کا اقرار ہے کہ خواجہ طوسی نے ہلاکو کو خلیفہ کے قتل اور بنو عباس کی بربادی کا مشورہ دیا تھا۔ ابن الطقطقی نے بھی خواجہ کا نام لئے بغیر اس کا اعتراف کیا ہے' یہ بھی مسلم ہے کہ وزیر اور خواجہ میں گہری چھنتی تھی اور دوران محاصرہ ان کی طویل ملاقاتیں بھی ہوئی تھیں۔ بغداد کے امراء بھی شہر کی تباہی سے کم از کم دو سال پہلے یعنی ۶۵۴ھ میں بھی ابن العلقمی پر ہلاکو سے ساز باز اور منگولوں کے لئے جاسوسی کرنے کا الزام لگاتے تھے اور رشید الدین نے بھی اس کا جابجا ذکر کیا ہے۔ خواجہ بھی دبی زبان سے اس کا اقرار کرتے ہیں' اسی لئے ابن العلقمی پر خلافت کی تباہی' بغداد کی بربادی اور مسلمانوں کے قتل عام کی سازش کا الزام درست معلوم ہوتا ہے۔ (ملاحظہ فرمایئے الفخری ص ۲۴۹'۱۰۲ جامع التواریخ ۲ : ۳۹'

۴۰۔۴۱ وبعد ابن خلدون بر موقع وصاف وغیرذلک)

۶۔ ذیل کے تینوں نسخوں میں "استران" بمعنی خچر ہے۔ مگر ذیل کے عربی ترجمہ یعنی ابن العبری کی مختصرالدول میں اس کا ترجمہ "البغال والجمال" ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابن العبری کے مطالعہ میں جو نسخہ ہوگا اس میں یہ لفظ بے نقطہ ہوگا یعنی "اسراں" اس لئے اس نے اس لفظ کو "اشتران" (یعنی الجمال والبغال یعنی اونٹ اور خچر سمجھا۔ میں نے بھی ترجمہ میں ابن العبری کی محتاط روش کی پیروی کی ہے۔

۷۔ امیر الحاج، مقدم الجیوش مجاہد الدین ابو المیامن ایبک المستنصری معروف بہ دوات دار صغیر یا کوچک ابتداء میں خلیفہ مستنصر باللہ عباسی کے خواص وابستگان میں تھا۔ مستعصم باللہ کے عہد خلافت میں ترقی کرکے اس کی خلافت کے اہم اشخاص اور ارکان دولت میں محسوب ہو۔ ۶۳۲ھ میں موصل کے حکمران بدر الدین لولو، کی صاحبزادی اس کے حبالۂ نکاح میں آئی، بغداد میں منگولوں کی چڑھائی کے دوران اس نے بڑی بہادری سے شہر کا دفاع کیا اور ہلاکو کی دست برد سے خلیفہ کو محفوظ رکھنے میں سردھڑ کی بازی لگادی، ۵ صفر ۶۵۶ھ میں ہلاکو کے حکم سے شہید کردیا گیا، اس کی یادگار ایک بیٹا جلال الدین نامی تھا جسے منگول اپنے ساتھ لے گئے اور انہیں کی نگرانی میں اس کی پرورش ہوئی مگر وہ ان وحشیوں کی قید سے بھاگنے کی گھات میں لگا رہا۔ آخر ۶۶۲ھ میں مشہد امام حسین کی زیارت کے بہانے اپنے متعلقین کے ساتھ بغداد سے نکلا اور بھاگ کر شام چلا گیا۔ جہاں ممالک مصر کی عمل داری تھی (دوات دار صغیر کے حالات کے لئے جامع التواریخ، طبقات ناصری، وصاف، الفخری، تاریخ ابو الفداء اور سبکی کی طبقات الشافعیہ کا مطالعہ مزید معلومات کے لئے مفید ہوگا۔)

۸۔ خواجہ طوسی نے یہاں "ترکان" کا لفظ استعمال کیا ہے۔ ترکوں سے مراد منگول ہیں کیونکہ شروع شروع لوگ منگولوں کو ترکوں ہی کا ایک گروہ سمجھتے تھے اور ان دو قوموں میں فرق انہیں معلوم نہ تھا ابن العبری کی مختصرالدل مطبوعہ بیروت ۱۸۹۰ء میں فارسی عبارت کا جو ترجمہ ہے اس سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔

۹۔ شہاب الدین سلیمان شاہ ابن برجم ترکوں کے مشہور قبیلہ ایوہ کا سردار تھا۔ اس کا قبیلہ کردستان ولرستان کے علاقے میں اقامت پذیر تھا۔ سلیمان شاہ کردستان کا حاکم تھا اور اس کا مقر قلعہ بہار یا دہار تھا۔ اسے اس خطہ کی سیاست میں بڑا دخل رہا ہے اور ۶۱۰ھ تا ۶۵۲ھ کے اہم واقعات میں اس کا ذکر بار بار آیا ہے۔ سلطان جلال الدین منکبرنی سے بھی

اس کے تعلقات رہے ہیں اور سلطان سے ۶۲۱ھ میں اس کی بیٹی کا نکاح بھی ہوا خلیفہ المستنصر کے دور میں اس کی اہمیت بڑھی اور قرب وجوار کے امراء و حکام کے ساتھ اس کے تعلقات مصاہرت مستحکم ہوئے اپنی عمر کے آخری بیس سالوں میں وہ بغداد ہی میں رہا اور وہاں کی سیاست میں اسے اہم مقام حاصل رہا۔ خلیفہ المستعصم کے ارکان دولت میں اس کا مرتبہ نہایت بلند تھا اس لئے ہلاکو اسے گرفتار یا مطیع بنانے کی غرض سے اس کی حاضری کا بار بار مطالبہ کرتا رہا تاکہ اس کے ہٹتے ہی خلیفہ کی قوت ٹوٹ جائے۔ آخر بغداد کے سقوط کے بعد دوات دار صغیر کے ہمراہ حسب الطلب ہلاکو کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے بڑی آؤ بھگت کی اور حکم دیا کہ شہر میں جاکر اپنے اہل و عیال و متعلقین کو لے کر معسکر شاہی میں آئے۔ یہ دونوں مطمئن ہو کر واپس بغداد گئے اور جب اپنے آدمیوں کے ہمراہ ہلاکو کے لشکر میں واپس آئے تو روز جمعہ صفر ۶۵۶ھ کو انہیں شہید کردیا گیا۔ سلیمان شاہ کے ساتھ اس کے تمام متعلقین کو مروا دیا گیا۔ سلیمان شاہ عالم فاضل اور فارسی کا اچھا شاعر تھا۔ مزید حالات کے لئے دیکھئے۔ راوندی کی راحتہ الصدور' ابن کثیر کی تاریخ' نسوی کی سیرۃ جلال الدین منکبرنی' جوینی کی جہاں گشای' منہاج کی طبقات ناصری' جامع التواریخ و وصاف)

۱۰۔ ادرنگی' کا لفظ مختلف نسخوں میں مختلف املا سے لکھا گیا ہے اور یہ بات واضح نہیں ہوتی کہ صحیح لفظ کیا ہے۔

۱۱۔ یہ صاحب مشہور محدث' مورخ' واعظ و مصنف شیخ جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمان بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ کے پوتے اور محی الدین ابو محمد یوسف مقتول ۶۵۶ھ کے بیٹے ہیں۔ ان کے والد محی الدین خلیفہ المستعصم کے استاذ دار یعنی خلیفہ کے ذاتی آمد و خرچ کے نگران اور اس کے حساب کتاب کے ذمہ دار یا عہد حاضر کی اصطلاح میں ناظر تھے اور ساتھ ہی مدرسہ مستنصریہ میں فقہ حنبلی کی تدریس اور بغداد میں شعبہ احتساب سے بھی وابستہ تھے۔ یہ خلیفہ کے سفیر و نمائندہ کی حیثیت سے بھی سلاطین و امراء کے درباروں میں جاتے رہتے تھے۔ ۳ ذی القعدہ ۵۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد کے سقوط کے وقت اپنے اہل خاندان کے ساتھ ۶۵۶ھ کے اوائل میں شہید ہوئے ان کے بیٹے شرف الدین عبداللہ ابن الجوزی جن کا خواجہ طوسی کی تحریر میں ذکر ہے۔ مدرسہ بشیریہ میں مدرس اور بغداد میں منصب احتساب پر فائز تھے۔ ہلاکو کے ہاں خلیفہ کے سفیر کی حیثیت سے کئی بار گئے اور بغداد کے محاصرہ کے دوران منگول سردار بوقا تیمور کے ساتھ ششتر اور خوزستان بھیجے گئے تاکہ وہاں کے لوگوں سے منگولوں کے آگے ہتھیار ڈلوادیں وہ بغداد کے سقوط کے ایک ماہ بعد شہر

میں واپس آئے مگر بعض مورخین کا بیان ہے کہ وہ بغداد کے قتل عام میں شہید ہوئے۔ بہرکیف خواجہ طوسی جو فتح بغداد کے وقت موجود اور واقعہ کے عینی شاہد ہیں ان کا بیان دوسروں سے زیادہ معتبر ہے انہیں شرف الدین عبداللہ ابن الجوزی کے ایک اور بھائی جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمان بن محی الدین یوسف بن جمال الدین ابو الفرج عبدالرحمان بن الجوزی الکبیر تھے۔ یہ بھی مدرسہ مستنصریہ بغداد کے مدرس' واعظ اور بغداد کے محتسب تھے واقعہ بغداد میں یہ بھی شہید ہوئے مشہور فارسی شاعر و نثرنگار شیخ سعدی شیرازی کے استاد یہی ہیں نہ کہ ان کے جد امجد جو انہیں کے ہم نام' ہم کنیت و لقب ہیں (مزید مطالعہ کی غرض سے الفخری' جامع التواریخ' و مختصر طبقات حنابلہ سے رجوع کیجئے۔)

۱۲۔ سوغونجاق' سوقو نجاق' سقنجاق نوین سدون نویان کا بیٹا اور منگولوں کے قبیلہ سلدون سے تعلق رکھتا تھا۔ ہولاکو کے ہمراہ ۶۵۱ھ میں ایران آیا اور تمام جنگوں میں اس کے ساتھ رہا۔ اباقا خان بن ہلاکو کے دور میں منصب نیابت خصوصاً" بلاد فارس و بغداد کی امارت پر فائز رہا' عطاء ملک جوینی اس کی نیابت میں بغداد کا حاکم تھا۔ وہ ارغون بن اباقا خان کے عہد حکومت میں فوت ہوا۔ (جہاں گشائی' جامع التواریخ' وصاف و مختصر الدول میں اس کا ذکر کسی قدر تفصیل سے موجود ہے۔)

۱۳۔ بایجو نوین منگولوں کے قبیلے یسوت سے تعلق رکھتا تھا اسے اوکتائی قاآن نے ۶۳۰ھ میں سلاجقہ روم کے خلاف مہم پر روانہ کیا اس نے سلطان غیاث الدین کیخسرو ثانی کو ۶۴۱ھ میں شکست دے کر ممالک روم پر قبضہ کرلیا۔ ۶۵۰ھ میں جب ہلاکو نے بلاد غربی (ایران' عراق و شام) کی جانب پیش قدمی کی تو منکوقاآن کے حکم سے بایجو اس کی کمک پر بھیجا گیا۔ مگر ہلاکو نے اسے پھر بلاد روم کی مکمل تسخیر کا حکم دے کر وہاں سے روانہ کردیا۔ وہ یہاں سے ۶۵۴ھ یا ۶۵۵ھ میں فارغ ہو کر بغداد کی تسخیر میں شریک ہوا' اس کے بعد تسخیر شام کی مہم پر ہلاکو کے ہمراہ گیا۔ مگر بعد میں ہلاکو نے اسے قتل کروادیا (مزید مطالعہ کی غرض سے ابن بی بی کا سلجوق نامہ' ابن العبری کی مختصر الدول اور رشید الدین کی جامع التواریخ سے رجوع کریں۔)

۱۴۔ کیت بوقا نویاں کا تعلق قوم قایمان سے تھا۔ منگول بادشاہ منگو قاآن کے ہاں وہ منصب باورچی گری پر فائز تھا۔ جب ہولاکو کو بلاد غربی جیحوں کی تسخیر و انصرام کی غرض سے روانہ کیا گیا تو کیت بوقا کو اس کے مقدمتہ الجیش کا افسر بنا کر جمادی الاخرہ ۶۵۰ھ میں ملاحدہ کے خلاف بھیجا گیا ملاحدہ کی شکست اور ان کے قلعوں کی پامالی میں اسے نمایاں مقام حاصل

ہوا، پھر بغداد کی فتح میں ہلاکو کے ساتھ رہا۔ بعد ازاں شام و حلب کے معرکوں میں شریک ہوا۔ ۶۵۸ھ میں مصر کے مملوک سلطان قطز کے خلاف معرکہ عین جالوت میں منگولوں کا قائد رہا اس معرکہ میں اسے شکست ہوئی اور گرفتار ہو کر مارا گیا۔ اس کی ہلاکت کا ہلاکو کو بڑا صدمہ ہوا۔ (مزید مطالعہ کی غرض سے جہاں گشای، جامع التواریخ و وصاف سے رجوع کیجئے۔)

۱۵۔ ا نکیانوین۔ صحیح نام ایلکانوین ہے۔ مشہور منگول سردار تھا۔ ہلاکو کے اس دربار میں یہ شریک تھا جس میں بغداد کی فتح کی تجویز طے ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہمدان سے بغداد آنے والی فوج میں یہ بھی شامل تھا۔ کیت بوقا کی ہلاکت کے بعد اسے شام پر چڑھائی کے لئے بھیجا گیا مگر مصر کے سلطان بندوق داری کے مقابلہ سے کترا کر ایلکا دیار روم چلا گیا اور وہاں سے دیار بکر کی سمت مڑ گیا۔ الغرض اہم معرکوں میں شریک رہا۔ ہلاکو کی ہلاکت کے بعد اس کے بیٹے اور جانشین اباقا خاں کو رسم منگولی کے مطابق اسی نے آش و شراب پیش کی اور باپ کی ہلاکت کی تفصیل بتائی۔

(جہاں گشای اور جامع التواریخ میں اس کے حالات جستہ جستہ بر موقع ملتے ہیں)

۱۶۔ بعقوبہ ایک مشہور قصبہ ہے جو بغداد سے خانقین جانے والی شاہراہ پر شمال مغربی سمت میں دس فرسنگ کے فاصلہ پر دریائے دیالی کے کنارے واقع ہے۔

(معجم البلدان، مراصد الاطلاع و نزہتہ القلوب)

۱۷۔ باجسریٰ یا باجسوا ایک چھوٹا سا شہر تھا جس کا اب پتہ نہیں چلتا۔ یہ بغداد کے شمال مشرق میں نو فرسنگ کے فاصلہ پر بعقوبہ کے جنوب میں دریائے دیالی کے کنارے آباد تھا۔

(مراجع مذکور الصدر)

۱۸۔ دریائے دیالی یا دیالہ مشرقی دجلہ کی ایک مشہور شاخ ہے جو کردستان کے پہاڑوں سے نکل کر خانقین کے قریب سے گزرتی ہے اور بغداد کے مشرقی مضافات کو سیراب کرتی ہوئی اس کے جنوب میں ایک فرسنگ کے فاصلہ پر دریائے دجلہ سے مل جاتی ہے۔ اس دریا کو نہر تامرا نہر بعقوبہ اور آب نہوان بھی کہا گیا ہے۔

(بحوالہ مراجع حاشیہ نمبری ۱۶ و ۱۷)

۱۹۔ عباسیوں کے طلایہ میں صرف ایک حلبی نہ تھا بلکہ ایک دوسرا امیر سیف الدین قلیج بھی تھا اور دونوں ہی گرفتار ہو کر ہلاکو کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے

کہ امیر سیف الدین قلیج نے منگولوں کی اطاعت قبول نہ کی۔
(جامع التواریخ : ۲ : ۵۳)

۲۰۔ قراسنقور کا تعلق دشت قبچاق سے تھا۔ وہ فوج بغداد کا افسر طلایہ تھا۔ دوات دار صغیر اور بوقا تیمور کی جنگ میں قراسنقور بغدادی فوج کے ایک حصہ کا امیر تھا اور اس نے بہادری سے لڑتے ہوئے جان دی۔ (جامع التواریخ جلد ۲، ص ۵۵)

۲۱۔ چپر، مطلق دیوار یا ایسی دیوار جو لکڑی اور بھونسہ سے تیار کی جائے۔ (برہان قاطع)

۲۲۔ صاحب دیوان، فخر الدین ابو طالب احمد الدامغانی المستنصر اور المستعصم کے درباروں میں بڑا رودار امیر تھا۔ ۶۲۶ھ میں المستنصر کے ہاں سے سلطان جلال الدین منکبرنی کے پاس جو سفارت گئی تھی اس میں فخر الدین بھی شامل تھا۔ ۶۴۳ھ میں وہ المستعصم کا صاحب دیوان مقرر ہوا، اور حکومت کے مالی امور کا انصرام اسے تفویض ہوا۔ سقوط بغداد کے بعد ہلاکو نے اس کے منصب پر اسے برقرار رکھا بلکہ شہر میں قتل عام کے دوران اس کے گھر کو پناہ گاہ کی حیثیت حاصل رہی اور ہزاروں آدمیوں نے یہاں پناہ لے کر اپنی جان بچائی۔ ۶۵۷ھ میں حساب فہمی کے لئے اسے ہلاکو نے طلب کیا، اس کے دشمنوں نے ہلاکو تک یہ خبر پہنچائی کہ صاحب دیوان نے خلیفہ شہید کے ایک قریبی شخص کو جو مداین کی جیل میں قید تھا خفیہ طور سے شام پہنچادیا ہے۔ اس جرم کی پاداش میں اس پر بھاری جرمانہ لگاکر اردمیہ کے مقام اشنہ کے زندان خانہ میں قید کردیا گیا۔ جہاں اس نے ۶۵ سال کی عمر میں جہان فانی کو الوداع کہا۔ (مزید مطالعہ کے لئے جہاں کشای جلد سوم، مختصر الدول، حوادث الجامعہ و جامع التواریخ جلد سوم دیکھئے۔)

۲۳۔ عبد الغنی بن الدرنوس نجم الدین الخاص۔ المستعصم کے مقربان خصوصی میں تھا۔ وہ ابتداء میں معمولی حیثیت کا آدمی تھا اور بغداد میں خشت پزی سے روزی کماتا تھا۔ المستنصر کے زمانے میں شاہی کبوتروں کے ایک برج کا نگران ہوا۔ المستعصم کے دور میں ترقی کرکے رئیس البراجین یعنی شاہی کبوتروں کا نگران اعلیٰ مقرر ہوا۔ پھر ترقی کے میدان مارتا ہوا، حاجب دربار، نجم الدین الخاص اور خلیفہ کی ناک کا بال ہوگیا۔ جملہ امور مال اس کے مشورے سے انجام پانے لگے اور ارکان خلافت و خلیفہ کے درمیان اس کی حیثیت واسطہ کی ہوگئی کہ اسے بیچ میں ڈالے بغیر خلیفہ سے مطلب براری آسان نہ رہی۔ سقوط بغداد کے بعد بھی اس کے اعزاز میں کمی نہ آئی اور خازن دیوان و بعد ازاں خازن کارخانہ مقرر ہوا، یہ منصب منگولوں کے ہاں بڑا اہم سمجھا جاتا تھا اور اس پر بڑے اہم شخص کا تقرر کیا جاتا تھا۔

نجم الدین الخاص ۶۷۷ھ میں اپنی وفات تک اس منصب پر فائز رہا۔ وہ بغداد میں فوت ہوا اور اپنی نجی رہائش گاہ میں پیوند زمین ہوا۔ ابن الدرنوس جیسے بازاری آدمی کے **المستعصم** کے ہاں نوازے جانے اور ترقی درجات پر ابن **الطقطقی** نے بڑی لے دے کی ہے اور خلیفہ کی سفلہ پروری کا مذاق اڑایا ہے' مگر ہلاکو اور اس کے جانشینوں کے ہاں ابن الدرنوس کی عزت افزائی اور ترقی منازل کے بارے میں جو ابن **الطقطقی** کے نزدیک بڑے لائق حکمران تھے اس کا قلم خاموش ہے۔ میرے خیال میں ابن الدرنوس عامی ضرور تھا' لیکن باصلاحیت تھا اور اس کی ذاتی قابلیت نے اسے خشت پزی کی کیچڑ سے نکال کر کبوتران شاہی کے برج تک پہنچایا پھر قربت شاہی' حجابت و واسطہ کی بلندیوں تک پہنچا اور منگولوں نے بھی اس سے مالیات کی خدمات لیں اور اس کے بعد نہایت اہم ذمہ داری شاہی صنعت و حرفت کی تنظیم اور صناع اور کاریگروں کی تربیت و نگہداشت پر مامور کیا۔ (نجم الدین الخاص کے متعلق مزید تفصیلات کے لئے الفخری' حوادث الجامعہ' مختصر الدول اور جامع التواریخ کا مطالعہ مفید ہو گا۔)

۲۴۔ خواجہ کے بیان سے وزیر خلیفہ کے ہلاکو کے ہاں جانے کا پتہ نہیں چلتا ہاں خلیفہ کے بیان سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ وزیر ہلاکو کے معسکر میں جا چکا تھا۔ وسط محرم میں محاصرہ کے آغاز سے وزیر قاصد کی حیثیت سے کئی بار ہلاکو کے پاس گیا اور خواجہ سے کہ لشکر منگول میں موجود تھے۔ اس کی ملاقاتیں ہوتی رہتی تھیں اور گمان غالب یہ ہے کہ وہ خواجہ کے توسط سے خلیفہ کے خلاف سازش میں شریک تھا۔ اس لئے خواجہ نے اس کی آمد کا بتصریح ذکر نہیں کیا ہے یا پھر حسب عادت ایجاز و اختصار سے کام لے کر وزیر کی آمد و رفت کے ذکر سے احتراز کیا ہے۔

۲۵۔ برج عجم یا برج عجمی بغداد کے مشرقی حصہ میں تھا اور نسبتاً اس کی بلندی دوسرے برجوں سے کم تھی۔ یہ برج شمالی سمت میں باب الحلبہ (باب الطلسم) اور جنوبی سمت میں باب الکلواذی (باب الشرقی) کے مابین واقع تھا۔ چونکہ شہرپناہ کا یہ برج زیادہ اونچا نہ تھا۔ اس لئے منگول سردار ہلاکو نے اس کے سامنے پڑاؤ کیا تھا اور اسی جانب حملہ کا زور بھی زیادہ تھا۔ (مختصر الدول' حوادث الجامعہ' الفخری' جامع التواریخ اور گائی لی اسٹرینج کی "بغداد بعہد عباسیاں" بزبان انگریزی)

۲۶۔ بیمارستان عضدی' مشہور بویہی امیر عضد الدولہ دیلمی (۳۶۷ھ تا ۳۷۲ھ) کا تعمیر کردہ یہ شفاخانہ مغربی بغداد میں دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ (مقدسی' یاقوت' ابن

خلکان، لی اسٹرینج کی "بغداد بعہد عباسیاں")

۲۷۔ المستعصم کے تین بیٹے تھے۔ بڑا الامیر الکبیر ابو العباس احمد، اسے عوام ابوبکر کہتے تھے کیونکہ کرخ کے شیعوں کے خلاف تادیبی کارروائی اسی سے منسوب کی جاتی ہے، سو یا تو شیعوں نے طنزاً" اسے "ابوبکر" کا لقب دیا یا پھر سنیوں نے شیعوں کی پامالی پر اس کی عزت افزائی کی غرض سے اسے اس نام سے موسوم کیا۔ ابو العباس ۴ صفر ۶۵۶ھ کو اپنے والد، بھائیوں اور تین ہزار سادات، ائمہ، قضاۃ، اکابر و اعیان کے ہمراہ ہلاکو کے معسکر میں آیا اور ۱۴ صفر کو باپ اور پانچ خدام کے ساتھ شہید کر دیا گیا۔ اس کے ساتھ ہی جو عباسی بھی ہاتھ لگا شہید کر دیا گیا خلیفہ کا دوسرا بیٹا الامیر الاوسط ابو الفضائل (یا حسب روایت رشید الدین ابو الفضل) عبد الرحمان جس کا متن زیر تحشیہ میں ذکر ہے بڑا بہادر اور باصلاحیت تھا۔ ہلاکو کے سامنے جب اسے پیش کیا گیا تو وہ بھی اس کی جرات، شجاعت و قابلیت سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ بھی باپ کے ساتھ ۴ صفر کو ہلاکو کے معسکر میں آیا اور گرفتار ہوا اور بروز جمعہ ۱۶ صفر ۶۵۶ھ کو درجہ شہادت پر فائز ہوا۔ خلیفہ کا تیسرا بیٹا الامیر الصغیر ابو المناقب مبارک بھی باپ کے ساتھ منگولوں کی قید میں آیا۔ اسے ہلاکو کی بیوی ادلجائی خاتون نے جان بخشی کرا کے مراغہ بھجوا دیا۔ خواجہ طوسی کو اس کی تربیت کا حکم دیا اور اس کی شادی ایک منگول خاتون سے کر دی جس سے اس کے دو بیٹے پیدا ہوئے۔ خلیفہ کی بیٹیاں منگولوں کے ہاتھوں اسیر ہوئیں اور بعد میں ان کی شادیاں مسلمان امراء کے بیٹوں سے کی گئیں۔ (جامع التواریخ ۲ : ۵۹ تا ۶۱ و الفخری ۳۴۴)

۲۸۔ شرف الدین مراغی بغداد کے روداروں میں شمار ہوتا تھا اس لئے ہلاکو کی خدمت میں اہل شہر کے لئے امان طلب کرتے وقت معززین کی جماعت میں شامل تھا۔ اس کا جستہ جستہ حال مختصر الدول اور جامع التواریخ میں ملتا ہے مگر تفصیل کہیں نہیں ملتی۔

۲۹۔ شہاب الدین ابو المناقب احمد بن محمود الزنجانی بغداد کے مشہور عالم تھے۔ مدرسہ مستنصریہ و مدرسہ نظامیہ میں وقفہ وقفہ سے منصب تدریس پر فائز رہے۔ سقوط بغداد کے وقت وہ قاضی القضاۃ تھے۔ علم تفسیر میں وہ صاحب تصنیف تھے اور خلیفہ ناصر لدین اللہ سے روایت حدیث کے اجازت یافتہ، سقوط بغداد کے تھوڑے ہی عرصے بعد اسی سال یعنی ۶۵۶ھ میں وفات پائی (مختصر الدول، جامع التواریخ، حوادث الجامعہ اور سبکی کی الطبقات الشافعیہ میں قاضی زنجانی کے حالات ملتے ہیں۔)

۳۰۔ دروازہ کلواذی۔ کلواذی نامی قصبہ بغداد کے مضافات میں بڑی پر فضا بستی اور شہر کی تفریح گاہ تھا۔ فصیل کا یہ دروازہ اسی بستی کے بالمقابل تھا اسی لئے اس کی نسبت سے پکارا جاتا تھا۔ یہ دروازہ مشرقی بغداد میں فصیل کے جنوب مغربی ضلع کے آخری سرے پر دریائے دجلہ کے متصل واقع تھا۔ اسے باب الشرق بھی کہتے تھے حالانکہ یہ دروازہ اپنے موقع کے لحاظ سے دروازہ جنوبی تھا۔ (معجم البلدان' مراصد الاطلاع' مختصر الدول' الفخری' جامع التواریخ وبغداد بعہد عباسیاں)

۳۱۔ ۴ صفر سے پہلے شہر کے باہر جو میدان کارزار گرم رہا اس میں ان گنت جانیں گئیں۔ اس دوران ہلاکو نے دوات دار اور سلیمان شاہ کو جھوٹی تسلی دے کر شہر میں واپس بھیجا کہ اپنے آدمیوں کو لے کر باہر آئیں تاکہ انہیں شام روانہ کیا جائے۔ اس فریب میں آکر بقول رشید الدین "خلقے بے اندازہ" گلو خلاصی کی امید میں شہر سے باہر دواتدار اور سلیمان شاہ کے گرد جمع ہو گئی۔ ان سب کو ہزار' سو اور دس کی ٹولیوں میں بانٹ کر موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ پھر دواتدار اپنے متبعین و متعلقین کے ساتھ ۲ صفر کو اور بعد ازاں سلیمان شاہ سات سو افراد کے ساتھ شہید کردیئے گئے اسی طرح ۴ صفر کو ہلاکو نے خلیفہ کو طفل تسلی دے کر یہ اعلان کرادیا کہ لوگ ہتھیار ڈال دیں اور شہر سے نکل آئیں تاکہ انہیں شمار کیا جاسکے جب لوگ اس وعدہ پر باہر آئے تو ان سبھوں کو منگولوں نے تہ تیغ کردیا۔ خلیفہ کی گرفتاری کے بعد ۷ صفر ۶۵۶ھ کو باقاعدہ قتل و غارت گری کا سلسلہ شروع ہوا۔ منگولوں کے مورخ رشید الدین کا مجبور قلم صرف اتنا لکھ کر دریا کو کوزہ میں بند کر گیا ہے۔ "لشکر بیک بار در شہر افتادند و تر و خشک می سوختند مگر خانہ معدودے چند از ارکادنان و بعضے غرباء" (یعنی منگولوں کا لشکر یک بارگی ہلہ کر کے شہر میں گھس گیا۔ جو بھی ہاتھ لگا اسے انہوں نے جلا کر راکھ کردیا۔ صرف عیسائی پادریوں اور بعض باہر سے آئے ہوئے لوگوں کے گھر اس لٹس سے بچ سکے۔) مختصر یہ کہ شہر خاک کا ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ قصر خلافت کی غارت گری پر منگول سردار سونجاق مامور ہوا تھا اس نے سب کچھ ضبط کر کے شہر سے باہر معسکر منگول میں بھجوادیا اور چھ سو سال کے طویل عرصے میں جو زر و مال اکٹھا کیا گیا تھا اسے انبار کر کے بغداد کے باہر لے جایا گیا۔ شہر کے بیشتر محلے اور مقدس مقامات جلادیئے گئے۔ انہیں میں بغداد کی جامع مسجد' امام موسیٰ کاظم اور امام محمد جواد کا روضہ اور رصافہ کے مقابر بھی تھے جن کی بے حرمتی کی گئی اور جلا کر راکھ کردیئے گئے۔ شہر کے علماء و مشائخ و سادات کو بے دردی سے قتل کیا گیا۔ صرف خلیفہ کے ہمراہ ہلاکو کے ہاں جانے والے ایسے تین ہزار معززین کو ۱۵

صفر کو باب کلواذئی کے سامنے موت کی نیند سلادی گئی۔ خاندان عباسی کا جو نام لیوا ملا اسے تلوار کی دھار پر رکھ لیا گیا۔ اس خاندان کے صرف معدودے چند افراد جو کسی شمار قطار میں نہ تھے جان سلامت لے جا سکے۔ خلیفہ کے بڑے بیٹے احمد کو باپ کے ساتھ شہید کیا گیا اور دوسرے بیٹے عبدالرحمان کو اس کے تیسرے دن یعنی ۲۹ صفر کو ابدی نیند سلادی گئی۔ بیس لاکھ آبادی کا شہر اپنی اسی فیصد آبادی سے محروم ہو گیا' شہر کی عالی شان عمارتیں' باعظمت مساجد اور مقدس روضے زمین دوز کر دیئے گئے' بیشمار کتابیں جلادی گئی اور دارالسلام' قبتہ الاسلام و مرکز خلافت تہس نہس ہو گیا۔ اتابکان شیراز کا مدح خواں سعدی' جس کا آقا منگولوں کا نمک خوار تھا اور جس نے بغداد کی تباہی پر ہلاکو کو مبارکباد دینے کی نیت سے مراغہ کا سفر کیا تھا' اس واقعہ پر چیخ اٹھا اور عربی و فارسی میں نہایت جاں سوز و دل دوز مراثی لکھے۔

آسمان را حق بود گر خون ببارد بر زمین
برزوال ملک مستعصم امیر المومنین
اے محمدؐ گر قیامت سربروں آری ز خاک
سربروں آر و قیامت درمیان خلق بین

جب شہر میں لاشوں کے انبار لگ گئے' بدبو سے شہر کے باہر ٹھہرنا بھی ممکن نہ رہا تو ہلاکو نے وہاں سے اپنا پڑاؤ اٹھایا اور "دیہہ وقف و جلابیہ میں چندے رک کر خلیفہ و اعیان خلافت کا کام تمام کیا اور پھر واپسی کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ ان حالات میں خواجہ کا فرمانا کہ اہل شہر کو امان دی گئی اور شہر کی آبادی کا حکم دیا گیا۔

کی مرے قتل کے بعد اس نے جفا سے توبہ
ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

سے زیادہ نہیں۔

بغداد کی لوٹ مار کا مال آذربائی جان کے علاقہ کوہ تلہ پر کہ اورمی و سلماس کی ندی پر واقع تھا' ایک مضبوط و بلند عمارت بنوا کر محفوظ کر لیا گیا۔ (تفصیل کے لئے رشید الدین کی جامع التواریخ وصاف اور دوسری معاصر کتب سے رجوع کریں۔)

۳۲۔ جامع التواریخ (۲ : ۶۰' ۶۱) کے مطابق ہلاکو انسانوں اور جانوروں کی لاشوں سے پھیلی ہوئی بدبو و وباء کے باعث بیرون بغداد سے اٹھ کر چہار شنبہ ۱۴ صفر ۶۵۶ھ کو مضافات کے دیہہ وقف اور جلابیہ نامی قصبے میں چلا گیا۔ یہیں اسیر خلیفہ کو طلب کیا گیا۔ خلیفہ کو آثار سے اپنے قتل اور تباہی کا یقین ہو گیا۔ تو اس نے اپنے وزیر ابن العلقمی سے

تدبیر پوچھی اس نے طنز آمیز جواب دیا۔ خلیفہ نے غسل کی اجازت چاہی جو پانچ منگول سپاہیوں کی موجودگی میں دی گئی۔ خلیفہ نے اس موقع پر اپنی بدحالی پر کچھ پر اثر اشعار بھی پڑھے اور اسی دن سورج ڈھلتے اس کا ولی عہد خلافت اور پانچ خدام کے ساتھ کام تمام کر کے بنو عباس کے ڈھلتے سورج کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ڈویا دیا گیا۔ بہالے گئی سیل تاتاران کو

۳۳۔ خواجہ کا بیان ہے کہ **المستعصم** کا منجھلا بیٹا (پسر میانین) الامیر الاوسط ابو الفضائل عبدالرحمان باپ کے ساتھ (۱۴ صفر) کو شہید کیا گیا اور بڑا بیٹا (مہلین پسر) الامیر الکبیر ابو العباس احمد کو دوسرے دن (۱۵ صفر) کو درجہ شہادت پر فائز کیا گیا۔ یہ بیان رشید الدین کے بیان سے مختلف ہے جس کی رو سے بڑا بیٹا ۱۴ صفر کو باپ کے ساتھ اور منجھلا بیٹا ۱۶ صفر کو جمعہ کے دن شہید کئے گئے۔ تمام تاریخی بیانات سے رشید الدین ہی کے بیان کی تائید ہوتی ہے۔ خواجہ کا بیان منفرد ہے۔ پھر یہ بھی ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ابن **العلقمی** اور خود خواجہ نصیر الدین طوسی خلیفہ کے بڑے بیٹے کو واقعہ کرخ میں ملوث سمجھتے تھے اور طنزاً "ابوبکر کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور سقوط بغداد کے بعد اس کی جان کے لاگو تھے۔ اسی لئے خلیفہ اسے اپنے سے الگ نہ کرتا تھا' حالانکہ منجھلے بیٹے کو دوران محاصرہ وزیر کے ہمراہ ہلاکو کے ہاں بھیج چکا تھا اور ہلاکو اس کی شجاعت سے متاثر بھی ہوا تھا۔ بنابریں ابو العباس احمد (پسر بزرگ) کا باپ کے ساتھ مقتول ہونا ہی قرین قیاس ہے۔ حیرت ہے کہ خواجہ سقوط بغداد کے عینی شاہد ہوتے ہوئے ایسی غلطی کر بیٹھے۔

۳۴۔ اوزان (زائے منقوطہ کے ساتھ) منگولوں کی اصطلاح میں **بمعنی** عمل جات' صنعت گراں استعمال ہوا ہے۔ (جامع التواریخ) کے مطابق اس سے کمان گر اور تیر تراش اور (وصاف) کے مطابق زین دوز لگام ساز مراد ہیں' اور ان (رائے غیر منقوطہ کے ساتھ) منگولی زبان میں عمل جات' کارگراں' صناع پیشہ و اہل حرفہ کو کہتے ہیں۔ صحیح املاء رائے غیر منقوطہ سے ہے (جامع التواریخ' وصاف و لغات منگولی)

۳۵۔ ادستو بہادر۔ ذیل کے تمام نسخوں میں ہلاکو کی جانب سے بغداد کی **شحنگی** پر مقرر کئے جانے والے شخص کا نام یہی درج ہے۔ مگر دوسری تمام تاریخوں از قبیل حوادث الجامعہ' **الفخری**' جامع التواریخ و وصاف میں اس کا نام علی بتایا گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص کے ہیں کہ منگولوں اور ترکوں کا یہ طریقہ رہا ہے کہ وہ دو نام رکھتے تھے۔ ایک اسلامی دوسرا ترکی یا منگولی' سو شحنہ بغداد کا اسلامی نام علی بہادر اور منگولی نام ادستو بہادر ہوگا۔ علی بہادر بڑا دیندار تھا نماز **پنجگانہ**' نماز جمعہ' نماز تراویح کا پابند تھا۔ سقوط

بغداد سے لے کر ۶۶۱ھ تک وہ بغداد کا شحنہ رہا اسی سال جوینی کی دشمنی اور سازش کی وجہ سے اس کو خیانت مجرمانہ کی پاداش میں ہلاکو کے حکم سے شہید کر دیا گیا۔

۳۶۔ سیاہ کوہ کے نام کے ایران میں کئی پہاڑ ہیں۔ مگر جامع التواریخ کے سیاق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سیاہ کوہ ہمدان کے نواح میں تھا اور بعد کی کتابوں میں کوہ پنجہ علی یا پنجہ علی داغ بھی کہا گیا ہے۔

۳۷۔ بغداد کے محاصرہ کے دوران حلہ شیعوں کا گڑھ تھا وہاں سے کچھ علوی صاحبان عقل و دانش (چند علوی دانش مند) ہولاکو کی خدمت میں حاضر ہوئے' اطاعت قبول کی اور منگولی شحنہ کی تقرری کی درخواست کی۔ ہلاکو نے دو افراد کو حلہ کی امارت پر مقرر کر کے علویان دانش مند کے ہمراہ کر دیا۔ بعد ازاں ہلاکو نے اہل حلہ کی وفاداری کے امتحان کی غرض سے اپنے برادر نسبتی بوقا تیمور کو کہ اولجائی خاتون کا بھائی تھا' ایک فوج کے ساتھ حلہ بھیجا۔ حلہ والوں نے دریائے فرات پر پل باندھ کر منگولی لشکر کا شاندار استقبال کیا۔ بوقا تیمور نے ان لوگوں کی ثابت قدمی دیکھ کر ۱۰ صفر ۶۵۶ھ کو وہاں سے کوچ کیا (جامع التواریخ ۲ : ۶۲' ۶۳) حلہ کی آبادی اہل تشیع پر مشتمل تھی اور ہر چند کہ وہ عباسیوں کے ماتحت تھے۔ مگر باہمی تعلقات کی نوعیت دگرگوں ہی رہی۔ عباسیوں کو کمزور یا مشغول پا کر اہل حلہ ان کی اطاعت کا جوا اپنی گردنوں سے اتار پھینک دیتے۔ ان کے دشمنوں کی مدد کرتے اور ان کے خلاف سازشیں کرتے تھے۔ اسی طرح عباسی جب ان پر قابو پاتے انہیں تباہ و برباد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے تھے مثلاً ۵۵۲ھ میں سلطان محمد سلجوقی نے بغداد کا محاصرہ کیا تو عباسی خلیفہ المقتفی کے خلاف اہل حلہ نے سلجوقیوں کی مدد کی اس کا انتقام لینے کی غرض سے المقتفی کے جانشین المستنجد نے ۵۵۸ھ میں حلہ پر حملہ کیا اور وہاں آبادبنی اسد کو شکست دے کر شہر سے نکال دیا (الکامل لابن الاثیر بر مواقع یعنی سنین مذکورہ کے تحت)

۳۸۔ بوقا تیمور ۱۰ صفر ۶۵۶ھ کو حلہ سے واسط کی تسخیر کے لئے روانہ ہوا۔ ۱۷ صفر کو اس کا لشکر واسط کے سامنے خیمہ زن تھا۔ اہل شہر نے اطاعت قبول کرنے سے انکار کیا اور شہر کے دفاع کے لئے سینہ سپر ہو گئے۔ لیکن آخر کار انہیں شکست ہوئی اور شہر پر منگولوں کا قبضہ ہو گیا منگول سپاہ نے حسب عادت لوٹ مار' قتل اور آتش زنی کا سلسلہ شروع کر دیا۔ چالیس ہزار مسلمان شہید ہوئے اور شہر کو تہس نہس کر کے رکھ دیا گیا۔ (جامع التواریخ ۲ : ۶۲)

۳۹۔ واسط کو برباد کر کے بوقا تیمور خوزستان کے مرکزی شہر شوشتر (ششتر) پہنچا۔ اس کے ہمراہ شرف الدین ابن الجوزی بھی تھے کہ اہل شوشتر کو اطاعت پر آمادہ کرنے کی ذمہ داری

انہیں پر ڈالی گئی تھی۔ ہر چند کہ اہل شوشتر نے منگولوں کی اطاعت قبول کر لی' لیکن شہر میں موجود عباسی فوج نے کہ ترکوں پر مشتمل تھی' مقابلہ کیا۔ ان میں کچھ مارے گئے' باقی بھاگ نکلنے میں کامیاب ہو گئے۔ (جامع التواریخ ۲ : ۶۳)

۴۰۔ بوقا تیمور کی پیش قدمی کے نتیجے میں بصرہ اور کوفہ والوں نے بے لڑے بھڑے منگولوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس دوران میں امیر سیف الدین بیتکچی کی درخواست پر ہلاکو نے نجف میں مزار امیر المومنین علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت اور وہاں کے باشندوں کی سلامتی کی غرض سے سو منگول سپاہیوں کا ایک دستہ تعینات کر دیا۔ (جامع التواریخ ۲ : ۶۴)

۴۱۔ خواجہ نصیر الدین طوسی کے ذیل کے ترجمہ اور حواشی کے بعد ہم اپنے مضمون کو ختم کرنے سے پہلے ایک مکتوب کا ذکر کرنا چاہیں گے جو ہلاکو کے حکم سے انہوں نے عربی زبان میں اہل حلب کے نام لکھا تھا۔ اس خط میں بغداد پر منگولوں کے تسلط' المستعصم اور اس کی فوج کی تباہی کا ذکر کر کے اہل حلب کو ڈرایا گیا تھا کہ وہ بغداد کے حشر سے عبرت پکڑیں اور جادہ اطاعت سے انحراف نہ کریں۔ اس خط کے بیشتر فقرے قرآنی آیات سے ماخوذ ہیں اور قرآن میں اہل ایمان کے لئے جو فقرے اور کلمے استعمال ہوئے ہیں' خواجہ نے انہیں ہلاکو اور اس کی سپاہ کے لئے اور جو کلمے اور فقرے اہل شرک و کفر کے حق میں استعمال ہوئے ہیں انہیں المستعصم باللہ اور مظلوم مسلمانوں کے لئے مخصوص کیا ہے۔ خواجہ نے مکتوب کے اخیر میں ہلاکو کی اطاعت کو راہ ہدایت کی اتباع قرار دیا ہے یہ مکتوب خواجہ کے تملق و تعصب کی بدنما مثال ہے ہم جامع التواریخ کی دوسری جلد صفحہ ۶۴ سے اسے بلفظہ نقل کر کے اس کا ترجمہ پیش کرتے ہیں یہاں یہ بھی یاد رہے کہ یہ مکتوب ہلاکو کی جانب سے لکھا گیا ہے۔ اس میں متکلم کی ضمیر اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے استعمال کی ہے' لیکن خواجہ نے اسے ہولاکو کے لئے استعمال کیا ہے۔ فشتان ما بینھما :

اما بعد فقد نزلنا بغداد سنتہ ست و خمسین و ست ماۃ فساء صباح المنذرین فدعونا مالکھا فابی فحق علیہ القول فاخذناہ اخذا" وبیلا و قد دعوناک الی طاعتنا' فان اتیت فروح و ریحان' و ان ابیت فخزی و خسران فلا تکن کالباحث عن حتفہ بظلفہ و الجادع مارن انفہ بکفہ فتکون من الاخسرین اعمالا" الذین ضل سعیھم فی الحیاۃ الدنیا و ھم یحسبون انھم یحسنون صنعا" و ما ذالک علی اللہ بعزیز و السلام علی من اتبع الھدی

حمد و نعت کے بعد ہم ۶۵۶ھ میں بغداد پہنچے۔ (پڑاؤ کیا) پس وہ لوگ جو عذاب سے ڈرائے گئے تھے ان کی صبح بڑی بری ہوئی ہم نے (بغداد) کے مالک (المستعصم) کو (صلح و اطاعت کی جانب) بلایا مگر اس نے (ہماری اطاعت قبول کرنے سے) انکار کیا' سو اس پر بات ثابت ہوگئی اور ہم نے اسے سخت گرفت میں لیا (اے حاکم حلب) ہم تجھے اپنی اطاعت کی دعوت دیتے ہیں۔ اگر تو مطیع ہو کر ہماری خدمت میں حاضر ہوگا تو تیرے لئے مسرت و شادمانی ہے اور جو تو نے (ہماری اطاعت سے) انکار کیا تو تیرے واسطے ذلت و خواری (خسارہ) ہے تو اس کی طرح نہ بن جو اپنی موت (قبر) اپنے کھر (پاؤں) سے کھودتا ہے اور اپنی ناک کا سرا (پھنگ نرمہ) اپنے بازو (ہاتھ) سے کاٹتا ہے' یوں تو ان لوگوں میں سے ہوگا جو اپنے اعمال کے لحاظ سے بڑے گھاٹے میں رہتے ہیں اس دنیوی زندگی میں ان کی کی کرائی محنت اکارت جاتی ہے حالانکہ وہ (اپنی نادانی سے) یہ سمجھتے ہیں کہ بڑا اچھا کام کر رہے ہیں۔ اللہ کے لئے یہ کوئی دشوار بات نہیں ہے (کہ جسے چاہے سیدھا راستہ دکھائے) اور سلامتی ہے اس کے لئے جو ہدایت کی راہ (ہلاکو کی اطاعت) اختیار کرتا ہے۔ (ختم شد)

علاء الدین عطا ملک جوینی کی کتاب ''تاریخ جہاں گشائی'' کو منگولوں، خوارزم شاہوں اور اسماعیلیوں کی تاریخ کی حیثیت سے ہر دور میں بڑی اہمیت حاصل رہی ہے۔ اصل کتاب تین جلدوں پر مشتمل ہے۔ پہلی جلد منگولوں کے حالات پر دوسری جلد خوارزم شاہیوں کے احوال و آثار پر اور تیسری جلد اسماعیلیوں کے حالات، ان کے قلعوں کی تفصیل، ان کے مذہبی عقائد کی توضیح وتشریح، ان کے قدیم عقائد، نیز ہولاکو کے ہاتھوں ان کی حکومت کے مکمل خاتمے کے ذکر پر مبنی ہے۔

تاریخ جہاں گشائی کا نسخہ ۱۹۳۷ء میں مشہور ایرانی فاضل علامہ محمد بن عبدالوہاب قزوینی کے علمی مقدمہ اور تحقیقی حاشیوں کے ساتھ برل، لائیڈن (ہالینڈ) نے شائع کیا تھا، اسی نسخہ کی جلد سوم کا ترجمہ اردو میں پہلی بار پروفیسر علی محسن صدیقی کے صاحب نے کیا اس ترجمہ میں ان کا پر مغز مقدمہ بھی شامل ہے۔ اس کتاب کو پہلی بار اردو زبان میں ادارۂ قرطاس کے توسط سے پیش کیا جارہا ہے۔